UNIVERSAL LIBRARY

OU_224143

UNIVERSAL LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. Accession No.

Author

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کا

سہ ماہی رسالہ

نوائے ادب

ناشر

ادبی پبلشرز (شعبۂ اشاعت انجمن اسلام) ممبئی ۸

891SC3.8
نوائے ادب

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
(بمبئی یونیورسٹی سے ملحق)

کے

اغراض و مقاصد

۱. ایم اے کی تعلیم کا انتظام
۲. پی، ایچ، ڈی اور دوسرے تحقیقاتی کام کرنے والوں کی اعانت۔
۳. تحقیقاتی کام کرنے والے اداروں اور جامعوں سے تعاون۔
ایک جامع کتب خانہ کا قیام۔
۵. مختلف کتب خانوں کے اردو کے مخطوطات کی فہرست کی ترتیب۔
۶. نایاب مخطوطات و مطبوعات کی اشاعت۔
۷. اردو سے متعلق ایک علمی و تحقیقاتی سہ ماہی رسالہ کا اجراء۔

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کے

سہ ماہی رسالہ نوائے ادب کی خصوصیات

۱. اردو زبان و ادب سے متعلق مختلف پہلوؤں پر بحث و تحقیق۔
۲. گجرات و دکن کی غیر مطبوعہ اردو تصانیف کی اشاعت
۳. اردو سے متعلق تحقیقاتی کاموں کی اطلاع۔
۴. اردو کے علمی و ادبی رسائل کے مضامین کی تلخیص و اشاعت۔

رسالہ سال میں چار بار شائع ہوگا

جنوری اپریل جولائی اکتوبر

چندہ سالانہ:- چار روپے مع محصول ڈاک
ششماہی:- دو روپے
فی پرچہ:- ایک روپیہ

ایڈیٹر: نجیب اشرف ندوی

ترسیل مضامین و خط و کتابت

ڈائرکٹر

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

۹۲۔ دادا بھائی نوروجی روڈ

بمبئی ۱

خریداری و ترسیل زر

ہندوستان میں:-

ادبی پبلشرز

۸ شیفرڈ روڈ، بمبئی ۸

معذرت

پریس کی بعض ناگزیر مجبوریوں کی بنا پر نوائے ادب، جنوری ۱۹۶۱ء کا شمارہ کافی تاخیر سے شائع ہو رہا ہے۔ انہیں مجبوریوں کے پیش نظر اس کا بھی امکان ہے کہ اگلے پرچے کی اشاعت میں بھی کچھ دیر ہوجائے۔

ہم اپنے سرپرستوں سے معذرت خواہ ہیں اور ساتھ ہی انہیں یقین دلانا چاہتے ہیں کہ یہ تاخیر ایک عارضی مجبوری ہے، اسے ہمارا شعار نہ سمجھا جائے۔

پاکستان کے خریداروں سے درخواست ہے کہ وہ اپنا چندہ اسٹیٹ بنک آف انڈیا، شاخ کراچی یا ڈھاکہ کے ذریعہ روانہ فرمائیں۔ ممکن ہو تو دو یا تین سال کا چندہ ایک ساتھ بھیجیں تاکہ بار بار زحمت نہ اُٹھانی پڑے۔

جلد ۲ — [شما]رہ ۱

نمبر شمار			صفحہ
۱	ادبی پبلشرز		۲
۲	مراثیِ جواد	نجیب اشرف ندوی	۵
۳	اردو کا پہلا ڈراما نویس، ڈاکٹر بھاؤ داجی لاڈ	ڈاکٹر عبد العلیم نامی، بمبئی	۱۷
۴	کتب خانہ نواب سالار جنگ کی اردو مطبوعات کا ایک جائزہ (۲)	نصیر الدین ہاشمی، حیدر آباد	۲۹
۵	مضامین نوائے ادب کی دہ سالہ فہرست		۱ ـ ۲۴
۶	مقالہ نما (ضمیمہ)	ڈاکٹر عالی جعفری و دیگر مرتبین	۱ ـ ۲۰

شذرات

انگریزوں نے جہاں ایک طرف ہم کو ہماری سیاسی آزادی اور مادی پیداوار کی دولت سے محروم کردیا تھا وہیں انہوں نے ہماری علمی و ذہنی تخلیقات کے خزانہ پر بھی بے دردانہ تاخت و تاراجی شروع کردی تھی۔ چنانچہ جوں ہی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ارباب حل و عقد کو سیاسی اقتدار حاصل ہوا انہوں نے اپنے افسروں کو جو ہندوستان میں ان کے نمائندے تھے ہدایت کی کہ وہ نہ صرف یہ کہ یہاں کی مادی دولت کو ان تک پہنچائیں بلکہ ہندوستان میں جو علمی ذخیرے ہیں ان کو بھی حاصل کرکے لندن بھیجیں اور یہ سلسلہ حصول آزادی تک جاری رہا۔ لندن میں یہ علمی خزانہ انڈیا آفس لائبریری کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے علاوہ اس لائبریری میں وہ دستاویزیں روز نامچے اور دوسرے تاریخی کاغذات ہیں جو ہماری گذشتہ تاریخ کی صحیح دستاویز ہیں۔ چنانچہ سیاسی آزادی کے بعد ہی ہندوستان کی حکومت نے یہ کوشش شروع کہ انڈیا آفس لائبریری چونکہ خالص ہندوستانی ملکیت ہے اس لئے وہ ہندوستان کو لوٹا دی جائے، ہماری حکومت نے صرف خط و کتابت ہی نہیں کی بلکہ جب مولانا ابو الکلام مرحوم انگلستان گئے تو انہوں نے اس موضوع پر متعلقہ ذمہ دار لوگوں سے گفتگو کی پھر حال ہی میں ہمایوں کبیر صاحب لندن گئے تو انہوں نے پھر اس مسئلہ کو سنجیدہ اور پرزور طریقہ سے اٹھایا، اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ تقریباً سنہ ۱۹۵۸ء تک صرف ہندوستان اس سلسلہ میں اپنی موثر آواز بلند کررہا تھا لیکن اس کے بعد پاکستان نے بھی اس مطالبہ مین شرکت کی۔ اس سلسلہ میں بعض اخبارات نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ بہت ممکن ہے کہ ملکہ معظمہ انگلستان کی آمد کے وقت کتبخانہ کی واپسی کا مژدہ جانفزا ہم کو ملے اگر ایسا ہوا تو یہ ہماری بڑی خوش قسمتی ہوگی۔ اس سلسلے میں بہرحال ہم کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جو ذخیرہ بھی ہے وہ سارے ہندوستان کا ہے اس لئے اگر کتب خانہ تقسیم ہوا تو ہم کو یہ کوشش کرنا چاہئے کہ جو کتابیں یا دستاویزیں ہم کو نہیں ملی ہیں ان کی مائیکرو فلم ضرور حاصل کی جائے اور اس طرح کتب خانہ مکمل رہے۔

یوں تو ہمارے یہاں اردو ادب پر صحیح کام کرنے والوں کا قحط ہے پھر ایسی خواتین جن کا ذوق بلند، نظر وسیع، فکر صالح ہو اور جو نظر و فکر کے

ساتھ ساتھ کام کرنے کی خدا داد صلاحیت رکھتی ہوں شاید ایک ہاتھ کی انگلیوں کی تعداد سے زیادہ نہیں ہیں، ایسی حالت میں بیگم قدسیہ زیدی کا اچانک انتقال کر جانا ہمارے ادب کی علمی و عملی دونوں حیثیتوں سے ایک بڑا المیہ ہے۔ بیگم صاحبہ مرحومہ بچوں کے ادب میں ممتاز درجہ کی مالک تھیں۔ پھر سنسکرت اور دوسری زبانوں کے ڈراموں کے ترجموں نے ان کو اس دنیا میں بھی بلند مقام عطا کیا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے ہمارے اسٹیج کی زبوں حالی کے پیش نظر دہلی میں ایک ہندوستانی تھیٹر کی بنیاد ڈالی تھی۔ وہ مختلف تہذیبی، ادبی، تعلیمی اداروں کے ساتھ وابستہ تھیں۔ ان کی سب سے بڑی خوبی ان کی انسانی دوستی اور عام ہمدردی تھی۔ ان کی وفات کی وجہ سے جو جگہ خالی ہوئی ہے وہ شاید جلد پر نہ ہوسکے۔ بہر حال ہمارا فرض ہے کہ ہم ان تمام ادبی، علمی و تعلیمی کاموں کو جو انہوں نے اپنے ذمہ لے رکھے تھے مکمل کرنے کی کوشش کریں۔ ہم کو اس سانحہ میں کرنل بشیر حسین زیدی اور ان کے خاندان سے دلی ہمدردی ہے۔

گذشتہ مہینے اور اس مہینہ مختلف ریاستوں میں اردو کانفرنسیں منعقد ہوئیں اور فروری میں ایک کل ہند اردو اجتماع کانپور میں ہورہا ہے۔ یقیناً ان اجتماعوں سے اتنا فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک جگہ ایک علاقہ یا ایک ریاست کے حالات سے واقف ہوجاتا ہے لیکن یہ کانفرنسیں عام طور سے اپنے پیچھے کوئی دیرپا تعمیری اثر و جذبہ نہیں چھوڑتیں۔

ہمارا خیال ہے کہ ایسی کانفرنس کے انعقاد سے پہلے اس میں شریک ہونے اور عملی حصہ لینے والوں کو اپنے یہاں کے بعض مسئلوں سے متعلق ایک یادداشت مرتب کرلینی چاہئے۔ اور پھر ہر شریک بزم اپنے اپنے علاقہ کے حالات کی روشنی میں اپنے تعمیری خیالات پیش کرے۔ ہمارا خیال ہے کہ ان کانفرنسوں کا اس زمانہ میں انعقاد بڑی حد تک مردم شماری سے بھی متعلق ہے۔ آج سے دس سال پہلے جو مردم شماری ہوئی تھی، اس سے متعلق یہ عام شکایت تھی کہ مردم شماری کرنے والوں نے اردو کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور یہی وجہ ہے کہ اردو کے بڑے بڑے مرکزوں تک میں اردو بولنے والوں کی تعداد کاغذ پر بہت تھوڑی نظر آتی ہے۔ اب فروری میں مردم شماری ہورہی ہے اور اردو والوں کو موقعہ ہے کہ وہ اس کا انتظام کریں کہ لوگ اپنی جو مادری زبان بتائیں وہی فارم میں بھی درج

کی جائے. خدا کرے کہ یہ کانفرنسیں اپنے اس مقصد میں پوری طرح کامیاب ہوں. اس مرتبہ پھر کوئی شکایت نہ ہو اور ہم صحیح طور سے اردو بولنے والوں کی تعداد کا تعین کرسکیں.

ایک طرف ہمارے یہاں اردو دوستی کا غلغلہ بلند کیا جاتا ہے اچھے ادب کا مطالبہ ہوتا ہے، بلند معیار ادبی و علمی رسائل کی مانگ ہوتی ہے. لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو ایک طرف سے دوسری طرف تک خاموشی چھا جاتی ہے ہم اردو مدارس و مکاتب کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن ہم نے کتنے مدارس و مکاتب اس بارہ سال کے اندر قائم کئے. کیا ہم نے دار المصنفین، ندوۃ المصنفین، انجمن ترقی اردو جیسے مرکزی اداروں کی مطبوعات کو بڑے پیمانے پر خرید کر ان کی مالی حالت درست کرنے کی کوشش کی. اور پھر کیا ہم نے اچھے علمی رسائل کی خریداری قبول کرکے ان کو قبل از وقت کی موت سے بچایا. ہمارے ملک میں اردو بولنے اور پڑھنے والوں کی کمی نہیں لیکن اگر ایک طرف ایک ادارہ کی مدد اور دوسری طرف ایک فرد واحد کا وفادارانہ عزم شریک نہ ہوتا تو معارف و نگار ہماری بے توجہی کے شکار ہوچکے ہوتے اس لئے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک رسالہ نے پچیس سال کی عمر طے کرلی ہے تو ہم کو بہت خوشی ہوتی ہے کچھ دنوں پہلے اسی بمبئی کے ایک رسالہ صبح امید نے اپنی سلور جبلی منائی تو اور اب اسی شہر سے شائع ہونے والے دوسرے رسالہ شاعر کی اشاعت و ادبی خدمت کا سی سالہ جشن منایا جانے والا ہے. اس سلسلہ میں رسائل کی نمایش، ہند و پاک مشاعرہ اور مقالات خوانی کا بھی پروگرام ہے. اردو ادب و زبان کی خدمت کا اعتراف کام کرنے والوں کی ہمت بڑھاتا ہے. ہم کو امید ہے کہ یہ جشن ہر صورت سے کامیاب ہوگا.

اس سلسلہ میں شاید یہ تذکرہ مسرت بخش ہوگا کہ اس طرف بعض اچھے رسالے نکلنا شروع ہوئے ہیں. ان میں صبا کے علاوہ حیدر آباد کا مجلس پاکستان کے ترقی اردو بورڈ کا رسالہ اردو نامہ قابل ذکر ہیں. پھر جامعہ جو عرصہ تک جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے ترجمان کی حیثیت سے علمی، تعلیمی، ادبی خدمات انجام دینے کے بعد بند ہوگیا تھا چہل سالہ جشن کے ساتھ ہی ساتھ پھر سے نکلنا شروع ہوا ہے اور ہمیں امید ہے کہ اپنی گذشتہ اعلیٰ روایات کو باقی رکھتے ہوئے مستقل طور سے علم و ادب کی خدمات انجام دیتا رہے گا.

ہم کو یہ اعلان کرتے ہوئے خوشی ہوتی ہے کہ ہمارے رفیق کار جناب عبدالرزاق قریشی کی مرتبہ کتاب مظہر جان جاناں اور ان کا کلام چھپ گئی ہے اور فروری کے آخر تک فروخت کے لئے بازار میں آجائے گی.

نجیب اشرف ندوی ☆

مراثئ جوّاد

آج سے چند سال پہلے بمبئی یونیورسٹی کے کتب خانہ میں چند قلمی کتابیں فروخت کے لئے آئی تھیں، انہیں میں جواد کے بارہ مرثیوں کا یہ مجموعہ بھی تھا نسخہ بہت خوش خط اور مذہب ہے۔ پہلے صفحہ پر گیارہ جنوری ۱۸۷۹ اور

Rev. F. Lazious
In. 64 th Regiment
Cawnpore
5 Oct. 1857

انگریزی میں لکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ نسخہ غدر کے زمانہ میں پادری صاحب کو ملا۔ مرثیوں سے پہلے مرثیوں کی فہرست ہے۔ اس فہرست کے اوپر لکھا ہے:

فہرست مرثیہ تصنیف خانہ زاد آغا مرزا تخلص جواد سال ۱۲۴۲ ہجری

ہر مرثیہ کے خاتمہ پر آغا میر کے لئے دعا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جواد نے یہ مرثیے آغا میر کے لئے لکھے تھے اور اس وقت لکھے تھے جب معتمدالدولہ وزیر تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے دربار سے وابستہ رہے ہوں۔

معتمدالدولہ آغا میر سنہ ۴۲ ـ ۱۲۳۵ھ، تک نواب اودھ غازی‌الدین حیدر کے وزیر تھے۔ سنہ ۱۲۴۲ ھ میں معزول ہوکر کانپور چلے آئے اور یہیں ۵ ذی‌الحجہ سنہ ۱۲۴۷ھ کو انتقال کیا۔

ہم ذیل میں مکمل فہرست دینے کے بعد ہر مرثیہ کے تین بند نقل کرتے ہیں۔ پہلا بند ابتدائی ہے اور آخری دو بندوں میں سے پہلے میں شاعر کا تخلص ہے اور دوسرے یا آخری بند میں آغا میر کے لئے دعا۔

یہ مرثیے معتمدالدولہ کی وزارت کے آخری سال کہے گئے اور آغا میر کے ساتھ کانپور اور کانپور سے برسوں کا چکر کاٹتے ہوئے بمبئی آئے یہاں بھی ان کو پناہ نہیں ملی اور نہ معلوم اب کہاں ہیں۔

☆ نجیب اشرف ندوی، ڈائرکٹر انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، دادا بھائی نوروجی روڈ، فورٹ، بمبئی

فہرست مرثیہ ہائے تصنیف خانہ زاد آغا مرزا تخلص جواد سال سنہ ١٢٤٢ ہجری

این مرثیہ در احوال	زندان میں عجب حال سکینہ تھا الم سے	جناب سکینہ علیہا السلام
این مرثیہ در احوال	جب چھد گیا اصغر کا گلا تیر ستم سے	شہادت جناب علی اصغر
این مرثیہ در احوال	جب بھانجے ٹکڑے ہوئے سلطان زمن کے	شہادت پسران زینب
این مرثیہ در احوال	نیزہ چھاتی پہ جو ہمشکل نبی نے کھایا	شہادت جناب علی اکبر
این مرثیہ در احوال	پیاس کے مارے سکینہ کا عجب عالم تھا	شہادت جناب عباس
این مرثیہ در احوال	مدینے میں جو خالی فاطمہ کا نامہ بر آیا	جناب فاطمہ صغرا
این مرثیہ در احوال	رخصت ہوا جو قاسم نوشاہ شاہ سے	شہادت جناب قاسم
این مرثیہ در احوال	تنہا جو رن میں حضرت شبیر ہوگئے	شہادت جناب امام حسین
این مرثیہ در احوال	دیکھا زینب نے کہ شبیر پہ غم طاری ہے	شہادت پسران زینب
این مرثیہ در احوال	گھر میں حارث کے جو آئے پسران مسلم	شہادت پسران علیہ
این مرثیہ در احوال	جب رضا شاہ سے لینے علی اکبر آیا	شہادت جناب علی اکبر
این مرثیہ در احوال	عزیزو جب رہا تنہا خلف ساقیٔ کوثر کا	شہادت جناب امام حسین

یا فتاح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[۱]

۱ زنداں میں عجب حال سکینہ تھا الم سے
تھم رہتے تھے آنسو نہ کبھی دیدۂ غم سے
کھاتی تھی نہ پیتی تھی وہ شبیر کے غم سے
فارغ تھی نہ ایک آن غم شاہ امم سے
اندوہ سے فرقت کے یہ حال اوسکے تھا جی کا
ہر بات پہ تھا نام حسین ابن علی کا

۵۷ سجاد ہوئے کہکے یہ پھر راہئ زندان
اور واں پہ یہ ماتم تھا کہ جس کا نہیں پایاں
طاقت نہیں کہنے کی جواد اب کے عنواں
کر عرض یہی روکے کہ اے شاہ شہیداں!
کونین کی تو ذات تیری عقد کشا ہے
مقبول کر اوس کو بھی جو کچھ میری دعا ہے

۵۸ اے سبط نبی تم سے دعا ہے یہ بہ منت
تا حشر رہے معتمد الدولہ سلامت
آفاق کی ہے دم سے اسی شخص کی زینت
ہے روز بروز اسکی فزون دولت و حشمت
ایسے کی صفت لکھی نہیں جاتی قلم سے
بے فکر جہاں کو ہے کیا اپنے کرم سے

[۲]

۱ جب چھد گیا اصغر کا گلا تیر ستم سے
اور باز وہ معصوم رہا آمد دم سے
صدمہ کوئی پوچھے وہ دل شاہ امم سے
سوراخ ہوا انکا جگر تیرِ الم سے
سینے سے بپا آہ تھی اور اشک رواں تھے
ایک حالت سکتے میں امام دو جہاں تھے

۴۹ پھر رن کو روانہ ہوئے وہ سبط پیمبر
جو جو کہ کہا بانو نے تھا سب کیا جاکر
اب آکے رولاتا ہے مجھے بھی غم اصغر
بہتر ہے جواد اپنا قلم روک یہیں پر
رو رو کے مانگ لے یہ شاہ امم سے
محفوظ مجھے رکھنا زمانے کے الم سے

۵۰ یا شیر خدا تمسے دعا ہے یہی ہر دم
ہے معتمدالدولہ جو راحت دہِ عالم
اقبال کبھی اس کا نہ ہو حشر تلک کم
تم شیر الہیٰ ہو تمہارا ہے یہ ضیغم
ارماں بر آوین سدا اس شخص کے جی کے
پوتے کی مدد کیجئیو صدقے سے نبی کے

[۳]

۱ جب بھانجے ٹکڑے ہوئے سلطان زمن کے
زخمی ہوئے بیٹے شہِ بیکس کی بہن کے
ہر چند کہ تلواروں سے ٹکڑے تھے بدن کے
پر تھا یہ سخن لب پہ ہر ایک غنچہ دہن کے
ہم دونوں ادا ہو گئے گو ماموں کے حق سے
پر کیا ہی قلق ہے ہمیں اماں کے قلق سے

۴۷ یہ کہکے گئے گنج شہیدان میں سرور
رکھ لاشے دئے اور شہیدوں کے برابر
کر چاک گریبان کو پھر پیٹ لیا سر
آگے نہ جواد جگر افگار رقم کر
بس طاقت تحریر بھلا تجھ میں کہاں ہے
اب قاسم نوشہ کی شہادت کا بیاں ہے

۴۸ دن رات دعا ہے یہ میری شاہ امم سے
با جاہ و حشم معتمد الدولہ کو رکھے
بے شبہ کہ ثانی نہیں دنیا میں ہے اسکے
سچ بھی ہے کہ کیونکر نہ یہ اس رتبے کو پہنچے
اولاد رضا کی ہے یہ پوتہ ہے علی کا
سر پر رہے بس اسکے سدا سایہ نبی کا

[۴]

۱ نیزہ چھاتی پہ جو ہمشکل نبی نے کھایا
وہ حقیقت میں حسین ابن علی نے کھایا
رنج و غم جیسا کہ حیدر کے وصی نے کھایا
مرگ فرزند سے ایسا نہ کسی نے کھایا
نور عین ایسا جو تکڑے ہوا دور آنکھوں سے
اس قدر روئے کہ زائل ہوا نور آنکھوں سے

۵۷ آنکھیں پھر کرنے لگا درہم و برہم اکبر
کہا بانو نے یہ کیا کرتے ہو صدقے مادر
چھوڑے جاتے ہو اکیلا مجھے تم اے دلبر
اب سنے کون کہ وہ خلد میں پہنچا جاکر
اے جواد آگے تو غم بانو کا تحریر نہ کر
خوب رقت ہوئی ، اس دردکی تقریر نہ کر

۵۵ ہاں مگر خالق اکبر سے تو یہ مانگ دعا
رہے یہ معتمدالدولہ یہ اقبال سدا
دن بدن اس میرے آقا کا فزوں ہو رتبا
آج تک ایسا زمانے میں نہیں ہے نہ ہوا
فرق پر اس کے سدا سایۂ غفار رہے
حشر تک شیر خدا اس کا مدد گار رہے

[۵]

۱ پیاس کے مارے سکینہ کا عجب عالم تھا
منہ میں تھے کانٹے پڑے ہونٹوں پہ پہنچا دم تھا
شدت غم سے بہت بچی کو وقفہ کم تھا
چشم سے بہتا تھا خون جسم کا کرتا نم تھا
مانگتی جس سے تھی وہ شاہ کی جانی پانی
ہوتے تھے اہل حرم شرم سے پانی پانی

۵۴ آگے اس درد و الم کا نہیں ہو سکتا بیاں
سر پہ خاک اپنے اڑاتے تھے کھڑے شاہ زماں
اے جواد آگے نہیں کہنے کی بس تاب و تواں
کر دعا آٹھ پہر یہ بجناب یزداں
ہو نہ تازیست کسی غم سے سروکار مجھے
رکھیے گا فکر معیشت سے سبکسار مجھے

۵۵ آرزو سبط محمد سے یہی ہے ہر دم
ہے جو یہ معتمدالدولہ وزیر اعظم
اس کا حامی رہے ہر امر میں سلطان امم
کم نہ ہو حشر تلک اس کا ذرا جاہ و حشم
بلکہ ہر روز ترقی ہی پہ اقبال رہے
اس کا دشمن ستم چرخ سے پامال رہے

[٦]

مدینہ میں جو خالی فاطمہ کا نامہ بر آیا
مزار احمد مختار پر با چشم تر آیا
ہوا سبط نبی تکڑے یہی لیکر خبر آیا
پریشاں حال آیا پیٹتا اور نوحہ گر آیا
کبھی صدقے رسول اللہ کے روضہ کے ہوتا تھا
کبھی قبر محمد سے لپٹ کے خوب روتا تھا

۵۳ اب آگے فاطمہ صغرا کی رقت کہہ نہیں سکتا
غم و اندوہ کی ساری حقیقت کہہ نہیں سکتا
پڑی جو کچھ کہ صغراء پر مصیبت کہہ نہیں سکتا
بیٹی تھی باپ کی چہیتی جو حالت کہہ نہیں سکتا
جواد اب غیر حالت ہے تری بھی غم کی شدت سے
شرف اندوز ہوں جلدی کہیں شہ کی زیارت سے

۵۴ دعا شبیر سے دن رات میری ہے یہ واللہ
رہے روز قیامت تک یہ ضیغم جنگ جو ذی جاہ
وہ ہو برباد جلدی جو کہ اس آقا سے ہو گمراہ
جو مطلب اسکے دل میں ہو سو بر آئے وہ خاطر خواہ
تمنا ہے کہ رتبہ اس کا دن بدن فراواں ہو
ستارہ دولت و حشمت کا جوں خورشید تاباں ہو

[۷]

رخصت ہوا جو قاسم نوشاہ شاہ سے
سر دینے اپنا جانے لگا رن کو چاہ سے
جاری لہو تھا چشم شہِ دیں پناہ سے
تکتی تھی بنری دولہ کو نیچی نگاہ سے
ہر گام پر بنے کے وہ بیتاب ہوتی تھی
گھونگھٹ میں چپکے چپکے غرض خوب روتی تھی

۵۹ اس دل جلی سے کہنے لگے اتنے میں حسین
اے بھابھی خیر اچھا کیا جو کئے نہ بین
لے جاؤں لاؤ رن کو تمہارا یہ نور عین
پھر لاشہ رن کو لے گئے سرور بہ شوروشین
بس اے جواد کہنے کی طاقت نہیں مجھے
اب آگے لکھنے دیتی ہے رقت نہیں مجھے

۶۰ ہاں مانگ لے دعا یہ کہ اے سبط مصطفیٰ
ذی جاہ رکھنا معتمد الدولہ کو سدا
ایسا سخی کوئی نہیں آج تک ہوا
مطلب بر آئے جس سے کہ سارے جہاں کا
سو وہ یہی ہے اس کا نگہباں ہو جیو
حامی ہر ایک امر میں ہر آن ہو جیو

[۸]

۱ تنہا جو رن میں حضرت شبیر ہوگئے
بے یار و آشنا شہ دلگیر ہوگئے
انصار ان کے سب تہ شمشیر ہوگئے
خرم یہ حال دیکھ کے بے پیر ہوگئے
غم ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھا امام کو
دم لینا تھا محال شہ تشنہ کام کو

۷۰ گھوڑوں سے روندہ ظالموں نے لاشۂ امام
اب آگے میرے دل کو نہیں طاقت کلام
رقت سے حال غیر ہے اب لے قلم کو تھام
رو رو کے مانگ لے یہ دعا شہ سے یا امام!
مداح کرکے اپنا، طبیعت تو شاد کی
اب آرزو بھی جلد بر آوے جواد کی

۵۸ وہ آرزو یہی ہے مری اے شہ امم
دائم رہے یہ معتمد الدولہ با حشم
چشم فلک نے دیکھا ہے ایسا تو سخی کم
تیری نگاہ لطف رہے اس پہ دم بدم
آقا کو میرے تیری حمایت رہے سدا
اولاد و آل اس کی سلامت رہے سدا

[۹]

۱ دیکھا زینب نے کہ شبیر پہ غم طاری ہے
رفقا مرتے ہیں آنکھوں سے لہو جاری ہے
ہجرِ احباب سے فریاد ہے اور زاری ہے
بولی یہ دن میرے بھائی پہ بہت بھاری ہے
طور ماجائی کا بے طور نظر آتا ہے
آج سب خاتمہ بالخیر ہوا جاتا ہے

۵۹ روک خامہ کو اسی جا پہ جواد مضطر
طول یوں کرنا سخن کا نہیں ہرگز بہتر
یہ دعا مانگ لے اب ہاتھوں کو تو پھیلا کر
اے شہ ہر دوسرا شافع روز محشر
اپنے مداح پہ للہ یہ احسان کرو
مشکلیں میری جو ہیں جلد وہ آسان کرو

۶۰ اور تمنائے دلی ہے یہی ہردم یا شاہ
حشر تک معتمد الدولہ کو رکھیو ذیجاہ
رہے ہر لحظہ و ہردم اسے بس تیری پناہ
ستم چرخ سے پامال ہو اس کا بدخواہ
مرتبہ روز بروز اس کا دو چنداں ہووے
دولت و حشمت و اقبال فراواں ہووے

[۱۰]

۱ گھر میں حارث کے جو آئے پسرانِ مسلم
دونوں تھے لختِ دل، راحت جان مسلم
سر سے لے تا قدم ان میں تھی شان مسلم
خوب رونے لگے وہ نام و نشان مسلم
ایک تو باپ کے چھٹ جانے کا غم کھاتے تھے
دو سرے اپنی وہ تنہائی سے گھبراتے تھے

۴۵ پہنچا سر لے کے وہ پھر حاکم کوفہ کے قریں
شام کو اس نے روانہ کئے سر دونو وہیں
آگے بیتاب ہے سینہ میں مری جان حزیں
بس جواد اب تو مجھے طاقت تحریر نہیں
کر دعا حق سے کہ ہووے میرا مطلب حاصل
جو جو دل میں ہیں تمنائیں وہ ہوں سب حاصل

۴۶ سب سے یہ میری تمنا ہے بڑی یا شبیر
حشر تک معتمد الدولہ رہے با توقیر
ذات اس کی ہے حسنِ خلق کی خاطر اکسیر
بخدا فیض ہے اس شخص کا اب عالمگیر
دولت و حشمت و اقبال رہے حشر تلک
میرا یہ آقا جواں سال رہے حشر تلک

[۱۱]

جب رضا شاہ سے لینے علی اکبر آیا
اشک خوں دیدۂ شبیر میں تب بھر آیا
شہ نے فرمایا تو کیوں اے مرے دلبر آیا
چھوڑ کر بانو کو کیوں خیمے سے باہر آیا
بولا اکبر مجھے اب آپ پہ قربان کرو
بابا صاحب علی اکبر پہ یہ احسان کرو

۴۹ جس گھڑی ہوگیا ہمشکل پیمبر بے دم
شکر اللہ لگے کرنے امام پر غم
گرد اس لاش کے کرتے تھے ملائک ماتم
کوئی باقی نہ تھا جسکی نہ ہو چشم پر نم

اے جواد اب شہ بیکس کی شہادت ہوگی
بس خموش آگے بیاں وہ نہ مصیبت ہوگی

۵۰ حق سے دن رات یہی رہتا ہے بس اپنا سوال
حشر تک معتمد الدولہ رہے با اقبال
اس کا دشمن ستمِ چرخ سے ہووے پامال
نیرِ روح چمکتا ہی رہے سال بسال

دولت و حشمت و اقبال زیادہ ہوے
جلد حاصل ہو جو کچھ اسکا ارادہ ہوے

[۱۲]

۱ عزیزو جب رہا تنہا خلف ساقئی کوثر کا
رفیق اور دلربا ہر اک اس کا خلد کو پہنچا
یہ تنہائی کا عالم بھائی کی زینب نے جب دیکھا
بہت روئی سر اپنا پیٹ کے وہ غم زدہ دکھیا

دعا مانگی کہ ہے جینے سے زینب تنگ اے خالق
میرے بھائی سے اب موقوف ہوے جنگ اے خالق

۵۱ چھڑایا نوک پر نیزے کے سر جس وقت حضرت کا
زمانہ میں نشاں ظاہر ہوا اس دم قیامت کا
فلک نے خون برسایا ہوا سامان آفت کا
ہوا اب تک نہیں کوئی اور ویسا دن مصیبت کا

جواد اب کیا کہوں طاقت نہیں تحریر کی مجھکو
میسر ہو زیارت روضۂ شبیر کی مجھکو

ڈاکٹر عبدالعلیم نامی ٭

اردو کا پہلا ڈراما نویس

ڈاکٹر بھاؤ داجی لاڈ

مہاراشٹر جہاں سیاسی، سماجی اور تعلیمی حیثیت سے ایک اہم مقام کا مالک ہے وہیں ہندستان کی ادبی دنیا میں وہ خاص امتیاز رکھتا ہے. مرہٹی زبان کا ادب بڑا وسیع اور بڑا قدیم ہے علوم و فنون کا شاید ہی کوئی شعبہ ہو جس سے متعلق اہم تصانیف ان کے یہاں نہ ہوں. ایک بڑی خصوصیت تو یہ ہے کہ اس زبان میں انسائکلوپیڈیا ہی موجود نہیں ہے بلکہ قاموس مشاہیر کے بھی مختلف سلسلہ ہیں تاہم ان مشاہیر میں بھی بعض بزرگوں کا جنہوں نے ادب وفن کی ترقی میں کافی حصہ لیا ہے مفصل و مکمل طور سے نہیں کیا گیا ہے انہیں میں ہمارے آج کے موضوع ڈاکٹر بھاؤ داجی لاڈ ہیں حالانکہ وہ اپنی لامحدود ذہنی اور فکری صلاحیتوں اور علمی و ادبی مشغلوں کے

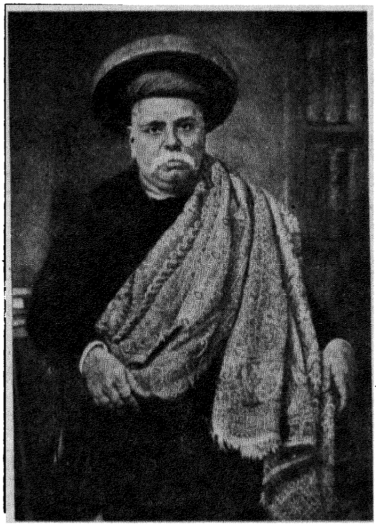

ڈاکٹر بھاؤ داجی لاڈ

باعث اس منزل پر فائز تھے جہاں بہت کم ہندوستانی پہنچ سکے ہیں ڈاکٹر لاڈ کی صلاحیتوں کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ یورپ کے بڑے بڑے مفکر، مورخ اور ڈاکٹر اہم امور میں ان سے مشورہ کرتے تھے. حکومت ہند کے بعض شعبے اور خود گورنر اپنی مجلس میں مشورت میں ان کو شریک کرتے

٭ ڈاکٹر عبدالعلیم نامی، پالکا منیشن، بھنڈی بازار، بمبئی نمبر ۳

۵۵ یہ سب کچھ اپنے صدقے سے کیا ہے آپ نے حضرت
کھاتا ہے وزیر اعظم اب یہ آپ کی دولت
تمہارے صدقے تا محشر رہے اب یہ اس کی صورت
تمنا ہے شتابی سے پذیرا ہو میری منت

میں ہوں مداح حضرت کا بر آوے آرزو میری
یقیں ہے جو کرے گا یہ دعا مقبول تو میری

ان کو اپنے ہمراہ تاریخی مقامات پر لے جاتے اور ان کی وسیع معلومات سے استفادہ کرتے تھے لیکن افسوس کہ ایسی اہم ہستی کے متعلق ان کے اہل وطن نے کچھ نہیں لکھا اور غالباً یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر لاڈ کی سوانح ابھی تک مرتب نہیں ہوسکی۔

ڈاکٹر لاڈ کو بمبئی تھیٹر سے کافی دلچسپی تھی اور کسی نہ کسی طرح وقت نکال کر وہ بمبئی امیچورس اور غیرملکی تھیٹریکل کمپنیوں کے ڈرامے اور اوپراز دیکھنے کے لئے ضرور جاتے تھے اور ممکن ہے کہ اسی سلسلہ میں ان کی ملاقات جگناتھ شنکر سیٹھ سے ہوگئی ہو۔ یہ تعلقات اسقدر بڑھ گئے تھے کہ ایک جان دو قالب کی طرح وہ ملکی و ملی خدمات دوش بدوش انجام دیتے ہوئے نظر آتے تھے۔

سنہ ۱۸۴۰ء میں اگرچہ جگناتھ شنکرسیٹھ [۱] کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی لیکن وہ بھاؤ دا جی لاڈ کی خداداد صلاحیتوں کے معترف تھے اور ہمیشہ ان کی سرپرستی فرماتے رہتے تھے۔ ۷ مارچ کو جب انہوں نے گورنر بمبئی اور ان کی لیڈی کو اپنے مزرعی مکان واقع تاردیو میں مدعو کیا تو لاڈ سے بھی ان کا تعارف کرایا جگناتھ شنکر سیٹھ نے اس دعوت پر بے دریغ روپیہ صرف کیا تھا۔ سر جمیس اور لیڈی کارنک [۲] کے علاوہ ان کی صاحبزادیاں۔ لارڈ کینز [۳] جنرل ڈیل ماوتھ [۴] کمانڈنٹ آف دی گیری زن بریگیڈ یرویلینٹ [۵] کرنل ڈائی سین سن [۶] کرنل وڈ [۷] سرجان آڈرے [۸] سر ہیزی ری مر [۹] اور دیگر اعلیٰ سول اور ملٹری عہدہ دار شریک تھے۔

بھاؤ داجی لاڈ سنہ ۱۸۲۲ء میں گوا کے ایک گاؤں منجرے [۱۰] میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا باپ وتھل ایک غریب محنتی مزدور تھا اور بت سازی سے اپنی روزی کماتا تھا۔ بھاؤداجی لاڈ کا اصل نام «رام کرشن» تھا لیکن وتھل پیار سے اسے بھاؤ

۱۔ نوای ادب بمبئی۔ جنوری سنہ ۱۹۶۰ ع اردو تھیٹر کا معمار۔ جگناتھ شنکر سیٹھ از ڈاکٹر نامی

2. Sir James and Lady Carnac,
3. Lord Keans,
4. General Dalmoth,
5. Brigadier Valiant,
6. Col. Dicetnson,
7. Col. Wood,
8. Sir John Awdry,
9. Sir Henry Remer,
10. Manjare (Mandrem, Goa)

(بڑا بھائی) کہتا تھا. رام کرشن اپنے باپ کو «داجی» سے مخاطب کرتا تھا. اس طرح اس کا نام «بھاؤ دا جی» پڑ گیا جو اسقدر مشہور ہوا کہ اصل نام پر غالب آگیا.

رام کرشن کے ساتھ اُس کے باپ کی بھی قسمت نے یاوری کی. وہ سنہ ۱۸۳۲ء میں اپنے بال بچوں کو لے کر بمبئی آیا. بھاؤ کی عمر اس وقت لگ بھگ دس سال کی ہوگی لیکن وہ اپنے باپ کے کاموں میں ہاتھ بٹاتا تھا. اسوقت ارل آف کلیر[1] بمبئی کا گورنر تھا اور شطرنج کا بیحد شائق تھا، رام کرشن بھی شطرنج کا اچھا کھلاڑی سمجھا جاتا تھا اس لئے فطری طور پر وتھل کو یہ خواہش ہوئی کہ اس کے بیٹے کی رسائی گورنمنٹ ہاؤس تک ہوجائے. اس کی دعا قبول ہوئی اور بھاؤ داجی نے گورنر کو شطرنج میں مات دی اور استادی کے گُر بھی سکھلائے.

ارل ایک شریف انسان تھا وہ چاہتا تھا کہ بھاؤ کو اچھی تعلیم ملے اس لئے ایک دن اس نے وتھل کو بلا کر ہدایت کی کہ اس کو اچھی تعلیم دی جائے. جیب خاص سے بھی ایک معقول رقم دی[2]. بھاؤ داجی بحکم گورنر مرہٹی سنٹرل اسکول میں داخل کردیا گیا. یہ بھاؤ کی خوش قسمتی تھی کہ اس کو ابتدا ہی میں نارائن شاستری جیسا رفیق شفیق استاد مل گیا جو اس کو دل لگا کر پڑھاتا اور اس کے گھر بھی جاتا تھا. بھاؤ بھی اپنے استاد کا بہت ادب کرتا تھا. جب گووند نارائن مڈگاونکر نے، جو ایک سوشیل ریفارمر تھے ایک بڑے اسکول کا افتتاح کیا تو بھاؤ جی بھی اس میں شریک ہوگیا. اسی زمانہ میں اس کی ملاقات ایک اور سوشیل ریفارمر بال شاستری جم بھیکر سے ہوگئی جو آخر وقت تک اس کا سچا محب اور سرپرست رہا.

بھاؤ داجی لاڈ نے مرہٹی تعلیم کے اختتام پر اپنی توجہ انگریزی کی طرف مبذول کی اور «بمبے نیٹیو ایجوکیشن سوسائٹی» کے اسکول میں داخلہ لے لیا. لارڈ ماؤنٹ اسٹورٹ الفنسٹن اس انسٹی ٹیوشن کے سرپرست تھے اور ایک انگریز پروفیسر ولایت سے اپنے ہمراہ لائے تھے جو انگریزی کے علاوہ دوسرے مضامین بھی پڑھاتا تھا. بھاؤ نے اسی انسٹی ٹیوشن میں اپنی تعلیم پوری کی. سنہ ۱۸۵۴ء

1. Earl of Clare.
2. Dr. Bhau Daji Laud. G. G. M. C. Shrinivas Narain Karnataki, Bombay 1931 (Marathi).

میں جب کامیاب طلبہ کے نام ٹائمس میں شائع ہوئے تو اس کا نام سر فہرست تھا۔

بھاؤ داجی لاڈ بیحد ذہین اور محنتی شخص تھا۔ اس کو ارتھمیٹک اور کمسٹری سے خاص شغف تھا وہ ان مضامین میں شروع سے آخر تک اسکالرشپ پاتا رہا تھا۔ اختتام تعلیم پر اس کو الفنسٹن انسٹی ٹیوٹ ہی میں پروفیسری مل گئی اور وہ کمسٹری اور فلاسفی پڑھانے لگا۔

اس وقت اس کے باپ کا شمار اچھے سنگ تراشوں میں تھا[1] اور چونکہ ملازمت کے سلسلہ میں وہ ایلی فنٹا میں مقیم تھا اس لئے بھاؤ کو سال میں ایک بار اپنے باپ سے ملنے کے لئے وہاں جانا پڑتا تھا، اس آمد و رفت کے باعث اس کو سنگ تراشی سے دلچسپی ہوگئی۔ اس موضوع پر جس قدر کتابیں اس کو ملیں وہ سب اس نے پڑھ ڈالیں اور بڑے اطمینان سے اس موضوع پر بھی تقریریں کرنے لگا۔

جسٹس سر ارسکن پیری جب ایلی فنٹا دیکھنے کے لئے گئے تو بھاؤ داجی لاڈ کو بھی اپنے ہمراہ لے گئے۔ اس طرح اس کا نام بھی جسٹس کے ساتھ سرکاری اعلانات اور اخبارات میں آنے لگا۔ سنہ ۱۸۶۹ء میں جب ڈیوک آف اڈنبرا ہندستان آئے تو حکومت ہند نے اسی کو ایلی فنٹا دکھلانے کے لئے مقرر کیا۔ نواب سالار جنگ نے جب لارڈ نارتھ بروک کو اجنتا دیکھنے کی دعوت دی تو اُسی کو گائیڈ مقرر کیا گیا۔

ریورنڈ ڈاکٹر ولسن جو اپنے وقت کے ایک متبحر عالم تھے اور علمی مباحث سے خاص شغف رکھتے تھے اور ٹاون ہال میں لکچروں اور جلسوں کا انتظام کرتے تھے بھاؤ داجی لاڈ کی خداداد صلاحیتوں اور قابلیت کے معترف تھے اور سنسکرت لٹریچر پر اپنے یہاں تقریریں کراتے تھے۔

سنہ ۱۸۴۷ء میں جب انجینیرنگ کالج طلبہ کی قلت کا شکار ہوگیا اور لا کلاسیں[2] بھی یکے بعد دیگرے بند ہوگئیں اور یہ خطرہ لاحق ہوا کہ میڈیکل کالج بھی اسی عدم توجہی کا شکار نہ ہوجائے تو جگناتھ شنکر سیٹھ نے بھاؤ داجی لاڈ کا نام بھی طلبہ کی فہرست میں شامل کرادیا۔

---

1. Bombay and Western India, James Douglas, Vol II plage 198, London, 1893.
2. Law Classes.

سنہ ۱۸۳۵ ء میں سر رابرٹ گرانٹ نے میڈیکل کلاسوں کا سلسلہ شروع کیا تھا لیکن سنہ ۱۸۳۸ ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کے دوستوں نے ان کا نام زندہ رکھنے کے لئے « گرانٹ میڈیکل کالج » اس کا نام رکھا۔ اس وقت سال اول میں صرف بارہ طالب علم تھے۔ بھاؤ نے وہاں بھی اپنی ذہانت و ذکاوت کا ثبوت دیا۔ سرکاری رپورٹ میں اس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے [1]۔

« ... بھاؤ داجی کی حیثیت ایک فری طالب علم ہی کی نہ تھی۔ وہ دفتر میں ملازمت کے فرائض بھی انجام دیتا تھا۔ اپنی تعلیم اور اپنے فرائض منصبی کے علاوہ اس نے فارش اسکالرشپ کے امتحان میں بھی شرکت کی۔ پاس کیا اور اسکالرشپ کی رقم غریب طلبہ میں تقسیم کردی »۔

سنہ ۱۸۵۱ ء میں بھاؤ داجی کا نصاب ختم ہوگیا۔ سر ارسکن پیری چیف جسٹس نے آٹھ طلبہ جن میں تین ہندو، تین عیسائی اور دو پارسی تھے ۱۵ اپریل کو جی۔ جی۔ ایم۔ سی۔ کی اسناد عطا فرمائیں۔ کامیاب طلبہ میں سے تین کو اسسٹنٹ سرجن اور بھاؤ داجی لاڈ کو اسسٹنٹ پروفیسر مقرر کیا گیا۔ ڈاکٹر بھاؤ داجی لاڈ نے یہ دیکھ کر مرہٹوں کو ان کی مادری زبان میں کتابیں نہ ہونے سے بے حد دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے کئی طبی کتابیں انگریزی سے مرہٹی میں ترجمہ کیں۔

ڈاکٹر بھاؤ داجی لاڈ نے کچھ عرصہ بعد ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور اپنا ذاتی دواخانہ قائم کیا۔ ڈاکٹر ولسن کا خیال ہے کہ ڈاکٹر لاڈ کا مقصد اس اقدام سے طبی تحقیقات جاری رکھنا اور غریبوں کی امداد کرنا تھا۔

ڈاکٹر لاڈ کی کامیاب زندگی پر تبصرہ کرتے ہوئے [2] لانسٹ لکھتا ہے « ڈاکٹر موصوف نے جو کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں ان کی مثال ہماری میڈیکل تاریخ کے اولین دس سال میں نہیں ملتی۔ ایک کامیاب سرجن کی حیثیت سے ڈاکٹر لاڈ نے ایک اہم مقام حاصل کرلیا تھا اور بعض بہت ہی اہم آپریشن کئے تھے [3]۔

ہندوستانیوں کے علاوہ یورپین حضرات، راجے، مہا راجے۔ نواب اور رئیس بھی ڈاکٹر بھاؤ داجی لاڈ کی خدا داد صلاحیتوں سے استفادہ کرتے تھے۔ ڈاکٹر

1. Medical College Report, 1846-47.
2 Lancet, London, January 1855.
3. Lithotomy, Cataract, Removal of Tumours and Midwifery.

موصوف سر نسروانجی چوکسی، آر. سی. منڈلک اور درجنوں صاحب ثروت خاندانوں کے فیملی ڈاکٹر تھے۔ ان کی فیس بھی یورپین ڈاکٹروں کی طرح دس روپیہ فی وزٹ تھی لیکن سرسوت برہمنوں سے کچھ نہ لیتے تھے۔ غریبوں کا علاج مفت کرتے تھے دوائیاں، پھل اور خوراک بھی اپنے پاس سے دیتے تھے۔ طلبہ سے خاص رعایت کرتے تھے۔ اسکالرشپ کے علاوہ ان کو دوائیاں، کتابیں اور ضروری چیزیں بھی دیتے تھے۔ سر جیجی بھائی بھی ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں۔ «ڈاکٹر لاڈ غریبوں کا مفت علاج کرتا۔ اپنے پاس سے دوائیاں دیتا اور مستحقیین کی دل کھول کر امداد کرتا تھا»۔

سر فیروز شاہ مہتا کا سوانح نگار رقمطراز ہے کہ جب وہ سات برس کا تھا تو بخار میں لاپرواہی کے باعث ایک سخت مرض کا شکار ہوگیا اور کئی روز تک بیہوش پڑا رہا۔ ڈاکٹر بھاؤ داجی نے نہ صرف ان کا علاج کیا بلکہ پیشن گوئی بھی کی کہ اگر یہ لڑکا زندہ بچا تو بہت بڑا آدمی بنے گا[1]۔

ڈاکٹر لاڈ کو تاریخ سے بھی دلچسپی تھی اور اس نے اس سلسلہ میں کشمیر، کلکتہ، مدراس، بردوان، پاٹلی پتر، اور دوسرے اہم تاریخی مقامات کی سیاحت بھی کی تھی اور بیتھون سوسائٹی[2] کے ایک جلسے میں مقالہ بھی پڑھا تھا۔ سر بارٹل فریر گورنر بمبئی نے بعض تاریخی تحقیقات کے سلسلہ میں اس کو جیسلمیر بھی بھیجا تھا۔ محکمہ تعلیم کے دو اسسٹنٹ مسمیٰ بھگوان اور پنڈو رنگ اس کے ہمراہ تھے۔ وہ السنہ مشرقیہ کی کافی کتابیں اور تصویریں اپنے ہمراہ لایا۔ سنہ ۱۸۶۷ء میں اس نے اپنی رپورٹ پیش کی۔ ایک تاریخ بھی مرتب کی۔ ہندوستان کی قدیم عمارتوں کی تاریخ مرتب کرنے کے لئے جب گورنر بمبئی نے مورخین کی ایک کمیٹی تاسیس کی تو ڈاکٹر لاڈ کو اس کمیٹی کا صدر مقرر کیا۔ سر اسکاٹ نے رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی جو تاریخ لکھی اس کے ابواب ــــ سنسکرت ادب ــــ عمارات اور تاریخ اسی سے لکھوائے تھے۔ ڈاکٹر نے جین مت کا بھی مطالعہ کیا تھا اور اس پر متعدد مضامین لکھوائے تھے[3]۔

ڈاکٹر لاڈ کو تعلیم سے خاص دلچسپی تھی اور چونکہ الفنسٹن انسٹی ٹیوٹ سے

---

1. Life of Sir Pheroze Shah Mehta, H. P. Mody.
2. Bethoon Society.
3. Arvachin Charitra Kosha, Siddheshwar Shashtri Chitrav, Poona, 1946, Page 539 (Marathi).

کافی عرصہ اس کا تعلق رہا تھا اس لئے سنہ ۱۸۵۱ء میں «اسٹوڈنٹس لٹریری اینڈ سائنٹفک سوسائٹی» کی مجلس منتظمہ نے اس کو رکنیت بخشی. سوسائٹی کی پانچویں نشست منعقدہ سنیچر ۱۹ فروری سنہ ۱۸۵۳ء کو اس نے یہ ثابت کردیا کہ وہ ہر ممکن قربانی سے گریز نہ کرے گا. اس اجلاس کی رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ سنہ ۱۸۵۲ء میں ۲۱ مقالے مختلف عنوانات پر پڑھے گئے. ان میں ایک ڈرامہ پر بھی تھا[1].

ڈاکٹر لاڈ کی مقبولیت روز بروز بڑھتی گئی لیکن دوشنبہ ۷ فروری سنہ ۱۸۵۶ء کو سوسائٹی کی سالانہ نمائش کے موقع پر جس کی صدارت وائیکاؤنٹس کیننگ[2] نے کی اس کا تعارف معزز مہمان سے نہیں کرایا گیا. سوسائٹی کی سالانہ رپورٹ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ڈاکٹر موصوف نے مرہٹی طالبات کی تعلیم کے لئے ایک اسکول کے جملہ اخراجات برداشت کرنے منظور کئے جو چالیس روپیہ ماہوار تھے. سوسائٹی کی مجلس منتظم نے اس گرلس اسکول کا نام ڈاکٹر بھاؤداجی کے نام پر رکھا اور ڈاکٹر موصوف کو اس کا آنریری سپرنٹنڈنٹ مقرر کیا. جب جگناتھ شنکر سیٹھ کے اسکول واقع گرگام کے طالبات کی تعداد ۸۰ تھی اور بھگوان داس پرشوتم داس کے گرلس اسکول واقع کالبا دیوی میں ۴۸ لڑکیاں پڑھتی تھیں ڈاکٹر لاڈ کے یہاں ۹۴ طالبات تھیں جو سنہ ۱۸۶۲ء میں بڑھ کر ۱۱۵ ہوگئیں.

۱۶ مئی سنہ ۱۸۵۵ء کو سوسائٹی کے اینگلوورنا کیولر بوائز اسکول کے سالانہ انعامی جلسہ کی صدارت کرتے ہوئے ڈاکٹر رچرڈریڈ[3] نے ڈاکٹر لاڈ سے درخواست کی کہ وہ گجراتی زبان میں طلبہ کو خطاب کریں چنانچہ انہوں نے اپنی تقریر میں ان لوگوں کو بہت سخت و سست کہا جو پس پردہ تعلیم نسواں کی مخالفت کرتے ہیں[4].

چونکہ ڈاکٹر بھاؤ داجی لاڈ کا بیشتر وقت قومی و ملکی خدمت میں صرف ہوتا تھا اس لئے سوسائٹی نے اعلان کیا کہ «ڈاکٹر بھاؤداجی مرہٹی گرلس اسکول

1 "On the Restoration of Dramatic Representations among the natives of India".
2 Viscountess Canning.
3 Dr. Richard T. Reid, LL. D:, Bar-at-Law, Perry Professor of Jurisprudence.
4 Students' Literary and Scientific Society, Report for the year 1855-56, Page 21.

واقع لوہار چال» کے لئے ایک فنڈ قائم کیا جائے چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے چودہ ہزار سات سو روپئے فنڈ میں جمع ہوگئے[1]۔

اسی سال سربارٹل فریر نے سوسائٹی کے جلسہ کی صدارت کرتے ہوئے ڈاکٹر لاڈ کو یقین دلایا[2] کہ ہندوستان کی تاریخ میں ایسی خواتین کی کمی نہیں ہے جنہوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہو اور مثال کے طور پر اہلیا بائی ہلکر اور بیگم بھوپال کے نام پیش کئے۔

جب ڈاکٹر لاڈ دوسرے کاموں میں مصروف ہوگئے تو ان کے اسکول میں پڑھنے والی طالبات کی تعداد بھی کم ہوگئی۔ سنہ ۱۸۶۳ء میں ۱۰۴ اور سنہ ۱۸۶۴ء میں ۱۰۳[3]۔ سنہ ۱۸۶۵ء میں ۱۰۲[4]۔ سنہ ۱۸۶۶ء میں ۱۰۰[5]۔ سنہ ۱۸۶۷ء میں ۱۰۲ سنہ ۱۸۶۸ء میں ۹۵[6]۔ سنہ ۱۸۶۹ء میں ۱۰۰[7]۔ سنہ ۱۸۷۰ء میں ۸۱[8]۔ سنہ ۱۸۷۱ء میں ۸۶[9]۔ سنہ ۱۸۷۲ء میں ۸۹[10]۔ سنہ ۱۸۷۳ء میں ۹۹ اور سنہ ۱۸۷۴ء میں ۱۰۰[11]۔ ہوگئی۔ ڈاکٹر موصوف کے انتقال کے بعد ان کے دوستوں نے ان کی یادگار زندہ رکھنا چاہی اس لئے سنہ ۱۸۷۵ء میں اس کی طرف توجہ دینی شروع کی اور طالبات کی تعداد بہت جلد ۱۳۱ اور سنہ ۱۸۷۶ء میں ۱۸۴[12]۔ تک پہنچ گئی۔

سنہ ۱۸۵۲ء میں ڈاکٹر بھاؤ داجی لاڈ ایشیاٹک سوسائٹی کے باضابطہ ممبر بنے اور سنہ ۱۸۶۴ء میں اس کے وائس پریسیڈنٹ منتخب ہوئے۔ میکس ملراس کے متعلق لکھتا ہے کہ ڈاکٹر کا شمار ان لوگوں میں کیا جاتا ہے جنھوں نے اپنی علمی و ادبی خدمات سے اپنی زندگی ہی میں شہرت دوام حاصل کی ہے۔ اگرچہ ڈاکٹر موصوف نے بہت کم لکھا ہے لیکن جو کچھ لکھا ہے وہ ہزاروں صفحات سے زیادہ باوقعت ہے۔

1 Students' Literary and Scientific Society, Report for the year 1862-63, Page 45.
2 The Times of India, Tuesday. Dec. 16, 1862.
3 Students' Literary and Scientific Society, Report for the year 1862-63, Page 3.
4 Students' Literary and Scientific Society, Report for the year 1865-66, Page 5.
5 Ibid. 1866-67, Page 2.
6 ,, 1867-68, Page 2.
7 ,, 1868-69, Page 1.
8 ,, 1869-70, Page 2.
9 ,, 1870-71, Page 2.
10 ,, 1871-72, Page 2.
11 ,, 1273-74, Page 4.
12 ,, 1875-76, Page 3.

رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے علاوہ ڈاکٹر صاحب دوسری بین الاقوامی انجمنوں کے بھی ممبر تھے۔ پہلا معزز عہدہ جو ان کو تفویض ہوا وہ « بورڈ آف ایجوکیشن سوسائٹی » کی فیلوشپ تھی۔ اس کے بعد وہ « سنڈیکیٹ آف آرٹ کے رکن بنے۔ دوبار بمبئی کے شیرف مقرر ہوئے (پہلی بار سنہ ۱۸۶۸ء میں) وہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے صدر بھی رہے۔

ڈاکٹر لاڈ مندرجہ ذیل اداروں سے وابستہ تھے :

ممبر	رائل ایشیاٹک سوسائٹی	لندن
«	ایشیاٹک سوسائٹی	پیرس
«	اورینٹل سوسائٹی	برلن
«	« «	امریکہ
«	میوزیم آف آرٹس اینڈ انڈسٹری	آسٹریلیا
«	مکینک سوسائٹی	ویانا
«	جاگریفیکل سوسائٹی	بمبئی
«	ایشیاٹک سوسائٹی	بنگال
فیلو	فلالوجیکل سوسائٹی	لندن
«	لینسن سوسائٹی	«
سکریٹری	وکٹوریہ انیڈ البرٹ میوزیم	بمبئی
وائس پریسیڈنٹ	بمبے ایسوسی ایشن	«
«	نیٹیو جنرل لائبریری	«
پریسیڈنٹ	« «	«
«	فیمل نارمل اسکول	«
«	جووی نائل امپرومنٹ لائبریری	«

ڈاکٹر لاڈ کو سنسکرت زبان اور اس کے ادب سے بھی کافی دلچسپی تھی اور اس پر کافی تحقیق بھی کی تھی۔ ڈاکٹر نے سنسکرت ادب کی سیکڑوں کتابیں جمع کی تھیں۔ یہ کتابیں اب ایشیاٹک سوسائٹی بمبی کے کتب خانہ میں « میموریل والیوم » کی حیثیت سے آہنی الماریوں کی زیب و زینت ہیں۔

ڈاکٹر لاڈ کو تھیڑ سے بھی کافی دلچسپی تھی اور « کالیداس الفنسٹن سوسائٹی »

کے نام سے ایک ادارہ بھی قائم کیا تھا ۔ اس میں کالیداس کے ڈرامے اسٹیج ہوتے تھے ۔ ڈاکٹر لاڈ کی درخواست پر پروفیسر ولیم نے شکنتلا کا ترجمہ انگریزی میں کیا تھا جو کالج کے اسٹیج پر پیش کیا گیا ۔

بمبے تھیٹر (قدیم) کے خاتمہ (سنہ ۱۸۳۵ ع) پر جب جگناتھ شنکر سیٹھ نے ایک نئے تھیٹر کی تعمیر کا مطالبہ کیا اور ۴۸۸ انگریزوں اور ہندستانیوں کے دستخطوں سے ایک محضر ۲۰ اپریل سنہ ۱۸۳۶ ع کو شیرف بمبئی کی خدمت میں پیش کیا تو اس میں ڈاکٹر کی کوششوں کو بھی دخل تھا اور سہ شنبہ مورخہ ۲۶ اپریل کو رائل ایشیا ٹک سوسائٹی ۔ بمبئی برانچ ۔ میں جو عوامی جلسہ طلب کیا گیا اس کو کامیاب بنانے کا سہرا بھی ڈاکٹر صاحب کے سر ہے ۔

جب تک بمبے تھیٹر (جدید) تعمیر نہیں ہوا تھا وہ جگناتھ شنکر سیٹھ کی معیت میں کام کرتے تھے لیکن سنہ ۱۸۴۶ ع سے ۱۸۵۳ ع تک ہر دو اصحاب سیاسی اور تعلیمی کاموں میں اسقدر منہمک رہے کہ تھیٹروں کی طرف توجہ نہ دے سکے ۔

سنہ ۱۸۵۲ ع میں جب یہ سوال اٹھا کہ بمبے تھیٹر — جو انگریزی تماشوں اور غیر ملکی تماشوں کے لئے وقف ہے نیٹو زبان کے تماشوں کےلئے استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں ، جگناتھ شنکر سیٹھ اور ڈاکٹر بھاؤ دا جی لاڈ کو اس سلسلہ میں کافی جدو جہد کرنی پڑی ۔ زمین جگناتھ شنکر سیٹھ نے دی تھی ۔ قرض کی ذمہداری بھی لی تھی ۔ تھیٹر کی مجلس منتظمہ کے بھی ممبر تھے اس لئے ان کو صوبائی زبان میں تماشے دکھلانے کی اجازت مل گئی ۔ ڈاکٹر لاڈ کی نگرانی میں آٹھ مرہٹی تماشے بمبے تھیٹر میں دکھلائے گئے جو مالی اعتبار سے ناکامیاب ثابت ہوئے جگناتھ شنکر سیٹھ چاہتے تھے کہ ہندو ڈرامیٹک کور اپنے پیروں پر کھڑی ہوجائے تاکہ جو نقصان ان کو برداشت کرنا پڑ رہا ہے اس سے ان کو چھٹکارا مل جائے لیکن یہ اسی وقت ممکن تھا جب آمدنی معقول ہو ۔

لیکن مرہٹی تماشوں کے لئے دشواری یہ تھی کہ انہیں صرف مرہٹے ہی دیکھتے تھے جو زیادہ تر مزدور اور ملازم پیشہ ہوتے تھے ۔ اس کے علاوہ مرہٹوں کی قدامت پرستی انہیں اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ وہ اہل و عیال کے ساتھ بلا ردو قدح تماشوں میں شرکت کریں ۔ مرہٹہ اداکار بھی کم آمدنی اور زاید اخراجات کے باعث دل برداشتہ

ہوگئے تھے۔ جگناتھ شنکر سیٹھ بھی ان سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتے تھے چنانچہ کافی غور و خوض اور متعدد حضرات سے مشورہ کے بعد یہ طے پایا کہ ہندستانی (اردو) زبان میں تماشے دکھلائے جائیں اور گورنر بہ اجلاس کونسل سے درخواست کی جائے کہ وہ اُس کی سرپرستی قبول فرمائیں۔ گورنر کی منظوری اور ضروری انتظامات کے بعد تھیٹر کا انتظام ڈاکٹر لاڈ کے سپرد کیا گیا۔

جس زمانے میں ڈاکٹر بھاؤ داجی اورینٹل لیجر کی قلمی کتابوں اور تصویروں کی ترتیب و تدوین میں مصروف تھے ان کی ملاقات ایسے لوگوں سے ہوئی جو عربی و فارسی میں خاص استعداد رکھتے تھے۔ ان میں محمد علی روگھے [1] آغا محمد رحیم [2] نواب اکبر علی خاں [3] مرزا علی محمد شوستری [4] محمد ابراهیم مقبہ [5] قابل ذکر ہیں۔ مسٹر مقبہ سے ان کی اچھی شناسائی تھی کیونکہ گورنر کے انٹرپریٹر کی حیثیت سے تاریخ کی تدوین اور تراجم کے سلسلہ میں وہ اکثر بکار سرکار بلائے جاتے تھے۔

ڈاکٹر موصوف نے سنہ ۱۸۵۳ ع میں «راجہ گوپی چند اور جلندھر» نامی ڈراما ہندوستانی (اردو) زبان میں لکھا۔ ممکن ہے کہ ڈاکٹر نے کسی سے اس کی تصحیح کرائی ہو لیکن کمپنی کے سب ایکٹر مرہٹے تھے۔ زبان چونکہ عام پسند تھی اس لئے ایکٹروں کو کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ یہ تماشا ۲۶ نومبر کو بمبے تھیٹر میں دکھلایا گیا اور اسقدر مقبول ہوا کہ ۳ دسمبر کو اس کا دوسرا حصہ بھی پیش کیا گیا اور ۷ جنوری سنہ ۱۸۵۴ ع کو ہر دو حصے بیک وقت دکھلائے گئے۔ پھر ۶ فروری سنہ ۱۸۵۵ ع کو ان کا اعادہ کیا گیا۔ ڈاکٹر لاڈ نے اس ڈرامہ کی مقبولیت کے بعد «سیتا کی شادی» لکھا جو ۱۲ نومبر ۱۸۵۵ ع کو بمبے تھیٹر میں دکھلایا گیا۔

ڈاکٹر بھاؤ داجی جی کی زندگی اسقدر مصروف تھی کہ ان کو ہر وقت اپنی زندگی کا خطرہ درپیش رہتا تھا چنانچہ وہی ہوا جس کا خطرہ تھا یعنی ۱۸۷۳ ع اکیاون سال کی عمر میں ان پر فالج گرا اور یہ حملہ اسقدر شدید تھاکہ وہ

1. Mahomed Ally Rogay,
2. Aga Mahomed Rahim,
3. Nabob Ackbar Ally Khan,
4. Meerja Ally Mahomed Soostry,
5. Mahomed Ebrahim Muckba,

حرکت بھی نہ کرسکتے تھے ۔ گورنر بمبئی سر بارٹرفریر ان کی عیادت کو آئے اوز علاج کا معقول انتظام کیا ۔ اصل یہ ہے کہ مسلسل محنت نے ان کی جسمانی طاقت ختم کر دی تھی ۔ سترہ ماہ کی طویل مدت گذارنے کے بعد یہ خادم قوم و ملت ۳۱ مئی سنہ ۱۸۷٤ ع کو اس جہاں فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گیا مرحوم نے پس ماندگان میں دو لڑکے چھوڑے (۱) وتھل راؤ اور (۲) دوارکا ناتھ وتھل راؤ کے چار لڑکے اور ایک لڑکی تھی ۔

سنیچر ، یکم اگست کو ٹاؤن ہال میں ایک تعزیتی جلسہ زیر صدارت سر گبس انعقاد پذیر ہوا ۔ سر مائقل ویسٹ آپ ۔ سر جیجی بھائی بیرونٹ ، پروفیسر رام کرشن گوپال بھنڈار کر ۔ آرڈی ولسن ۔ این ایم جسٹس ویسٹ اسٹروک نے ڈاکٹر بھاؤ دا جی لاڈ مرحوم کی خدمات پر روشنی ڈالی ۔ کثرت باراں کے باوجود ٹاؤن ہال مردوں اور عورتوں سے بھرا ہوا تھا ۔

نصیر الدین، ہاشمی ٭

کتب خانہ نواب سالار جنگ کی اردو مطبوعات کا ایک جائزہ
(۲)

نواب سالار جنگ کو مثنوی میر حسن سے بڑی دلچسپی تھی. چنانچہ اس مثنوی کے (۸) قلمی نسخے کتب خانہ ھذا میں محفوظ ہیں جن میں کئی مصور بھی ہیں. مطبوعہ نسخوں کی صراحت حسب ذیل ہے.

۱	سحر البیان	مطبع حیدری، بمبئی، سنہ ۱۲۷۳ء
۲	سحر البیان	نول کشور پریس، لکھنؤ، سنہ ۱۹۴۵ء
۳	»	قبل سنہ ۱۳۰۰ء
۴	»	افضل المطابع قبل سنہ ۱۳۰۰ء
۵	»	الہ آباد، سنہ ۱۹۱۹ء

مثنوی گلزار نسیم، اور مثنوی گلزار ارم کے بھی ایک سے زیادہ نسخے ہیں. قصہ، «نل دمن» گل و صنوبر بھی موجود ہیں.

۴ ـ نثری افسانے | جیسا کہ اوپر مذکور ہے کہ نثری افسانوں کی (۱۷۲) کتابیں ہیں ان میں کئی ایک قابل تذکرہ ہیں بعض کا یہاں تعارف کرایا جاتا ہے

۱	انوار سہیلی	مترجمہ میاں محمد ابراہیم	مدراس	سنہ ۱۸۲۴ء
۲	آرایش محفل	سید حیدر بخش حیدری	نول کشور	قبل ۱۹۰۰ء
۳	شبستان سرور	مرزا رجب علی بیگ سرور	مطبع العلوم	۱۲۷۹ھ
۴	مذہب عشق	نہال چند	» حسینی لکھنؤ	قبل ۱۹۰۰ء
۵	گل صنوبر	نیم چند		۱۸۲۶ء
۶	»	»	» گلدستہ نشاط بمبئی	۱۸۴۱ء

میرامن کی باغ و بہار کے کئی نسخے ہیں جو مختلف سنین میں مختلف مطابع میں طبع ہوئے ہیں یعنی،

٭ نصیر الدین ہاشمی، کگل منڈی ـ حیدر آباد

۱	باغ و بہار	میرامن	فورٹ ولیم کالج کلکتہ	قبل سنہ ۱۸۵۷ ء
۲	«	«		۱۲۴۷ ھ
۳	«	«	مطبع حسینی لکھنؤ	۱۲۶۲ ھ
۴	«	«	« انبا پرشاد	۱۲۹۴ ھ
۵	«	«	« ابو العلائی آگرہ	۱۹۱۶ ء
۶	«	«	« اعظم اسٹیم پریس	۱۳۵۰ف

بوستان خیال ، طلسم ہوش ربا ، داستان امیر حمزہ کی مکمل جلدیں موجود ہیں جو مختلف ناموں سے طبع ہوئی ہیں .

۵ ـ ناول ادبی کتابوں میں دواوین کے بعد ناول بھی زیادہ ہیں ناولوں میں شرر ، اور حکیم محمد علی کے ناولوں کے علاوہ مسٹریز آف کورٹ آف لندن کی مکمل جلدیں موجود ہیں . ناولوں میں انگریزی سے ترجمہ کی ہوئی اور مصنفہ دونوں موجود ہیں . اگرچہ درمیان میں کچھ عرصہ تک اس کی رفتار کم ہوگئی تھی مگر اب پھر ناولوں کا رواج ہوچلا ہے . سنہ ۱۹۴۸ ء کے بعد کے ناول کتب خانہ میں نہیں ہیں تاہم جو ذخیرہ ہے وہ ناول کی تاریخ کے لئے خاص اہمیت رکھتا ہے .

۶ ـ ڈرامہ ادبیات اردو میں ڈرامہ کا ذخیرہ بہت کم ہے اس لحاظ سے اس کتبخانہ میں بھی ڈرامہ کی کتابیں بہت کم ہیں یعنی قابل تذکرہ ڈرامے حسب ذیل ہیں .

۱	البرٹ بل	اعزاز علی	مطبع گنگا پرشاد	قبل ۱۹۰۰ ء
۲	بھول بھلیاں		مطبع العلوم	سنہ ۱۸۹۶ ء
۳	شمشاد و سوسن		مصطفوی پریس لاہور	۱۸۹۸ ء
۴	عبرت کدہ اسپین	سید محمد علی	شوکت اسلام پریس	۱۳۰۲ ھ
۵	لیلی مجنوں	مرزا محمد ہادی رسوا ـ	الناظر پریس لکھنؤ	۱۹۱۰ ء

۷ ـ مجموعہ کلام اس فن میں ایسی کتابوں کو رکھا گیا ہے جن میں مختلف شعرا کے کلام کو ایک جگہ جمع کیا گیا ہے اس فن کی (۹۳) کتابیں ہیں جو قابل تذکرہ ہیں وہ یہ ہیں .

۱	چمن بے نظیر	محمد ابراہیم	مطبع نول کشور	سنہ ۱۸۸۵ ء
۲	زنانہ نظمیں	فاطمہ بیگم	خادم التعلیم پریس	سنہ ۱۹۱۶ ء

۳	ریاض فردوس	محمد حسین	نول کشور	سنہ ۱۲۷۶ ھ
۴	مجموعہ الاشعار	محمد عبید اللہ	مطبع احمدی بمبئی	قبل ۱۹۰۰ ء
۵	مجموعہ الاشعار	کریم بھائی	بمبئی	سنہ ۱۲۶۵ ھ
۶	مجمع الاشعار ہندی	کریم بھائی	مطبع حیدری بمبئی	سنہ ۱۲۸۰ ھ

۸ ۔ مراثی مراثی کی کتابیں بھی خاصی ہیں چنانچہ ان کی تعداد (۸۵) ہے اس فن کی پہلی کتاب کا تذکرہ ہوچکا ہے ۔ دوسری کئی ایک کتابیں قابل تذکرہ ہیں مگر طوالت کے مدنظر صرف چند کتابوں کے نام پیش کئے جاتے ہیں ۔

۱	اشعار شہادت	محمد عبدالرحیم ضیاء	مطبع نظامی کانپور	۱۲۸۲ ھ
۲	مرقع غم	محمد رضا خان	نول کشور	۱۲۵۵ ھ
۳	مرثیہ حال شہادت	واجد علی شاہ	مطبع سلطانی	قبل ۱۹۰۰ ھ

انیس کے مرثیے جو سنہ ۱۸۷۶ ع میں طبع ہوئے اور دبیر کے مرثیے جو سنہ ۱۸۹۹ ع میں طبع ہوئے ہیں یہ سب کتب خانہ میں موجود ہیں انیس کے وہ مراثی بھی موجود ہیں جن کو مولانا سید علی حیدر طباطبای المخاطب بہ نواب حیدر یار جنگ نے مرتب کیا اور نظامی پریس میں طبع ہوئے ہیں ۔

۹ مختصر افسانے اردو میں مختصر افسانوں کی پیداوار صرف پچاس سال پہلے ہوئی ہے ان کی تعداد میرے خیال میں دو ہزار سے زیادہ نہیں ہوگی مگر نواب سالار جنگ کے کتب خانہ میں ان کی تعداد مختصر ہے یعنی صرف (۷۶) کتابیں ہیں، پریم چند، راشد الخیری، اپندر ناتھ اشک، ڈاکٹر نصیر الدین، ڈاکٹر شفیق، محمد حسین، ندیم، قاسمی، یم اسلم، عزیز احمد وغیرہ کے افسانے موجود ہیں ۔

۱۰ ۔ ادبی مقالات یعنی «ایسے» کا فن قدیم ہے اور اس میں مختلف فن کے مقالے شامل ہوجاتے ہیں یعنی ادبی. معاشرتی. اور سماجی اور تاریخی مقالات کو بھی پیش کیا جاسکتا ہے ۔ لیکن ان میں ایسے مقالات خصوصیت سے اہمیت رکھتے ہیں جو مشاہیر اردو کے کہے جاسکتے ہیں ۔ مثلاً سر سید، محسن الملک، مولوی چراغ علی، علامہ شبلی، علامہ سلیمان ندوی، خواجہ حسن نظامی، مہدی افاری وغیرہ ان سب کے مقالات کتب خانہ میں موجود ہیں انکے علاوہ اور مقالے قابل تذکرہ ہیں مثلاً ۔

اشارات	جوش ملیح آبادی	دیال پریس دہلی	۱۹۴۰ ع
اقبال آصفیہ	سراج الدین احمد	چودھویں صدی پریس	۱۸۹۶ ع

تصریحات آزاد	مولانا ابوالکلام آزاد	پریم نرسنگھ پریس جموں	۱۹۳۵ ع
رسائل عمادالملک	سید حسین بلگرامی	عماد پریس	۱۹۱۱ ع
مقالات الہلال	مولانا ابوالکلام	آرٹ پریس لاہور	مابعد سنہ ۱۹۳۵ ع

۱۱ مزاح و طنز اردو میں مزاحیہ ادب کا آغاز نظیر اکبر آبادی اور غالب سے شمار کرنا چاہئیے لیکن نظیر اور غالب کے بعد ایک عرصہ تک یہ شعبہ تشنہ رہا ہے پھر اودھ پنچ کے ایڈیٹر اور ان کے رفقانے مزاحیہ اور طنز کے ادب میں اضافہ کیا اس کے بعد سنہ ۱۹۲۰ ع کے بعد سے اس فن میں زیادہ سے زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں نواب سالار جنگ کے کتب خانہ میں اس فن کی صرف (۳۲) کتابیں ہیں جن سے بعض قابل تذکرہ یہ ہیں۔

۱	رسالہ ظرافت		مور پریس دہلی	۱۸۸۸ ء
۲	ظرافت کی چڑیا		"	قبل ۱۹۰۰ ء
۳	گلدستہ ظرافت	بلاقی داس	"	"
۴	نمک دان سخن	شاہ محمد چند احسن	صحیفہ پریس حیدرآباد	۱۳۲۸ ء

۱۲ تاریخ ادبیات تاریخ ادبیات کا فن بھی اردو میں ایک جدید شعبہ قرار دیا جاسکتا ہے اگرچہ آبحیات لکھ کر آزاد نے تاریخ اور تنقید ادب کا دروازہ کھول دیا تھا مگر عرصہ تک کسی نے اس دروازہ میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کی تھی سنہ ۱۹۲۰ ع کے بعد اس شعبہ کی جانب زیادہ سے زیادہ توجہ کی گئی اس شعبہ کی (۵۶) کتابیں کتب خانہ سالار جنگ میں موجود ہیں۔

آبحیات کے نسخے سنہ ۱۸۸۰ ع ۱۹۰۷ ع کے طبع شدہ موجودہ ہیں۔

۱	اختر شاھنشاہی	سید محمد اشرف	اختر پریس لکھنؤ	۱۸۸۸ ء
۲	گنج شائگان	سید الطاف حسین کاظمی	اسلامیہ پریس لاہور	۱۸۹۲ ء
۳	عربی ادب کی تاریخ	محمد عبدالاحد	مطبع دہلی	۱۹۰۹ ء

۱۳ تنقید اگرچہ کوئی جدید شعبہ نہیں ہے مگر سنہ ۱۹۲۰ ع کے پہلے تنقید کی جانب بحیثیت مخصوص فن کے توجہ نہیں کی گئی تھی اگرچہ شعرالعجم ایک تنقیدی کتاب ہی قرار دی جاسکتی ہے۔ مگر اس کو تاریخ ادبیات میں شمار کرنا چاہئیے چنانچہ ہم نے اس کو تاریخ ادبیات ہی میں شامل کیا ہے۔ تنقید کی (۵۶) کتابیں اس کتب خانہ میں موجود ہیں۔ ڈاکٹر کلیم الدین۔ ڈاکٹر زور۔

حامد حسن وغیرہ کی کتابوں کے علاوہ بعض قابل تذکرہ کتابیں حسب ذیل ہیں.

۱ الفرق مرزا عابد علی بیگ ۱۸۰۱ ء

۲ تبصرہ ترتیب کلیات امیر خسرو محمد اسحاق خان انسٹی ٹیوٹ ۱۹۱۵ ء

۳ ریویو شبلی کی کتاب الغزالی پر محمد غوث سعید مطبع شمسی حیدرآباد ۱۹۰۲ ء

۴ محاکمہ مرکز اردو سید احمد دہلوی شمسی دہلی ۱۹۱۱ ء

۱۴ - مکتوبات مکتوبات کا فن اردو زبان میں نیا نہیں ہے. لیکن جو مواد اس فن میں ہمدست ہوا ہے وہ کچھ زیادہ نہیں ہے. نواب صاحب کے کتبخانہ میں اس فن کی (۵۵) کتابیں موجود ہیں اردو معلی اور عود ہندی کے مختلف نسخے ہیں یعنی اردو معلی کے نسخے سنہ ۱۸۶۹ ء سنہ ۱۸۹۹ ء سنہ ۱۹۲۷ء کے طبع شدہ یہاں ہیں ان کے علاوہ سنہ ۱۹۰۰ ء اور سنہ ۱۹۱۰ ء کے بھی ایڈیشن موجود ہیں. بعض دوسری قابل تذکرہ کتابیں یہ ہیں.

۱ انشاء بہار بے خزان غلام امام شہید نول کشور ۱۸۸۶ ء

۲ انشا ہادی نسوان سید احمد دہلوی شمسی پریس دہلی ۱۹۱۰ ء

۳ پروفسر آرمنین ومبری کا خط بنام نواب عبدالطیف مطبوعہ غوثیہ کلکتہ ۱۸۸۹ ء

۴ تاریخ غزالہ ملکہ غزالہ کے خطوط سید وصی بلگرامی مفیدعام آگرہ ما بعد ۱۹۰۰ ء

۵ رقعات بیگمات محمد امتیاز علی خاں مطبع مورس فرخ آباد ۱۹۰۱ ء

۶ مکتوبات امام ربانی مرتبہ عبدالرحیم روز بازار پریس ۱۹۱۱ ء

۷ یادگار اصغری غلام سرور وکٹوریہ پریس لاہور ۱۸۸۱ ء

۱۵ - شرح کلام کو میں نے ایک خاص شعبہ بنایا ہے اس کی (۲۱) کتابیں ہیں، اس فن میں شرح حماسہ اور شرح متنبی، شرح مقامات بدیع قابل تذکرہ ہیں یہ تینوں عربی کی مشہور کتابیں ہیں ان کی شرح اردو میں لکھی گئی ہے ذوالفقار علی اور حکیم ولی احمد ان کے مترجم ہیں. سنہ ۱۳۰۶ھ سنہ ۱۳۱۰ میں ان کی طباعت ہوئی ہے.

غالب کے دیوان کی دو شرح ہیں یعنی علامہ سید حیدر طبا طبای اور محمد عبدالعلی والا کی مرتبہ ہیں. فارسی کے مشہور شاعر کاشی کے ہفت ہند کی شرح بھی موجود

ہے جو مطبع یوسفی دہلی اور مطبع اثناعشرہ میں طبع ہوئی ہیں۔

۱۶ ۔ لکچر اور خطابت | اس فن کی (۱۰۱) کتابیں محفوظ ہیں چند قابل تذکرہ کتابوں کا تعارف کرایا جاتا ہے۔

۱	الخطبات الاحمدیہ	سرسید احمد خاں	نول کشور مابعد	۱۹۲۰ ء
۲	پہلا لکچر	محسن الملک	مفید عام آگرہ	۱۸۹۱ ء
۳	خطبہ صدارت ایجوکیشنل کانفرنس	صاحبزادہ آفتاب احمد خاں	انسٹی ٹیوٹ پریس	۱۹۲۳ ء
۵	خطبات ابوالکلام آزاد	مولانا آزاد	امرتسر پریس لاہور	۱۹۴۴ ء
۶	اطباے یونان	امین جنگ	دارالطبع	۱۳۳۵ف
۷	لکچر کلیلہ دمنہ	سید علی بلگرامی	مفید عام پریس	۱۸۹۱ ء
۸	لکچروں کا مجموعہ	مولانا نذیر احمد	انصاری پریس	۱۸۹۱ ء

۱۷ ۔ ادب اطفال | بچوں کا ادب اب ایک اہم شعبہ ہے اس فن کی ۶۳ کتابیں یہاں موجود ہیں۔

مدرسوں کے بچوں کے لئے اردو کی کئی کتابیں سنہ ۱۹۰۰ ء کے پہلے لکھی گئی ہیں ان میں سے اکثر کتابیں یہاں موجود ہیں مثلاً۔ سید عبدالفتاح نے سنہ ۱۸۶۷ ء میں پہلی اور دوسری کتاب لکھی ہے۔ ناظم انصاری نے سنہ ۱۹۲۱ ء میں چند کتابیں لکھی ہیں ادارہ ادبیات اردو کی کئی کتابیں اور خدیجہ بیگم کی تصنیفات بھی یہاں موجود ہیں۔

تاریخ

شعبہ تاریخ کو حسب ذیل ۱۳ فنون میں تقسیم کیا گیا ہے۔ تاریخ عمومی۔ تاریخ اسلام، تاریخ دکن، تاریخ ہندوستان، تاریخ ایشیاء، تاریخ یورپ، تاریخ افریقہ، امریکہ کی کوئی تاریخ ہمدست نہیں ہوئی ہے اس لئے اس کا عنوان نہیں ہے۔ ان کے علاوہ سیرۃالنبی، سوانح، ادبی سوانح، تذکرہ، سفرنامہ اور جغرافیہ، اس شعبہ کے دوسری شاخیں ہیں۔ اب ان پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

۱ ۔ تاریخ عمومی | تاریخ عمومی ۳۹ کتابیں شامل کی گئی ہیں۔ تاریخ کا فن ایسا ہے جس سے نواب سالار جنگ کو بڑی دلچسپی تھی اس لئے اس فن کی

کتابیں بہت زیادہ ہیں فن تاریخ اور اس کے متعلقہ شعبوں کی تمام کتابوں کی تعداد (؟) ہوتی ہے۔

تاریخ عمومی کی پہلی کتاب کا تذکرہ ہوچکا ہے۔ بعض دوسری قابل ذکر کتابیں حسب ذیل ہیں۔

۱	تاریخ عالم		کرزن پریس دہلی مابعد	۱۹۰۰ء
۲	تاریخ عجیب	منشی حبیب الدین	مطبع مرتضوی دہلی	۱۸۸۱ء
۳	تاریخ التاریخ	محمد مرتضی	روز بازار امرتسر	۱۹۱۱ء
۴	مرات العالم	محمد معراج حسین	مطبع ریاض الرضا	سنہ ۱۸۹۹ء
۵	نظام الممالک	محمد اسمعیل	نول کشور	سنہ ۱۸۷۵ء

۲۔ تاریخ اسلام جیسا کہ تذکرہ کیا گیا ہے کہ تاریخ اسلام کی ۳۱۴ کتابیں ہیں ان میں سنہ ۱۸۸۳ء م ۱۳۰۰ھ کے ماقبل چھپی ہوئی کتابیں کئی ایک ہیں بعض قدیم کتابوں کا نام پیش کیا جاتا ہے۔

۱	بہارستان تاریخ معروف گلزار شاہی	غلام سرور	نول کشور	سنہ ۱۲۹۴ھ
۲	تاریخ جدولیہ	خادم علی	«	سنہ ۱۸۷۱ء
۳	کشاف اسرار المشایخ		«	سنہ ۱۸۸۱ء
۴	تاریخ جنگ مابین روم و روس		بمبئی	سنہ ۱۸۷۸ء

۳۔ تاریخ دکن سالار جنگ کو دکن سے جو تعلق تھا وہ پوشیدہ نہیں ہے آپ کے جد اعلی مدینہ منورہ سے دکن (بیجاپور) میں آئے ہیں، اس کے بعد اورنگ آباد سے تعلق رہا پھر سلطنت آصفیہ سے جو تعلق رہا اظہرمن الشمش ہے اس لحاظ سے نواب صاحب نے دکن کی تاریخ کا کافی مسالہ فراہم کرلیا تھا۔ چنانچہ تاریخ دکن کی ۴۰۴ کتابیں موجود ہیں پہلی کتاب کے قطع نظر بعض دوسری قابل تذکرہ کتابیں یہ ہیں۔

۱	تاریخ رشیدالدین خانی	غلام امام خاں	مطبع خورشید جاہی	۱۲۸۱ھ
۲	تاریخ دکن	عبدالغفور خان	مفید عام	سنہ ۱۸۹۷ء
۳	خصوصیات حضور نظام	سیدافضل حسین کنتوری	مطبع شمسی آگرہ	۱۹۰۷ء
۴	عہدوزرات آسماں جاہ	فیروزیار جنگ	مطبع سفیر دکن	۱۳۰۸ھ
۵	گزیٹر	مرزا مہدی خاں	مطبع شمسی آگرہ	سنہ ۱۹۰۸ء
۶	یادداشت صدرمحاسب	مسٹر کرالی	دارالطبع	سنہ ۱۳۰۶ف

۴ ۔ تاریخ ہندوستان | تاریخ کی کتابوں میں بڑا حصہ تاریخ ہند کا ہے یعنی (۳۵۸) کتابیں ہیں ان میں کئی ایسی کتابیں ہیں جو سنہ ۱۳۰۰ ھ یعنی سنہ ۱۸۸۳ ء کے قبل طبع ہوئی ہیں چند کتابیں یہ ہیں ۔

۱	احسن التواریخ	سید آقا حسن بمبئی		سنہ ۱۸۶۳ ء
۲	آئینہ اقبال سکندری	گوکل پرشاد	مطبع نور کانپور	سنہ ۱۸۷۷ ء
۳	آثارالصنادید	سیداحمد خان	مطبع سیدالاخبار دہلی	۱۸۴۷ ء
۴	تاریخ بدیع	منشی امیراللہ تسلیم	مطبع حسینی رام پور	سنہ ۱۸۸۱ ء
۵	تاریخ قیصری	محمد اکبر علی	مطبع نصرت دہلی	۱۸۷۷ ء
۶	تاریخ مالک		مطبع دارالعلوم	۱۲۸۱ ھ
۷	تاریخ بغاوت ہند محاربہ عظیم	کنھیالال	نول کشور	۱۸۷۶ ء
۸	تاریخ اودھ	کمال الدین حیدر	"	۱۸۷۹ ء
۹	تاریخ سینٹفورڈ	یم سی ملکر	سکندر پریس آگرہ	۱۸۵۵ ء
۱۰	تاریخ ہندوستان	ذکاء اللہ	مطبع مرتضوی	۱۸۷۵ ء
۱۱	تاریخ بغاوت ہند	"	مفید خلایق آگرہ	۱۸۵۹ ء
۱۲	ترجمہ معاہدات و عہدو پیمان	جولا سہائے	مطبع منبع العلوم	۱۸۶۷ ء
۱۳	تاریخ ہندوستان	سینٹیفک سوسائٹی علی گڈھ	مطبع انسٹیٹیوٹ علی گڈھ	۱۸۶۶ ء
۱۴	اسباب بغاوت ہند	سر سید احمد خان	مصطفوی پریس لاہور	۱۷۶۶ ء
۱۵	قصص ہند	محمد حسین آزاد	سرکاری مطبع لاہور	۱۸۷۲ ء
۱۶	غرابت نگار	عبدالحق	اکمل المطابع	۱۸۷۶ ء
۱۷	گفتگو لارڈ کیننگ	جی یف ابرونگ	سید احمد پریس	۱۸۶۳ ء
۱۸	واقعات ہند	کپٹن ہالدرائد	مطبع سرکاری لاہور	۱۸۷۱ ء
۱۹	حزن اختر	واجد علی شاہ	مطبع سلطان کلکتہ	۱۲۷۶ ھ
۲۰	تواریخ اودھ	بہت پرشاد	مطبع دلکشا فتح گڈھ	۱۸۴۹ ء

آثارالصنادید کے کئی ایڈیشن موجود ہیں سنہ ۱۸۵۷ ء کی جنگ آزادی

کے متعلق کئی ایک کتابیں دستیاب ہوئی ہیں۔ عہد نامہ جات جو سنہ ۱۸۶۶ء میں طبع ہوئے ہیں مکمل جلدوں میں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ کئی اور ایسی کتابیں ہیں جو اب نایاب کہی جا سکتی ہیں مثلاً اختر شہنشاہی جو ہندوستان کے اخباروں کی تاریخ ہے اور خادم التعلیم پریس لاہور نے «فہرست اخبارات ہند» کے نام سے سنہ ۱۹۰۴ء میں ایک کتاب شائع کی ہے۔ ان کے علاوہ تاریخ ہند کی اور بیسیوں ایسی کتابیں ہیں جو اگرچہ سنہ ۱۳۰۰ھ یا سنہ ۱۹۰۰ء کے بعد طبع ہوئی ہیں لیکن اب وہ کمیاب یا نایاب ہوگئی ہیں۔ اور ان سے ایسا مواد مل سکتا ہے جو تاریخ ہند کی صحیح مرتب کرنے میں مد و معاون ہوگا۔

نواب سالار جنگ کے کتب خانہ میں تاریخ کا بہت اچھا اور معتد بہ طبع ہے، نہ صرف اردو بلکہ فارسی تاریخیں بھی خاصی اہمیت رکھتی ہیں ان پر ریسرچ کرنے کے لئے بڑے وقت کی ضرورت ہے۔ تاریخ کے اسکالروں کے لئے بیش بہا سامان ضیافت مہیا ہے۔

۵۔ تاریخ ایشیا براعظم ایشیا جس قدر وسیع ہے اور اس براعظم میں جس قدر مشہور ممالک ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ ہندوستان، ایران، چین جاپان، افغانستان وغیرہ سب کے سب ایشیا میں واقع ہیں ہندوستان، ایران، عراق کے تمدن، دنیا کے قدیم تمدن ہیں۔ اگرچہ ہندوستان کی تاریخیں علحدہ عنوان کے تحت رکھی گئی ہیں تاہم ایشیا کے دوسرے کئی ممالک ایسے ہیں جو تاریخ میں اہم حیثیت رکھتے ہیں اس لحاظ سے یہاں کی تاریخیں بھی خصوصیت رکھتی ہیں ایشیا کی تاریخیں ۶۰ ہیں جو کتابیں قابل تذکرہ ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں:

۱	تاریخ ایران	سینٹیفک سوسائٹی علی گڈھ	انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڈھ	۱۸۷۲ء
۲	تاریخ بابل و نینوا	محمد علی خاں عرشی	رنگین پریس دہلی	۱۹۰۰ء
۳	تاریخ ملک چین		مطبع پادری ٹامس کلکتہ	۱۸۵۲ء
۴	تاریخ خسروان عجم	مول چند	گنپت کرشنا جی پریس	۱۲۶۴ء
۵	تاریخ ایران	سرجان ملکم		۱۸۷۴ء
۶	سرور سلطانی ترجمہ			
	شمشیر خانی	رجب علی سرور	مطبع مسیحای	۱۲۶۸ھ
۷	صولت افغانی	محمد رازدار خاں	نول کشور	۱۸۷۶ء

۶ ۔ تاریخ ممالک یورپ براعظم یورپ کی تاریخیں اردو میں زیادہ نہیں ہیں تاہم ان میں سے ایک معتد بہ تعداد یہاں موجود ہے چنانچہ ۱۰۱ کتابوں میں سے چند کتابوں کا تعارف کرایا جاتا ہے۔

۱	اعمال نامہ روس	پنڈت رتن ناتھ	نول کشور لکھنو	۱۸۸۷ ء
۲	تاریخ بادشاہان انگلستان	میجر سد رلینڈ	نول کشور لکھنو	۱۸۶۴ ء
۳	تاریخ انگلستان	سیدالطاف حسین	مطبع اخبار آصفی	۱۸۸۸ ء
۴	روس اور انگلستان	سید محمد حسین اغلب موہانی	انوری پریس	۱۸۸۸ ء
۵	یونان کے قدیم زمانہ کی تاریخ	سینٹفیک سوسائٹی	سید احمد پریس	۱۸۶۵ ء

۷ ۔ تاریخ ممالک افریقہ افریقہ کے ممالک میں مصر ۔ مراکش ۔ الجیریا ، اسلامی نقطہ نظر سے اہم حیثیت رکھتے ہیں اور اردو میں زیادہ تر ان ہی ممالک کی تاریخیں لکھی گئی ہیں ۔ اس فن کی ۲۷ کتابیں ہیں ۔ بعض قدیم کتابیں حسب ذیل ہیں ۔

۱	اقصائے مغرب	حامد علی صدیقی	روزانہ اخبار پریس	۱۸۹۸ ء
۲	تاریخ مصر	سیدابوالحسن	نول کشور	۱۸۸۷ ء
۳	مصر کی قدیم تاریخ	سینٹفیک سوسائٹی		۱۸۷۰ ء
۴	محاربات مصر و سوڈان	امیر احمد	مطبع روزنامہ اخبار دہلی	۱۸۹۹ ء

۸ ۔ سیرۃالنبی یہ امر نفس واقعہ ہے کہ دنیا کے پیغمبروں اور مصلحوں میں صرف ایک حضرت محمد مصطفی صلعم یعنی پیغمبر اسلام کی ذات والا صفات ایسی ہستی ہے جن کی زندگی کے پورے واقعات نہایت صحت کے ساتھ مرتب ملتے ہیں ۔ عربی ، فارسی ، ترکی کے قطع نظر اردو میں بھی جو ذخیرہ سیرت پاک کا ملتا ہے وہ بیش بہا ہے ۔ کتب خانہ سالار جنگ میں جو قلمی ذخیرہ ہے اس میں سیرۃالنبی سے متعلق ۳۰ قلمی کتابیں اور مطبوعات کی تعداد ۱۲۵ ہے کئی ایک کتابیں سنہ ۱۳۰۰ ھ کے قبل کی مطبوعہ ہیں جن میں سے بعض کا تعارف کرایا جاتا ہے ۔

۱	احیاءالقلوب	عبدالجلیل	مطبع رحمانی بمبئی	۱۲۶۱ ھ
۲	تواریخ حبیب اله	مفتی عنایت احمد	« نظامی کانپور	۱۲۷۹ ھ

۳	ثمرۃالنا ظرین		« محمدی بمبئی	۱۲۷۹ ھ
۴	فواید بدریه	قاضی بدرالدوله	« صفدری بمبئی	۱۲۹۹ ھ
۵	صادقه	بشارت علی خاں	« نول کشور	۱۲۹۱ ھ
٦	مولود شریف	غلام شہید	« الٰہی	۱۸٦۱ ء

۹ ـ سوانح عمری سوانح عمریوں کا بھی خاص ذخیرہ ہے نہ صرف ہندوستان کے دونوں بڑے فرقوں کے راہنما ادیب ، شعرا اور بادشاہوں کے حالات ہیں بلکہ یورپ . افریقہ امریکہ کے مشاہیر کی سوانح عمریاں بھی موجود ہیں میں نے سہولت کے مد نظر سوانح عمریوں کو دو نوعیت پر تقسیم کیا ہے . یعنی سوانح عمری اور ادبی سوانح عمری . ادبی سوانح عمریوں میں ان کو شامل کیا گیا ہے جن کو محض سوانح عمری نہیں کہا جاسکتا بلکہ ادبی حیثیت سے ان کو خصوصیت دیجا سکتی ہے .

دونوں قسم کی سوانح عمریوں کی تعداد ٦۱۴ ہوتی ہے ان میں کئی سنه ۱۳۰۰ ھ (۱۸۸۳ ء) سے قبل کی کتابیں ہیں چند کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے .

۱	احسن الشیر	محمد اکبر خان	مطبع آفتاب	۱۸۷۷ ء
۲	تذکرۃالمشاہیر	سدا سکھ لال	« نورالابصار	۱۸٦۰ ء
۳	تذکرۃالکاملین	رام چند	نول کشور	۱۸۷۷ ء
۴	سیرالمحتشم	غوث محمد خاں	مطبع سیرگلشن آباد جاورہ	۱۲٦۹ ھ
۵	سرگزشت نپولین	محمد عشاق حسین	نول کشور	۱۸۷۱ ء

۱۰ ـ ادبی سوانح اگرچہ یہ کوئی علاحدہ فن نہیں ہے بلکہ سوانح میں شامل مگر ایسی سوانح عمریاں ہیں جن کو ادبی حیثیت سے بھی بلند معیار پر رکھا جاسکتا ہے . اس لئے ان کو خصوصیت سے ایک علحدہ فن کی تحت رکھا گیا ہے اس قسم کی (۱۰٦) کتابیں ہیں ان میں سے بعض قابل تذکرہ یہ ہیں .

۱	آئینہ داغ	محمد نثار علی	اسلامیہ پریس لاہور	۱۸۹۵ ء
۲	جلوۂ داغ	سید علی احسن	مطبع شمسی حیدر آباد	۱۹۰۲ ء
۳	حیات ذوق	احمد حسین خان	خادم التعلیم پریس لاہور	۱۸۹۵ ء
۴	حالات حسرت		دہلی	۱۲۳۷ ھ
۵	حالات سودا	احمد حسین خاں	خادم التعلیم پریس	۱۸۹۵ ء

مولانا شبلی، مولاناسید سلیمان ندوی، مولانا حالی، مولانا عبدالرزاق وغیرہ کے مرتبہ سوانح سب کے سب موجود ہیں جو اسی فن میں شامل کئے گئے ہیں۔

۱۱ ۔ جغرافیہ | فن تاریخ میں جغرافیہ بھی شامل ہے۔ اس فن کی (۲۲) کتابیں یہاں موجود ہیں اس فن کی چند کتابیں یہ ہیں۔

۱	علم جغرافیہ	سید عبدالفتاح	مطبع حیدری بمبئی	۱۸۷۰ ء
۲	عجائب روزگار	رام چندر	نول کشور	۱۸۷۲ ء
۳	عجائب المخلوقات	نظر علی		۱۸۶۹ ء
۴	مفتاح الارض		مطبع سرکاری لاہور	۱۸۷۱ ء
۵	ریاض الاسرار	رحمان علی	مطبع نامی نول کشور	۱۸۶۹ ء

۱۲ ۔ تذکرہ | تذکرہ کا عنوان ایسا ہے کہ سوانح کی کتابیں بھی آسکتی ہیں اس لئے تذکرہ اور سوانح عمریوں میں خلط مات ہوسکتا ہے تاہم کوشش کی گئی ہے کہ تذکرہ سے سوانح عمری کو علحدہ رکھا جائے۔ شعراء اولیا۔ علماء سلاطین وغیرہ کے تذکرے آئے ہیں۔ مگر آخرالذکر کو تاریخ میں شامل کرسکتے ہیں بعض تذکروں کا یہاں تعارف کیا جاتا ہے۔

۱	تذکرہ طورکلیم	سید نورالحسن	مفید عام آگرہ	۱۲۹۱ ھ
۲	سراپاے سخن	سید محسن علی	نول کشور	۱۸۶۰ ھ
۳	گلستان بے خزاں	سید قطب الدین باطن	»	۱۸۸۴ ھ
۴	مراۃ خیال	درگاہ پرشاد	اکمل المطابع	۱۸۸۴ ء
۵	گلشن بے خار	مصطفی خان	نول کشور	۱۸۷۴ ء

۱۳ ۔ سفر نامہ | سفر ناموں کو مختلف اقسام میں تقسیم کرسکتے ہیں مثلاً سفر نامہ جات حرمین و مقامات مقدسہ۔ سفر نامہ جات یورپ۔ سفر نامہ ہندوستان سفر نامہ امریکہ وغیرہ پھر ان کی دوسری تقسیم ترجمہ اور ذاتی تصانیف پر کی جاسکتی ہے

محولات

اس فن کو صرف پانچ شعبوں میں تقسیم کیا گیا ہے یعنی ۱۔ رپورٹ ۲۔ جنتری و تقویم۔ ۳۔ فہرستیں۔ ۴۔ علمی اور ادبی رسالے ۵۔ اخبارات۔

۱ ۔ رپورٹ کانفرنسوں، انجمنوں، اداروں وغیرہ کی رپورٹیں خاصی تعداد میں ہیں۔ چنانچہ ان کی تعداد (۱۷۶) ہے ان میں سے بعض کا یہاں تعارف کرایا جاتا ہے۔

۱ ایڈریس اور اسپیچیس محمڈن کالج محسن الملک مطبع انسٹی ٹیوٹ ۱۸۹۸ء

۲ رپورٹ پنج سالہ علی گڈھ

مدرسہ آصفیہ سید محمد علی ملیح آبادی افسر المطابع حیدر آباد

۳ روئداد (۱۹)وین سر سید احمد خان سینٹیفک سوسائٹی ۱۸۷۵ء

۴ رپورٹ سالانہ مدرسہ طبیہ دہلی مطبع محبان دہلی ۱۸۹۸ء

۵ روئداد مجلس خزینہ البضاعتہ سر سید احمد خان ۱۸۷۵ء

۲ - رسالہ علمی اور ادبی رسالوں کی تعداد خاصی ہے۔ اکثر رسالوں کو بلحاظ فائل شمار کیا گیا ہے۔ یعنی پورے سال کے فائل کو ایک نمبر دیا گیا ہے۔

سنہ ۱۸۸۵ء (۱۳۰۲ھ) یعنی کانگریس کے آغاز کے پہلے جو رسالے شائع ہوے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۱	رسالہ طبابت	جارج سمت	۱۸۵۷ء
۲	رسالہ طبابت	ڈاکٹر فلیمس	قبل ۱۸۶۳ء
۳	مظہر العلوم	یف سانڈرس	۱۸۷۵ء
۴	تہذیب الاخلاق	سر سید احمد خان	۱۲۹۶ ـــ ۱۸۷۹ء
۵	رفیق دکن	محمد عزیز الدین	۱۸۸۴ء
۶	مذاق سخن	محمد مشتاق احمد	۱۸۸۴ء
۷	فنون	"	"
۸	پیام عاشق		"
۹	مخزن الفوائد	سید حسین بلگرامی	۹۲ ـــ ۱۲۹۱ھ

سنہ ۱۸۸۵ء کے بعد سنہ ۱۹۰۰ء کے قبل کے بیسیوں علمی ادبی رسالے موجود ہیں جن پر تفصیل سے کام کیا جاسکتا ہے۔

اخبارات رسالوں کے مقابلہ میں اخبارات کا حصہ کمتر ہے۔ قدیم اخبارات میں منشی سجاد حسین کی اخبار اودہ کی چند جلدیں موجود ہیں۔ سفر نامہ ہند امرتسر (۱۸۸۰) مولانا محمد علی کے اخبار ہمدرد کے چند فائل ہیں۔

اس تفصیل سے واضح ہوسکتا ہے کہ نواب سالار جنگ کے کتب خانہ میں

اردو مطموعات کا بھی کیسا اہم ذخیرہ ہے اور اس سے شایقین علم و فن استفادہ کرسکتے ہیں۔

جنتری و تقویم اس فن کی بھی خاصی کتابیں ہیں، چند قدیم کتابیں ہیں۔

۱	بخشی جنتری	اله بخش	نامی پریس کان پور	۱۹۰۱ ء
۲	تقویم العالم	خواجه محمد ابوالحسن	مطبع یوسفی	۱۳۲۰ ھ
۳	جنتری اثنا عشره	سید سجاد علی	مطبع اثنا عشر	۱۹۰۹ ء
۴	علمی جنتری	سید عبداللہ	انتظامی پریس	۱۸۹۵ ء

فہرست کتب وغیرہ اس فن کی دس کتابیں ہیں ان میں چار فہرستیں کتب خانوں سے متعلق ہیں۔

اس تفصیل سے اس امر کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ نواب سالارجنگ کے کتب خانہ میں اردو مطبوعات کا بھی اچھا بلکہ نایاب ذخیرہ موجود ہے جو تشنہ کامان علم کے ایک بیشبہا دولت ہے۔

میرزا مظہر جان جاناں رح

اور

ان کا اردو کلام

میرزا مظہر جان جاناں کے عہد کے سیاسی، معاشرتی، مذہبی حالات اور اردو شاعری کا جائزہ، ان کے سوانح حیات، ان کے خلفا و تلامذہ کے حالات، ان کے ملفوظات، ان کے فارسی و اردو کلام پر تبصرہ اور ان کے منتشر اردو کلام کی ترتیب

مرتبہ: عبدالرزاق قریشی، رفیق انجمن اردو رسرچ انسٹی ٹیوٹ، بمبئی

صفحات ۳۷۲ قیمت ٦ روپے

ملنے کا پتہ: ادبی پبلشرز، شیفرڈ روڈ، بائیکلا، بمبئی

مضامین نوائے ادب

کی

دہ سالہ فہرست

۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۹ء تک

نوائے ادب کے مضامین کو گذشتہ دس برسوں میں جو علمی و تحقیقی مقبولیت حاصل ہوچکی ہے اس کے پیش نظر یہ مناسب سمجھا گیا کہ اس کے مضامین اور مضامین نگاروں کی مفصل فہرست الگ سے شائع کردی جائے تاکہ اردو سے متعلق کام کرنے والوں کو آسانی وسہولت ہو۔ امید کہ یہ اقدام مستحسن نظروں سے دیکھا جائے گا۔

نجیب اشرف ندوی

فہرست مضمون نگاران

نمبر شمار	مضمون نگار	مضمون	جلد	شمارہ	صفحہ
۱	ابراہیم ڈار (محمد)	حیات شبلی پر ایک نظر	۱	۱	۲۲
		باقر علی ترمذی	۲	۳،۴	۱۰۳
۲	احمد فاروقی (ڈاکٹر خواجہ)	واجد علی شاہ اور ان کی بیگمات کے غیر مطبوعہ خطوط	۵	۲	۳۵
۳	احمد میاں اختر (قاضی)	مرزا غالب کا ایک شاگرد (سخن دہلوی)	۱	۳	۲۰
		مرزا غالب اور امیر مینائی	۵	۴	۲۱
۴	ادیب (پروفیسر اس، اف)	کشف الخلاصہ ـ فقیر کی فقہی مثنوی	۱۰	۴	۲۷
۵	افسر میرٹھی (حامد اللہ)	اردو کا سب سے پہلا اخبار	۱	۲	۲۹
۶	اکبر الدین صدیقی (پروفیسر محمد)	مرزا محمد مقیم مقیمی سلمی	۸	۴	۴۴
		ایضاً	۹	۱	۳۸
۷	اکبر علی ترمذی (سید)	جلالی احمد آبادی	۲	۱	۵۳
		ایضاً	۲	۲	۵۰
		ایضاً	۵	۳	۵۶
		ایضاً	۵	۴	۲۶
۸	امتیاز علی عرشی	قدیم اخبارات کی کچھ جلدیں	۹	۲	۲۵
۹	باقر علی ترمذی (ڈاکٹر سید)	گجرات کی ایک غیر معروف اردو مثنوی	۱	۳	۸
۱۰	بسم اللہ بیگ (مرزا)	منشی امیر اللہ تسلیم	۳	۱	۴۹
		ہم قافیہ اشعار	۵	۱	۴۱
۱۱	بشیر الحق دسنوی (محمد)	بام انشا پر شعرائے بہار کی پرواز	۸	۱	۳۵

نمبر شمار	مضمون نگار	مضمون	جلد	شمارہ	صفحہ
۱۲	ثمینہ شوکت	مکھن لعل اور انکی اردو شاعری	۱۰	۲	۲۸
۱۳	جمیل الدین ٹونکی (سید)	مہر نیمروز کا ایک خاص نسخہ	۲	۳،۴	۷۰
		ایضاً	۳	۱	۵
		طالع یار خاں	۵	۴	۵
		دستنبو کا ایک خاص نسخہ	۶	۱	۲۱
		ایضاً	۶	۲	۳۷
		ایضاً	۶	۳	۵۱
		ایضاً	۷	۴	۳۱
۱۴	جہاں بانو نقوی	میر کے مقطعے	۳	۲	۶۰
۱۵	حامد اللہ ندوی	کریمی لائبریری	۱	۱	۷۳
		بادشاہ مدراسی	۱	۳	۳۵
		ایضاً	۱	۴	۵۵
		شاہ عبدالغنی احقر	۳	۲	۴۳
۱۶	حبیب خاں (ام)	مظہر علی خاں ولا	۱۰	۱	۵۳
۱۷	حسن (سید)	محمود میاں رونق	۵	۳	۳۳
۱۸	رفیعہ سلطانہ	اردو شاعری میں گل و بلبل	۳	۲	۶۹
	راشد برہان پوری (سید مطیع اللہ)	صوفیاے گجرات کا ایک عجیب قلمی مجموعہ	۲	۳،۴	۲۸
۱۹	زور (ڈاکٹر سید محی الدین قادری)	دکن کی آخری طویل مثنوی	۱	۱	۸
		بہمنی ادب	۱	۴	۴
۲۰	سخاوت مرزا	مثنوی ریاض العارفین	۲	۳،۴	۵۰
		اثیمہ	۳	۴	۴
		سید محمد حسینی المقلب بہ شاہ رائچوٹی	۴	۲	۲۴
		ایضاً	۴	۳	۶

نمبر شمار	مضمون نگار	مضمون	جلد	شمارہ	صفحہ
	سخاوت مرزا	سید شاہ فقیر محی الدین مقبل میسوری	۵	۱	۸
		ایضاً	۵	۲	۵
		عارف باللہ قاضی سید محمود بحری قدس سرہٗ اور ان کی تصنیفات	۶	۳	۲۴
		ایضاً	۶	۴	۲۸
		ایضاً	۷	۱	۶
		معراج نامۂ مختار دکھنی بیجاپوری	۷	۴	۴۱
		مثنوی بلقیس و سلیمان مصنفہ نامی والا جاہی	۸	۲	۳۷
		مجمع علم و ہنر مدراس	۸	۳	۲۳
		مثنوی تحفۂ اعظم مصنفہ غلام علی کوکنی	۹	۳	۲۲
		ترجمہ واگبھٹ و خیل نامۂ ہاشمی	۱۰	۴	۳۵
۲۱	سراج حسن نقوی (پروفسر)	اکبر الہ آبادی	۱	۲	۴۰
۲۲	سلام حسین برہان پوری	بوہرے اور ان کا ادب	۲	۲	۲۴
۲۳	شہاب الدین دسنوی (سید)	اردو ٹائپ اور نستعلیق	۸	۴	۷۵
۲۴	شہاب مالیر کوٹلوی (مولانا مہر محمد خاں)	پروفسر محمد ابراہیم ڈار	۴	۳	۴۹
۲۵	صفدر آہ	اردو ہجا کی اصلاح کا ایک منصوبہ	۱۰	۳	۶۸
		ایضاً	۱۰	۴	۴۷
۲۶	ضیاء الدین احمد ڈیسائی	شغل طوبیٰ	۶	۴	۶
		گفتار ملک محمد	۸	۳	۵۴
۲۷	ظہیر الدین مدنی (ڈاکٹر سید)	گجرات کی مذہبی مثنویاں	۱	۱	۶۶
		ایضاً	۱	۲	۱۳
		ایضاً	۲	۱	۳

نمبر شمار	مضمون نگار	مضمون	جلد	شمارہ	صفحہ
	ظہیرالدین مدنی (ڈاکٹر سید)	گجرات کی مذہبی مثنویاں	۳	۳	۵
		ایضاً	۵	۳	۵
		حیات میر تقی میر (تبصرہ)	٦	۴	۷۴
۲۸	عابد رضا بیدار	ذوق کے بارے میں ایک ہم عصر اخبار کا تبصرہ	۹	۳	۴۱
		اخبار سٹن ٹیفک سوسائٹی علی گڑھ	۱۰	۳	۴۵
۲۹	عالی جعفری	شہر بمبئی کے کتب خانوں میں دیوان ولی کے قلمے نسخے	۳	۳	۲۷
		شہر آرزو (تبصرہ)	۱۰	۲	۷۱
۳۰	عبدالحمید فاروقی (ڈاکٹر محمد)	امین گجراتی کی یوسف زلیخا	٦	۱	٦
		ایضاً	٦	۲	٦
		ایضاً	٦	۳	٦
۳۱	عبدالرزاق قریشی	اردو شاعری اور مسائل حیات	۲	۱	۴۵
		ایضاً	۲	۲	۳۳
		اشعار مرزا مظہر جان جاناں رح	۴	۲	۴۲
		ایضاً	۴	۳	۲۵
		حیات اجمل (نقد و تبصرہ)	۵	۴	۵۱
		قاضی احمد میاں اختر	٦	۴	۷۱
		پنڈت کیفی	۷	۱	۵۵
		سیف طیب جی مرحوم	۹	۱	۴
		اطائف السعادت (نقد و تبصرہ)	۹	۳	۵۴
		اردو کا قدیم ترین دیباچہ	۹	۴	۵۳
		ادب اور نظریہ (نقدو تبصرہ)	۱۰	۱	٦۱
		اردو کی تمثیلی شاعری	۱۰	۳	۳۸
۳۲	عبدالعلیم نامی (ڈاکٹر)	اردو تھیٹریکل کمپنیوں کے ابتدائی سفر	۲	۳،۴	۸٦

نمبر شمار	مضمون نگار	مضمون	جلد	شمارہ	صفحہ
.	عبدالعیم نامی (ڈاکٹر)	آغا حشر اور ان کے معاصرین	۴	۳	۳۵
		رونق بنارسی	۵	۴	۳۴
		ایضاً	۶	۱	۳۰
۳۳	عبدالغفور شکیل (پروفسر)	غم بنگلوری	۱۰	۴	۵۱
۳۴	عبدالقادر سروری (پروفسر)	غالب کی اخلاقی شاعری	۱	۱	۱۴
		ایضاً	۱	۲	۳۳
۳۵	عبدالودود (قاضی)	انتخاب دیوان انند رام مخلص	۱	۴	۱۳
		کچھ انشا کے بارے میں	۲	۱	۲۸
		ایضاً	۴	۴	۶
		تذکرۂ یوسف علی خاں	۲	۲	۳
		خاتمۂ خلاصتہ‌الافکار	۲	۳،۴	۵
		گلشن بیخار	۴	۲	۶
		آزاد بحیثیت محقق	۷	۲	۷
		ایضاً	۷	۳	۵
		ایضاً	۷	۴	۵
		فارسی تذکرے اور ریختہ گو شعرا	۸	۲	۵
		اقتباسات سفینۂ خوش گو	۸	۳	۵
		سفینۂ ہندی	۸	۴	۵
		فہرست کتب خانۂ گارسان دتاسی	۹	۱	۵
		سرب سکھ دیوانہ	۹	۳	۵
		ایضاً	۹	۴	۵۱
		بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا (نقدو تبصرہ)	۹	۴	۵
		ایضاً	۱۰	۱	۵
		ایضاً	۱۰	۲	۴۴
		ایضاً	۱۰	۳	۵
		ایضاً	۱۰	۴	۵

نمبر شمار	مضمون نگار	مضمون	جلد	شمارہ	صفحہ
۳۶	فریدالدین برہان پوری (پروفسر شیخ)	کتب خانۂ درگاہ حضرت پیر محمدشاہ قدس سرہٗ	۶	۴	۱۳
		وفات نامۂ شاہ عیسیٰ جنداللہ	۸	۱	۵
۳۷	فضل‌اللہ فاروقی	غالب کی مثنوی دعاے صباح کا مطبوعہ نسخہ	۱	۲	۵۶
		نورؔ علیٰ نور	۶	۳	۱۴
۳۸	قاسم علی سجن لال	دہلی سوسائٹی	۳	۲	۱۹
		ایضاً	۳	۴	۷۰
		راجہ شیو پرشاد ستارۂ ہند	۵	۲	۲۰
		دلی کا نوابی مشاعرہ اور مولانا حالی	۶	۲	۳۳
		مسودۂ قانون ٹرسٹیان علی گڑھ پر مولانا الطاف حسین حالی کے خیالات	۹	۳	۵۰
		ایضاً	۹	۴	۳۳
		ایضاً	۱۰	۱	۳۳
۳۹	قطب‌النسا ہاشمی	فانی بدایونی	۴	۱	۳۳
۴۰	گرناتھ راج دیویکر	قطب مشتری میں گجراتی، کنڑ اور مرہٹی الفاظ	۳	۲	۶۵
۴۱	گوپی چند نارنگ	اردو ادب میں اتحاد پسندی کے رجحانات	۵	۱	۲۰
		ایضاً	۶	۲	۱۸
۴۲	گیان چند (ڈاکٹر)	مرزا ہوس کی ایک نادر مثنوی	۹	۳	۲۲
۴۳	مالک رام	استاد غالب (ملا عبدالصمد)	۳	۱	۶۷
		سائل دہلوی	۳	۲	۴
		جگ بیتیء کیفی پر ایک نظر	۴	۴	۱۹
		مرزا غالب اور امیر مینائی	۶	۱	۲۷
		مرزا یوسف	۱۰	۲	۵

نمبر شمار	مضمون نگار	مضمون	جلد	شمارہ	صفحہ
۴۴	مبارزالدین رفعت (پروفسر)	منظوم شجرے	۱	۴	۶۵
		اورنگ آباد کی اردو اور فارسی مطبوعات	۸	۱	۴۱
۴۵	محمد حسین (پروفسر سید)	ایک مختلف فیہ مسدس	۸	۱	۲۸
۴۶	محمود شیرانی	حافظ محمود شیرانی کا ایک خط	۱	۱	۸۰
		نامۂ شیرانی	۲	۳،۴	۱۱۳
۴۷	محمود قادری (ابوالفضل سید)	ایک نایاب قلمی بیاض	۷	۲	۳۳
		ایضاً	۷	۳	۵۵
		ایضاً	۸	۱	۵۳
		ایضاً	۸	۲	۵۹
		ایضاً	۸	۳	۴۱
۴۸	مقیت الحسن	رافت سرہندی	۱۰	۳	۵۹
۴۹	مقبول احمد (شاہ)	میر محمد سلیم سلیم عظیم آبادی	۱۰	۲	۱۸
۰۵	منیژہ بانو	حالی بحیثیت مصلح	۳	۱	۶۰
		حالی اور ان کا تغزل	۴	۱	۱۸
۵۱	موہن سنگھ دیوانہ	حسرت موہانی ومائل دہلوی	۱	۱	۵۸
۵۲	مہدی حسن (ڈاکٹر)	چینی زبان کے الفاظ قرآن میں	۴	۳	۸۱
۵۳	مہیش پرشاد (مولوی)	مرزا غالب کے ایام میں نظام ڈاک	۲	۱	۳۹
۵۴	نجیب اشرف ندوی (سید)	ایک کہانی چار شاعروں کی زبانی	۱	۴	۴۳
		خواجہ حسن نظامی	۶	۴	۶۹
		اودھ ریویو	۸	۴	۷۵
		کوکن کے اربعۂ عناصر	۹	۲	۵
۵۵	نذر مصطفےٰ	ولی کے احباب، تلامذہ اور ان کا وطن	۴	۴	۴۵
۵۶	نذیر احمد (ڈاکٹر)	اردو کی ابتدائی نشو و نما میں علما و فضلا کی خدمات	۹	۳	۱۱

نمبر شمار	مضمون نگار	مضمون	جلد	شمارہ	صفحہ
۵۷	نصیر الدین ہاشمی	محمد امین زبیری کی سوانح نگاری	۱	۳	۴۴
		ایک صدی پہلے اردو میں سائنس کی تعلیم	۲	۲	۱۵
		کتب خانۂ آصفیہ، حیدر آباد	۳	۱	۲۳
		دکن میں اردو کے ہندو شعرا	۳	۲	۲۸
		دکنی کلچر	۴	۱	۶
		نصرتی کا سن وفات	۵	۲	۴۹
		حیدر آباد کے عجائب خانہ کی اردو قلمی کتابیں	۶	۱	۴۲
		ایضاً	۶	۲	۴۱
		ایضاً	۶	۳	۱۹
		دکنی حکمراں اور دیسی بولیوں کی سرپرستی	۷	۱	۴۱
		سنٹرل ریکارڈ آفس کی اردو قلمی کتابیں	۷	۲	۴۸
		ایضاً	۷	۳	۳۳
		مدراس میں اردو کا کچھ نیا مسالا	۸	۲	۱۹
		کتب خانۂ نواب سالارجنگ کی نستعلیق خط میں لکھی ہوئی ہندی کتابیں	۱۰	۱	۴۱
۵۸	نعیم الدین (ڈاکٹر سید)	دکھنی زبان کی ایک کمیاب مثنوی	۸	۳	۳۳
		حضرت شاہ غلام حسین ایلچ پوری کی ایک نایاب مثنوی	۹	۲	۵۷
۵۹	نورالدین شیرازی (قاضی سید)	حکیم روح اللہ	۱	۲	۴
		ایضاً	۱	۳	۴
		گجراتی مسلمان اور گجری زبان	۸	۳	۵۴
۶۰	وحید قریشی (ڈاکٹر)	لکھنؤ کا دبستان شاعری پر ایک نظر	۳	۴	۴۱

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	جلد	شمارہ	صفحہ
۱	آزاد بحیثیت محقق	قاضی عبدالودود	۷	۲	۷
۲	ایضاً	ایضاً	۷	۳	۵
۳	ایضاً	ایضاً	۷	۴	۵
۴	آغا حشر اور ان کے معاصرین	ڈاکٹر عبدالعلیم نامی	۴	۳	۳۵
۵	اثیمہ	سخاوت مرزا	۳	۴	۴
۶	اخبار سائنٹیفک سوسائٹی علی گڑھ	عابد رضا بیدار	۱۰	۳	۴۵
۷	ادب اور نظریہ (نقدو تبصرہ)	عبدالرزاق قریشی	۱۰	۱	۶۱
۸	اردو ادب میں اتحاد پسندی کے رجحانات	گوپی چند نارنگ	۵	۱	۲۰
۹	ایضاً	ایضاً	۶	۲	۱۸
۱۰	اردو تھئیٹریکل کمپنیوں کے ابتدائی سفر	عبدالعلیم نامی	۲	۳،۴	۸۶
۱۱	اردو ٹائپ اور نستعلیق	سید شہاب الدین دسنوی	۸	۴	۷۵
۱۲	اردو شاعری اور مسائل حیات	عبدالرزاق قریشی	۲	۱	۴۵
۱۳	ایضاً	ایضاً	۲	۲	۳۳
۱۴	اردو شاعری میں گل و بلبل	رفیعہ سلطانہ	۳	۲	۶۹
۱۵	اردو کا سب سے پہلا اخبار	حامداللہ افسر میرٹھی	۱	۲	۲۹
۱۶	اردو کا قدیم ترین دیباچہ	عبدالرزاق قریشی	۹	۴	۵۳
۱۷	اردو کی ابتدائی نشو و نما میں علما و فضلا کی خدمات	ڈاکٹر نذیر احمد	۹	۳	۱
۱۸	اردو کی تمثیلی شاعری	عبدالرزاق قریشی	۱۰	۳	۳۸
۱۹	اروو ہجا کی اصلاح کا ایک منصوبہ	ڈاکٹر صفدر آہ	۱۰	۳	۶۸

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	جلد	شمارہ	صفحہ
۲۰	اردو ہجا کی اصلاح کا ایک منصوبہ	ڈاکٹر صفدر آہ	۱۰	۴	۴۷
۲۱	استادِ غالب (ملا عبدالصمد)	مالک رام	۳	۱	٦۷
۲۲	اشعار مرزا مظہر جان جاناں رحہ	عبدالرزاق قریشی	۴	۲	۴۲
۲۳	ایضاً	ایضاً	۴	۳	۲۵
۲۴	اقتباسات سفینۂ خوش گو	قاضی عبدالودود	۸	۳	۵
۲۵	اکبرالہ آبادی	پروفسر سراج حسن نقوی	۱	۲	۴۰
۲٦	امین گجراتی کی یوسف زلیخا	ڈاکٹر محمد عبدالحمید فاروقی	٦	۱	٦
۲۷	ایضاً	ایضاً	٦	۲	٦
۲۸	ایضاً	ایضاً	٦	۳	٦
۲۹	انتخاب دیوان انند رام مخلص	قاضی عبدالودود	۱	۴	۱۳
۳۰	اودھ ریویو	نجیب اشرف ندوی	۸	۴	۲۵
۳۱	اورنگ آباد کی اردو اور فارسی مطبوعات	پروفسر مبارزالدین رفعت	۸	۱	۴۱
۳۲	ایک صدی پہلے اردو میں علم سائنس کی تعلیم	نصیرالدین ہاشمی	۲	۲	۱۵
۳۳	ایک کہانی چار شاعروں کی زبانی	نجیب اشرف ندوی	۱	۴	۴۳
۳۴	ایک مختلف فیہ مسدس	پروفسر سید محمد حسین	۸	۱	۲۸
۳۵	ایک نایاب قلمی بیاض	ابوالفضل سید محمود قادری	۷	۳	۳۳
۳٦	ایضاً	ایضاً	۷	۳	۵۵
۳۷	ایضاً	ایضاً	۸	۱	۵۳
۳۸	ایضاً	ایضاً	۸	۲	۵۹
۳۹	ایضاً	ایضاً	۸	۳	۴۱
۴۰	بادشاہ مدراسی	حامداللہ ندوی	۱	۳	۳۵
۴۱	ایضاً	ایضاً	۱	۴	۵۵
۴۲	باقر علی ترمذی	پروفسر محمد ابراہیم ڈار	۲	۴،۳	۱۰۳
۴۳	بام انشا پر شعرائے بہار کی پرواز	محمد بشیرالحق دسنوی	۸	۱	۳۵

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	جلد	شمارہ	صفحہ
۴۴	بوہرے اور ان کا ادب	سلام حسین برہان پوری	۲	۲	۲۴
۴۵	بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا (نقدو تبصرہ)	قاضی عبدالودود .	۹	۴	۵
۴۶	ایضاً	ایضاً	۱۰	۱	۵
۴۷	ایضاً	ایضاً	۱۰	۲	۴۴
۴۸	ایضاً	ایضاً	۱۰	۳	۵
۴۹	ایضاً	ایضاً	۱۰	۴	۵
۵۰	بہمنی ادب	ڈاکٹر سید محی‌الدین قادری زور	۱	۴	۴
۵۱	پروفسر محمد ابراهیم ڈار	مہر محمد خاں شہاب مالیر کوٹلوی	۴	۳	۴۹
۵۲	تذکرۂ یوسف علی خاں	قاضی عبدالودود	۲	۲	۳
۵۳	ترجمۂ واگبھٹ و خیل‌نامۂ ہاشمی	سخاوت مرزا	۱۰	۴	۳۵
۵۴	جگ بیتی کیفی پر ایک نظر	مالک رام	۴	۴	۱۹
۵۵	جلال احمد آبادی	سید اکبر علی ترمذی	۲	۱	۵۳
	ایضاً	ایضاً	۲	۲	۵۰
۵۷	ایضاً	ایضاً	۵	۳	۵۶
۵۸	ایضاً	ایضاً	۵	۴	۲۶
۵۹	چینی زبان کے الفاظ قرآن میں	ڈاکٹر مہدی حسن	۴	۳	۸۱
۶۰	حافظ محمود شیرانی کا ایک خط	محمود شیرانی	۱	۱	۸۰
۱۶	حالی بحیثیت مصلح	منیژہ بانو	۳	۱	۶۰
۶۲	حالی اور ان کا تغزل	ایضاً	۴	۱	۱۸
۶۳	حسرت موہانی و مائل دہلوی	ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ	۱	۱	۵۸
۶۴	حضرت شاہ غلام حسین ایلچ پوری کی ایک نایاب مثنوی	ڈاکٹر نعیم الدین	۹	۲	۵۷
۶۵	حکیم روح اللہ	قاضی سید نورالدین شیرازی	۱	۲	۴
۶۶	ایضاً	ایضاً	۱	۳	۴

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	جلد	شمارہ	صفحہ
٦۷	حیات اجمل (نقد و تبصرہ)	عبدالرزاق قریشی	۵	۴	۵۱
٦۸	حیات شبلی پر ایک نظر	پروفسر محمد ابراہیم ڈار	۱	۱	۲۲
٦۹	حیات میر تقی میر (نقد و تبصرہ)	ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی	٦	۴	۵۴
۷۰	حیدر آباد دکن کے عجائب خانہ کی اردو قلمی کتابیں	نصیر الدین ہاشمی	٦	۱	۴۲
۷۱	ایضاً	ایضاً	٦	۲	۴۱
۷۲	ایضاً	ایضاً	٦	۳	۱۹
۷۳	خاتمۂ خلاصتہ الافکار	قاضی عبدالودود	۲	۳،۴	۵
۷۴	خواجہ حسن نظامی	پروفسر سید نجیب اشرف ندوی	٦	۴	٦۹
۷۵	دستنبو کا ایک خاص نسخہ	سید جمیل الدین	٦	۱	۲۱
۷٦	ایضاً	ایضاً	٦	۲	۳۷
۷۷	ایضاً	ایضاً	٦	۳	۵۱
۷۸	ایضاً	ایضاً	۷	۴	۳۱
۷۹	دکن کی آخری طویل اردو مثنوی	ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور	۱	۱	۸
۸۰	دکن میں اردو کے ہندو شعرا	نصیر الدین ہاشمی	۳	۲	۲۸
۸۱	دکنی کلچر	ایضاً	۴	۱	٦
۸۲	دکنی حکمراں اور دیسی بولیوں کی سرپرستی	ایضاً	۷	۱	۴۱
۸۳	دکنی زبان کی ایک کمیاب مثنوی	ڈاکٹر سید نعیم الدین	۸	۳	۳۳
۸۴	دکھنی مرثیوں کا ایک نایاب مجموعہ	نصیر الدن ہاشمی	۱۰	۴	۱۷
۸۵	دلی کا نوابی مشاعرہ اور مولانا حالی	پروفسر قاسم علی سجن لال	٦	۲	۳۳
۸٦	دہلی سوسائٹی	ایضاً	۳	۲	۱۹
۸۷	ایضاً	ایضاً	۳	۴	۷۰
۸۸	راجہ شیو پرشاد ستارۂ ہند	قاسم علی سجن لال	۵	۲	۲۰

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	جلد	شمارہ	صفحہ
۸۹	رافت سرہندی	مقیت الحسن	۱۰	۳	۵۹
۹۰	رونق بنارسی	ڈاکٹر عبدالعلیم نامی	۵	۴	۳۴
۹۱	ایضاً	ایضاً	۶	۱	۳۰
۹۲	ذوق کے بارے میں ایک ہم عصر اخبار کا تبصرہ	عابد رضا بیدار	۹	۳	۴۱
۹۳	سائل دہلوی	مالک رام	۳	۲	۴
۹۴	سرب سکھ دیوانہ	قاضی عبد الودود	۹	۳	۵
۹۵	ایضاً	ایضاً	۹	۴	۵۱
۹۶	سفینۂ ہندی	ایضاً	۸	۴	۵
۹۷	سنٹرل ریکارڈ آفس کی اردو قلمی کتابیں	نصیر الدین ہاشمی	۷	۲	۴۸
۹۸	ایضاً	ایضاً	۷	۳	۳۳
۹۹	سید شاہ فقیر محی الدین مقبل میسوری	محمد سخاوت مرزا	۵	۱	۸
۱۰۰	ایضاً	ایضاً	۵	۲	۵
۱۰۱	سید محمد حسینی المقلب بہ شاہ میر رانچوٹی	ایضاً	۴	۲	۲۴
۱۰۲	ایضاً	ایضاً	۴	۳	۶
۱۰۳	سیف طیب جی مرحوم	عبد الرزاق قریشی	۹	۱	۴
۱۰۴	صوفیائے گجرات کا ایک عجیب قلمی مجموعہ	سید مطیع اللہ راشد برہان پوری	۲	۳،۴	۲۸
۱۰۵	طالع یار خاں	سید جمیل الدین	۵	۴	۵
۱۰۶	عارف باللہ قاضی سید محمود بحری قدس سرہٗ اور ان کی تصنیفات	سخاوت مرزا	۶	۳	۲۴
۱۰۷	ایضاً	ایضاً	۶	۴	۲۸
۱۰۸	ایضاً	ایضاً	۷	۱	۶
۱۰۹	غالب کی اخلاقی شاعری	پروفیسر عبد القادر سروری	۱	۱	۱۴

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	جلد	شمارہ	صفحہ
١١٠	غالب کی اخلاقی شاعری	پروفسر عبد القادر سروری	١	٢	٣٣
١١١	غالب کی مثنوی دعاے صباح کا مطبوعہ نسخہ	فضل اللہ فاروقی	١	٢	٥٦
١١٢	غم بنگلوری	پروفسر عبد الغفور شکیل	١٠	۴	٥١
١١٣	فارسی تذکرے اور ریختہ گو شعرا	قاضی عبد الودود	٨	٢	٥
١١۴	فانی بدایونی	قطب النسا ہاشمی	۴	١	٣٣
١١٥	فہرست کتبخانۂ گارساں دتاسی	قاضی عبد الودود	٩	١	٥
١١٦	قاضی احمد میاں اختر	عبد الرزاق قریشی	٦	۴	۷١
١١۷	قدیم اخبارات کی کچھ جلدیں	امتیاز علی عرشی	٩	٢	٢٥
١١٨	قطب مشتری میں گجراتی، کنڑ اور مرہٹی الفاظ	گرناتھ راج دیویکر	٣	٢	٦٥
١١٩	کتب خانۂ آصفیہ، حیدر آباد	نصیر الدین ہاشمی	٣	١	٢٣
١٢٠	کتب خانۂ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ قدس سرہٗ	شیخ فرید الدین برہان پوری	٦	۴	١٣
١٢١	کتب خانۂ نواب سالار جنگ کی نستعلیق خط میں لکھی ہوئی ہندی کتابیں	نصیر الدین ہاشمی	١٠	١	۴١
١٢٢	کشف الخلاصہ ـ فقیر کی فقہی مثنوی	پروفسر اس. اف. ادیب	١٠	۴	٢۷
١٢٣	کچھ انشا کے بارے میں	قاضی عبد الودود	٢	١	٢٨
١٢۴	ایضاً	ایضاً	۴	۴	٦
١٢٥	کریمی لائبریری	حامد اللہ ندوی	١	١	۷٣
١٢٦	کوکن کے اربعۂ عناصر	نجیب اشرف ندوی	٩	٢	٥
١٢۷	کیفی (پنڈت)	عبد الرزاق قریشی	۷	١	٥٥
١٢٨	گجرات کی ایک غیر معروف اردو مثنوی	ڈاکٹر سید باقر علی ترمذی	١	٣	٨
١٢٩	گجرات کی مذہبی مثنویاں	ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی	١	١	٦٦
١٣٠	ایضاً	ایضاً	١	٢	١٣

نمبرشمار	مضمون	مضمون نگار	جلد	شمارہ	صفحہ
۱۳۱	گجرات کی مذہبی مثنویاں	ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی	۲	۱	۳
۱۳۲	ایضاً	ایضاً	۳	۳	۵
۱۳۳	ایضاً	ایضاً	۵	۳	۵
۱۳۴	گجراتی مسلمان اور گجری زبان	قاضی سید نور الدین حسین	۸	۳	۵۴
۱۳۵	گفتار ملک محمد	ضیاء الدین احمد ڈیسائی	۶	۳	۱۰
۱۳۶	گلشن بیخار	قاضی عبد الودود	۴	۲	۶
۱۳۷	لطائف السعادت (نقد و تبصرہ)	عبد الرزاق قریشی	۹	۳	۵۴
۱۳۸	لکھنؤ کا دبستان شاعری	وحید قریشی	۳	۴	۴۱
۱۳۹	مثنوی بلقیس و سلیمان مصنفہ نامی والا جاہی	سخاوت مرزا	۸	۲	۳۷
۱۴۰	مثنوی تحفۂ اعظم مصنفہ غلام علی کوکنی	ایضاً	۹	۳	۲۲
۱۴۱	مثنوی ریاض العارفین	ایضاً	۲	۳، ۴	۵۰
۱۴۲	مجمع علم و ہنر مدراس	ایضاً	۸	۳	۲۳
۱۴۳	محمد امین زبیری کی سوانح نگاری	نصیر الدین ہاشمی	۱	۳	۴۴
۱۴۴	محمود میاں رونق	پروفسر سید حسن	۵	۳	۳۳
۱۴۵	مختلف یونیورسٹیوں میں ہونے والے تحقیقی کاموں کی فہرست	—	۹	۴	۶۵
۱۴۶	مدراس میں اردو کا کچھ نیا مسالا	نصیر الدین ہاشمی	۸	۲	۱۹
۱۴۷	مرزا غالب اور امیر مینائی	قاضی احمد میاں اختر	۵	۴	۲۱
۱۴۸	ایضاً	مالک رام	۶	۱	۲۷
۱۴۹	مرزا غالب کا ایک شاگرد (میر فخر الدین حسین خاں سخن دہلوی)	قاضی احمد میاں اختر	۱	۳	۲۰
۱۵۰	مرزا غالب کے ایام میں نظام ڈاک	پروفسر مہیش پرشاد	۲	۱	۳۹
۱۵۱	مرزا مقیم مقیمی سلمی	پروفسر محمد اکبرالدین صدیقی	۸	۴	۴۴
۱۵۲	مرزا مقیم مقیمی سلمی	پروفسر محمد اکبرالدین صدیقی	۹	۱	۳۸

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	جلد	شمارہ	صفحہ
۱۵۳	مرزا ہوس کی ایک نادر مثنوی	ڈاکٹر گیان چند	۹	۲	۴۹
۱۵۴	مسودۂ قانون ٹرسٹیان علی گڑھ پر مولانا الطاف حسین حالی کے خیالات	قاسم علی سجن لال	۹	۳	۵۰
۱۵۵	ایضاً	ایضاً	۹	۴	۳۳
۱۵۶	ایضاً	ایضاً	۱۰	۱	۳۳
۱۵۷	معراج نامۂ مختار دکنی بیجاپوری	سخاوت مرزا	۷	۴	۴۱
۱۵۸	مظہر علی خاں ولا	ام. حبیب خاں	۱۰	۱	۵۳
۱۵۹	مکھن لعل اور ان کی اردو شاعری	ثمینہ شوکت	۱۰	۲	۲۸
۱۶۰	منشی امیر اللہ تسلیم	مرزا بسم اللہ بیگ	۳	۱	۴۹
۱۶۱	منظوم شجرے	سید مبارز الدین رفعت	۱	۴	۶۵
۱۶۲	مہر نیمروز کا ایک خاص نسخہ	سید جمیل الدین	۲	۳، ۴	۷۰
۱۶۳	ایضاً	ایضاً	۳	۱	۵
۱۶۴	میرزا یوسف	مالک رام	۱۰	۲	۵
۱۶۵	میر محمد سلیم، سلیم عظیم آبادی	شاہ مقبول احمد	۱۰	۲	۱۸
۱۶۶	میر کے مقطعے	جہاں بانو بیگم نقوی	۳	۲	۶۰
۱۶۷	نامۂ شیرانی	محمود شیرانی	۲	۳، ۴	۱۱۳
۱۶۸	نساخ اور مرزا غالب	اس. ام. حسن	۱۰	۲	۲۵
۱۶۹	نصرتی کا سن وفات	نصیر الدین ہاشمی	۵	۲	۴۹
۱۷۰	نور علیٰ نور	فضل اللہ فاروقی	۶	۳	۱۴
۱۷۱	واجد علی شاہ اور ان کی بیگمات کے غیر مطبوعہ خطوط	ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی	۵	۲	۳۵
۱۷۲	وفات نامۂ شاہ عیسیٰ جند اللہ	پروفسر شیخ فرید الدین برہان پوری	۸	۱	۵
۱۷۳	ولی کے احباب، تلامذہ اور ان کا وطن	نذر مصطفےٰ	۴	۴	۴۵
۱۷۴	ہم قافیہ اشعار	مرزا بسم اللہ بیگ	۵	۱	۴۱

تبصرے

۱۔ کتابیں

نمبر شمار	کتاب	مصنف	جلد	شمارہ	صفحہ
۱	آرٹ ان اردو پواٹری (انگریزی)	شہاب الدین رحمت اللہ	۶	۴	۷۸
۲	آسٹریلیا کی جھلک	مسز ایسین علی خاں	۷	۱	۶۱
۳	آئینۂ دلدار	محمد ابرار صدیقی	۹	۱	۶۰
۴	ابن الحریری و مقامات	ڈاکٹر محمد احمد صدیقی	۷	۳	۶۷
۵	اپنی موج میں	آوارہ	۶	۳	۶۳
۶	ادب اور نظریہ	آل احمد سرور	۷	۳	۶۵
۷	اردو اسیز	ڈاکٹر سید ظہیرالدین مدنی	۹	۴	۵۵
۸	اردو رسم خط اور طباعت	ہارون خان شروانی	۹	۲	۶۱
۹	اردو شاعری کا انتخابی سلسلہ	—	۸	۴	۶۲
۱۰	اردو کے چاند تارے	امیر حسن نورانی	۹	۴	۵۹
۱۱	ارمغان علمی	(مرتبہ) ڈاکٹر سید عبد اللہ	۹	۴	۵۵
۱۲	اشتراکیت روس کی تجربہ گاہ میں	(مرتبہ) اصغر علی عابدی	۲	۱	۵۴
۱۳	اصح السیر	ابوالبرکات عبدالرؤف دانا پوری	۹	۳	۶۴
۱۴	اصطلاحات معاشیات	پروفسر دلشاد کلان پوی	۵	۲	۵۵
۱۵	انقلاب روس اور روس انقلاب کے بعد	محمد مسعود جوہر	۹	۴	۵۸
۱۶	ایک اردو روزنامچہ	(مرتبہ) نورالحسن ہاشمی	۶	۳	۶۲
۱۷	ایک اور مشرقی کتب خانہ	سید عبدالقوی دسنوی	۵	۲	۵۵
۱۸	ایک ایکٹ کے ڈرامے	محمد عمر	۶	۲	۶۰
۱۹	اے ہزٹری آف فریڈم موومنٹ جلد اول	—	۹	۲	۶۷

نمبر شمار	کتاب	مصنف	جلد	شمارہ	صفحہ
۲۰	باغ و بہار	میر امن	۹	۲	۶۳
۲۱	برگ سبز	ابومسلم صحافی	۶	۳	۶۴
۲۲	بستان المحدثین .	(مرتبہ) مولانا عبدالسمیع	۹	۳	۶۳
۲۳	بیکار دن ، بیکار راتیں	عزیز احمد	۲	۳،۴	۱۱۵
۲۴	پیام ساوتری	جگر بریلوی	۶	۱	۵۰
۲۵	پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقی اردو	(مرتبہ) سید ہاشمی فریدآبادی	۵	۲	۵۳
۲۶	پہلا پنج سالہ پلان	—	۵	۳	۶۵
۲۷	پیسہ اور پرچھائیں	ڈاکٹر محمد حسن	۷	۳	۶۶
۲۸	تاریخ ادبیات عربی	سید ابوالفضل	۷	۳	۶۶
۲۹	تاریخ بال کندۂ	فیض الدین صدیقی	۷	۳	۶۴
۳۰	تاریخ مسلمانان پاکستان بھارت	سید ہاشمی فریدآبادی	۵	۲	۵۲
۳۱	تبلیغی دورے	قاری ودودالحق ندوی	۷	۱	۶۲
۳۲	تحقیق الجران	حکیم احمداللہ خاں دہلوی	۵	۳	۶۳
۳۳	تذکرۂ مرشدی	محبوب علی چیتا پوری	۹	۲	۶۸
۳۴	تری دنیا میں ہم	امیر علی امام	۶	۱	۵۱
۳۵	تصانیف جگن ناتھ آزاد	جگن ناتھ آزاد	۴	۱	۴۱
۳۶	تصویر جاناں	(مرتبہ) حمیدالدین شاہد	۹	۳	۶۱
۳۷	تلامذۂ غالب	مالک رام	۹	۳	۵۹
۳۸	تلخیص الاردو	(مرتبہ) سید ہاشمی فریدآبادی	۵	۲	۵۴
۳۹	تنقیدی اصول اور نظریے	حامداللہ افسر میرٹھی	۶	۱	۵۰
۴۰	ثنائے حبیب	بہزاد لکھنوی	۶	۳	۶۳
۴۱	ٹھنڈا گوشت	سعادت حسن منٹو	۲	۲	۷۱
۴۲	جمہوریت اور مغربی تحریکیں	(مرتبہ) عبدالوہاب ظہوری	۲	۱	۷۳
۴۳	جوئے رواں	حامداللہ افسر میرٹھی	۶	۳	۶۲
۴۴	حسرت کی سیاسی زندگی	سید عبدالقوی دسنوی	۷	۳	۶۴

نمبر شمار	کتاب	مصنف	جلد	شمارہ	صفحہ
۴۵	حسرت موہانی	(مرتبہ) عبدالشکور	۵	۴	۶۰
۴۶	حضرت عثمان صرف تاریخ کی روشنی میں	(مترجمہ) عبد الحمید نعمانی	۹	۲	۶۴
۴۷	حیات ز، خ، ش	انیسہ ہارون بیگم شروانیہ	۶	۴	۷۸
۴۸	حیات وحید الزماں	محمد عبد العیلم چشتی	۹	۴	۶۰
۴۹	چندر بدن و مہیار	(مرتبہ) اکبرالدین صدیقی	۹	۳	۶۲
۵۰	چند نظمیں	پنڈت کیفی	۶	۲	۵۹
۵۱	خدائی وعدہ	(مترجمہ) معراج احمد	۹	۴	۶۰
۵۲	دکھنی ہندو اور اردو	نصیرالدین ہاشمی	۹	۴	۵۸
۵۳	دل رسوا	اختر انصاری	۶	۳	۶۴
۵۴	ذ کر غالب	مالک رام	۶	۲	۵۹
۵۵	رباعیات الہام	ڈاکٹر آر۔آر ۔ سکسینہ	۶	۲	۶۰
۵۶	رخسار سحر	کریم قدوائی	۷	۱	۶۳
۵۷	رضوآن شاہ و روح افزا	(مرتبہ) سید محمد	۹	۳	۶۱
۵۸	رموز نظم	جالب مظاہری	۷	۳	۶۶
۵۹	روشنی کے مینار	جیلانی بانو	۹	۳	۵۹
۶۰	زیٹیوں کا بادشاہ، حکیم بانا	علی عباس حسینی	۷	۱	۶۳
۶۱	زینب ساحرہ	وحشی محمودآبادی	۷	۱	۶۳
۶۲	سچ کا پجاری	پرکاش پنڈت	۵	۴	۵۹
۶۳	سراپاے رسول	اعجازالحق قدوسی	۵	۴	۵۹
۶۴	سروش ہستی	شاد عظیم آبادی	۸	۳	۶۶
۶۵	سفینۃ النجات فی احوال جہازات	غلام غوث خاں	۵	۳	۶۳
۶۶	سیرت مولانا عبدالولی جون پوری	مولانا ابوالبشر جون پوری	۳	۱	۷۷
۶۷	سیرت مولانا کرامت علی جون پوری	مولانا عبدالباطن جون پوری	۳	۱	۷۷
۶۸	شبلی کی حیات معاشقہ	ڈاکٹر وحید قریشی	۲	۱	۷۲
۶۹	صحت حسن و مسرت	انوارالرحمن	۸	۴	۶۳

نمبر شمار	کتاب	مصنف	جلد	شمارہ	صفحہ
۷۰	صحیفتہ الغزل	صفی لکھنوی	۶	۳	۶۳
۷۱	طالب و موہنی	(مرتبہ) ڈاکٹر زور	۹	۱	۶۰
۷۲	طب فریدی	فرید الدین	۵	۳	۶۳
۷۳	طور رخشاں	(مرتبہ) طرفہ قریشی	۵	۴	۶۰
۷۴	عروس نیل	سلطانہ فیضی	۶	۴	۷۶
۷۵	علامۂ اقبال	مترجمہ صوفی غلام مصطفے تبسم	۸	۳	۶۶
۷۶	علی گڈھ	محمد امین زبیری	۲	۲	۷۱
۷۷	عورت اور اسلامی تعلیم	مالک رام	۳	۳	۶۹
۷۸	فردوسئ ہند	صفدر آہ	۹	۴	۶۱
۷۹	فکر و ادب	دیوندر داس	۹	۳	۶۰
۸۰	فن شاعری	اخلاق دہلوی	۶	۱	۵۰
۸۱	فنون لطیفه به عهد اورنگ زیب	ڈاکٹر عبداللہ چغتائی	۹	۱	۶۱
۸۲	قیامت صغریٰ	محبوب خان طرزی	۷	۱	۶۳
۸۳	کارواں چلتا رہا	ریاض رؤفی	۶	۱	۵۱
۸۴	کپتان کا گڈا	(مترجمہ) حنیف رامے	۹	۲	۶۳
۸۵	گریہ و تبسم	صفیہ شمیم ملیح آبادی	۵	۱	۶۳
۸۶	لکھنؤ اور جنگ آزادی	ـــــــ	۹	۲	۶۶
۸۷	مختصر تاریخ ہند	(مترجمہ) محمد یوسف کوکن	۶	۲	۵۸
۸۸	مستقبل کی تعمیر	ـــــــ	۷	۱	۶۲
۸۹	مسدس بے نظیر	میر یار علی جان صاحب	۲	۱	۷۲
۹۰	مسئلۂ سود (حصہ دوم)	مولانا ابوالعلا مودودی	۴	۳	۸۷
۹۱	مشاہیر اسلام	ڈاکٹر حسن ابراہیم	۷	۱	۶۲
۹۲	مضمون نگاری (جلد اول)	اخلاق دہلوی	۳	۱	۷۹
۹۳	مطالعۂ غالب	اثر لکھنوی	۳	۳	۶۹
۹۴	معارف القرآن	ڈاکٹر محمد احمد صدیقی	۷	۳	۶۵

نمبر شمار	کتاب	مصنف	جلد	شمارہ	صفحہ
۹۵	معاوضے کی درمیانی اسکیم	—	۵	۳	۶۵
۹۶	معمار	مائل ملیح آبادی	۷	۳	۶۷
۹۷	مقالہ در مسئلۂ وحدت الوجود	(مرتبہ) ڈاکٹر محمد احمد صدیقی	۶	۴	۷۷
۹۸	مقام بشریت	مولانا مہر محمد خاں شہاب	۷	۱	۶۱
۹۹	مکاتیب اقبال	اقبال	۸	۳	۶۷
۱۰۰	مولانا فیض احمد بدایونی	محمد ایوب قادری	۸	۴	۶۳
۱۰۱	مہاتما گاندھی	محمد حفیظ الدین	۵	۴	۵۹
۱۰۲	میخانہ	کشن دت طوفان دہلوی	۹	۴	۵۶
۱۰۳	میر کی آپ بیتی	(ترجمہ) نثار احمد فاروقی	۶	۴	۷۵
۱۰۴	مینا بازار	(مرتبہ) ڈاکٹر محمد احمد صدیقی	۶	۴	۷۷
۱۰۵	ناول کیا ہے ؟	ڈاکٹر محمد احسن فاروقی و ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی	۲	۳ ، ۴	۱۱۶
۱۰۶	نا معلوم انسان	مترجمہ محمد یوسف کوکن و محی الدین	۶	۲	۵۸
۱۰۷	نشاط روح	اصغر گونڈوی	۸	۱	۶۶
۱۰۸	نغمہ الوہیت	(مترجمہ) احسن الدین احمد	۵	۴	۶۰
۱۰۹	نگار خانہ	(مترجمہ) میرا جی	۲	۱	۷۸
۱۱۰	نوائے حیات	یحیٰ اعظمی	۱	۱	۳۷
۱۱۱	نوادر الالفاظ	سراج الدین علی خاں آرزو	۲	۳ ، ۴	۱۱۵
۱۱۲	نوائے وقت	نظام الدین گوریکر	۵	۳	۶۶
۱۱۳	نئی رہ گذر ، نئی کہکشاں	اختر انصاری اکبر آبادی	۶	۹	۷۵
۱۱۴	نئے ہند کی تعمیر		۵	۳	۵۶
۱۱۵	وجہ الدین وجدی	محمد عمر	۶	۱	۵۱
۱۱۶	وہ تین	(مترجمہ) یونس احمد	۶	۱	۵۱
۱۱۷	ہندوستانی لسانیات کا خاکہ	(مترجمہ) احتشام حسین	۹	۲	۶۵

نمبر شمار	کتاب	مصنف	جلد	شمارہ	صفحہ
۱۱۸	یادگار حالی	صالحہ عابد حسین	۸	۴	۶۲
۱۱۹	یادگار فرحت	(مرتبہ) ڈاکٹر، غلام یزدانی	۳	۱	۷۶

ب ۔ رسالے

نمبر شمار	رسالہ	جلد	شمارہ	صفحہ
۱	آج کل (ابوالکلام نمبر)	۹	۴	۶۳
۲	" (کشمیر نمبر)	۶	۴	۸۰
۳	ادب لطیف (سالنامہ)	۵	۳	۶۷
۴	البلاغ (سعور نمبر)	۷	۱	۶۴
۵	چراغ راہ (آسلامی قانون نمبر)	۹	۴	۶۲
۶	ساقی (سالنامہ)	۷	۳	۶۸
۷	سویرا (خاص نمبر)	۵	۳	۶۶
۸	سویرا	۹	۱	۵۲
۹	شاعر (افسانہ نمبر)	۶	۱	۶۲
۱۰	شاعر (مشاعرہ نمبر)	۲	۱	۷۳
۱۱	شعلہ و شبنم	۱	۴	۷۱
۱۲	علی گڑھ میگزین (طنز ظرافت نمبر)	۵	۱	۶۳
۱۳	فاران (سیرت نمبر)	۷	۱	۲۵
۱۴	فانوس خیال	۹	۱	۶۲
۱۵	فیض الاسلام	۱	۴	۷۲
۱۶	فیض الاسلام (سیرت نمبر)	۷	۱	۶۵
۱۷	کاروان ادب	۱	۴	۷۲
۱۸	"	۷	۱	۶۴
۱۹	کریسنت	۱	۴	۷۱
۲۰	محمد حسن کالج میگزین (سہیل نمبر)	۵	۲	۵۶
۲۱	مشرب (سالنامہ)	۶	۱	۵۲
۲۲	مقام رسالت	۸	۴	۶۴
۲۳	نقوش (مکاتیب نمبر)	۹	۲	۶۵

فارم IV

دیکھو رول نمبر ۸

نوائے ادب، بمبئی

مقام اشاعت	:	انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹیٹیوٹ دادا بھائی نوروجی روڈ، بمبئی ۱
نوعیت اشاعت	:	سہ ماہی
نام پرنٹر	:	حامد اللہ ندوی
قومیت	:	ہندوستانی
پتـــہ	:	۲، مسینا بلڈنگ، کلیر روڈ، بمبئی ۸
نام پبلشر قومیت پتـــہ	}	ایضاً
نام ایڈیٹر	:	نجیب اشرف ندوی
قومیت	:	ہندوستانی
پتـــہ	:	اندھیری، بمبئی ۴۱
نام، پتہ مالک رسالہ	:	انجمن اسلام ۹۲ دادا بھائی نوروجی روڈ، بمبئی

میں حامد اللہ ندوی تصدیق کرتا ہوں کہ جو معلومات اوپر دی گئی ہیں وہ میرے علم میں صحیح ہیں۔

مقالــه نمـا

مرتبین:

ڈاکٹر عالی جعفری، عبد القوی دسنوی، عبد الستار دلوی، علاؤ الدین جینابڑے

فہرست عنوانات

۱	مذہبیات	۲
۲	تذکرہ و سیرت نگاری	۴
۳	تاریخ و سیاسیات	۷
۴	تنقید، ادب، لسانیات	۹
۵	معاشرتی حالات	۲۰
٦	اقتصادیات	۲۰

مذہبیات

۱ آفتاب احمد خاں

تحت الثریٰ

(فیض الاسلام ۶۰ ستمبر ۲۹-۳۱)

زمین کی اندرونی ساخت وغیرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے تحت الثریٰ پر روشنی ڈالی ہے۔

۲ اجمل خاں

تحقیق معنی «العالمین»

(برہان ۶۰ اگست ۸۳-۹۳)

قرآن میں آنے والے لفظ «العالمین» کے مختلف معنوں سے تحقیقی گفتگو کی ہے۔

۳ احمد حسین کمال

اشتراکی فتنے کا مقابلہ

(الفرقان ۶۰ ستمبر ۳۵-۳۰)

الفرقان ۶۰ اگست میں اشتراکیت کے خطرات سے متعلق مولانا محمد اسحق سندیلوی کا مضمون چھپا تھا موجودہ مقالہ اس کی ہم نوائی کر رہا ہے۔

۴ اسرار احمد

مذہب کا عقلیاتی تصور

(تعمیر انسانیت، لاہور۔ ۶۰ جولائی ۱۷-۲۰)

مذہبی عقائد کو تمامتر عقل کی کسوٹی پر کسنا غلط اور وجدانی ذریعہ علم سے کام لینا ضروری ہے۔

۵ اصلاحی، امین احسن

اسلامی قومیت کے عوامل

(میثاق ۶۰ جولائی اگست)

مذکورہ مضمون کی دوسری اور تیسری قسط۔

۶ اصلاحی، ضیاءالدین

خانۂ کعبہ کی اہمیت کے اسباب

(میثاق ۶۰ جولائی ۳۲ اگست، ستمبر)

خانہ کعبہ کی اہمیت کے اسباب تفصیل کے ساتھ۔ پہلی دوسری اور تیسری قسط

۷ امام الدین ابومحمد

ہندو مذہب کے بعض اہم اور مستند معلومات

(زندگی رام پور ۶۰ اگست ۱۲-۲۹)

تیسری قسط درج ہے۔

۸ امینی، محمد تقی

اجتہاد

(معارف ۶۰ جولائی اگست)

مذکورہ مضمون کی تیسری اور چوتھی قسط

۹ امینی، محمد تقی

فقہ کی جدید تدوین

(برہان ۶۰ ستمبر ۱۵۱-۱۶۴)

معاشرتی حالت اور ضبط وانگیز کے

تعلق کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ موجودہ حالت میں کس درجہ کی «تدوین» قابل قبول ہوسکتی ہے اور اس کا نقشہ کیا ہونا چاہئیے.

۱۰ بختیار کاکی محمد قطب‌الدین

بزم عرفان- شیخ منیر کے ایک الہامی مکتوب کا آزاد ترجمہ

(برہان ۶۰ جولائی ۲۶-۳۶)

شرف‌الدین احمد بن یحییٰ منیری کے ایک مکتوب کا آزاد ترجمہ ہے جس میں عقل کی کم اندیشیوں اور نفس کی خود فریبیوں پر روشنی ڈالی گئی ہے.

۱۱ چشتی عبدالحئی

اسلامی فکر میں وحدۃ الوجود کا نظریہ

(معارف ۶۰ جولائی ۵۹-۶۸)

معارف میں اس سے قبل اس عنوان سے ایک مقالہ چھپا تھا جس کی بحث سے موجودہ مقالہ نگار کے نزدیک غلطیوں کے پیدا ہونے کا امکان ہے انہیں کے ازالہ کی یہاں پہلی قسط درج ہے.

۱۲ چشتی عبدالحئی

اسلامی فکر میں وحدۃالوجود کا نظریہ

(معارف ۶۰ اگست ۱۴۷-۱۵۴)

دوسری قسط درج ہے.

۱۳ شمس پیر زادہ

امت کو وصیت

(زندگی رامپور ۶۰ ستمبر ۱۶-۲۱)

آن حضرت کی ایک نصیحت درج ہے کہ ان کے بعد لوگ اللہ کا تقویٰ اختیار کریں اور بدعات سے بچیں. اسی سے متعلق ضروری باتیں درج ہیں.

۱۴ شہیداللہ ڈاکٹر

حدیث کی صداقت

(چراغ راہ ۶۰ ستمبر ۱۶-۱۸)

حدیث کی صداقت کے لئے ثبوت بہم پہنچائے ہیں.

۱۵ صغیر احمد

قرآن اور علم جدید

(برہان ۶۰ ستمبر ۱۷۹-۱۸۶)

ڈاکٹر رفیع الدین کی کتاب «قرآن اور علم جدید» کا تعارف و تبصرہ درج ہے.

۱۶ عنایتی رفیع اللہ

اسلامی قانون -مولانا آزاد کی نظر

(برہان ۲۰ اگست ۱۱۷-۱۲۲)

اسلامی قانون سے متعلق مولانا آزاد کے خیالات پیش کئے ہیں.

۱۷ عبدالعلیم ڈاکٹر

البیان فی اعجازالقرآن

(معارف ۶۰ ستمبر ۲۱۹ ۲۲۰)

معارف بابت جون ۶۰ء میں خطابی کے «البیان فی اعجاز القرآن پر شائع شدہ تبصرہ سے متعلق چند معلومات درج ہیں.

۱۸ عبدالغفار حسن

معارف و مزامیر کا شرعی حکم

(میثاق ۶۰ جولائی ۲۲-۳۱)

گانے بجانے کی حلت کے خلاف اس کی حرمت کے سلسلے میں تیسری قسط درج ہے۔

۱۹ عتیق الرحمن سنبھلی

وصیت ابراہیمی

(الفرقان ۶۰ جولائی ۷-۱۰)

طریق ابراہیمی سے متعلق مختصر تذکرہ درج ہے۔

۲۰ فریدی نسیم احمد

تجلیات مجدد الف ثانی مکتوب کے آئینہ میں

(الفرقان ۶۰ جولائی ۱۹-۲۶)

۱۸۹ - ۱۹۴ خط درج ہیں۔ ان خطوط میں دینی اور مذہبی مسائل سے متعلق مجددالف ثانی کے خیالات درج ہیں۔

۲۱ فریدی، نسیم احمد

تجلیات مجدد الف ثانی — مکتوبات کے آئینے میں

(الفرقان ۶۰ اگست ۱۷-۲۶)

مذہبی مسائل سے متعلق مجدد الف ثانی کے آٹھ خطوں سے معلومات فراہم کی ہیں۔

۲۲ فریدی، نسیم احمد

تجلیات مجدد الف ثانی مکتوبات کے آئینے میں

(الفرقان ۶۰ ستمبر ۱۸-۲۷)

مختلف لوگوں کے نام سات خطوط ہیں جن میں مختلف دینی امور سے متعلق گفتگو کا ترجمہ و خلاصہ درج ہے۔

۲۳ قادری، سید احمد عروج

انسان کا اخلاقی وجود — مکارم اخلاق کی تکمیل

(زندگی رام پور ۶۰ ستمبر ۲۹-۴۷)

(۵۹ء ستمبر سے مسلسل) چھٹی قسط درج ہے۔

۲۴ کبیر احمد جائسی

حدیث نبوی اور مولانا عبدالسلام ندوی

(نگار جولائی ۶۰-۴۱-۴۸)

مولانا عبدالسلام ندوی نے انتقال سے کچھ دنوں پہلے حدیث نبوی سے متعلق ایک رسالہ مرتب کیا تھا جس میں حدیث نبوی سے متعلق انہوں نے اپنے افکار و خیالات کا اظہار کیا تھا۔ مضمون نگار نے اس رسالہ کا تعارف پیش کیا ہے۔

۲۵ منظور احسن عباسی

قرض وربا

(ثقافت لاہور ۶۰ اگست)

قرض وربا سے متعلق آیات و احادیث پر بحث کرنے کے بعد نتیجہ نکالا ہے کہ بنک انٹرسٹ ربا کے حدود میں نہیں آتا اس لئے وہ جائز ہے۔

۲۶ مودودی، ابوالاعلی

قرض و ربا - مذاکرہ سود [۲]

(ثقافت لاہور ۶۰ ستمبر)

نزول قرآن کے زمانہ میں تجارتی صنعتی، زراعتی اور ریاسی اغراض کے لئے قرض کا جو لین دین ہوتا تھا ان

کی نوعیت بیان کرنے کے بعد مختلف عقلی و نقلی دلیلوں سے ثابت کیا ہے کمرشیل انٹرسٹ بہر حال سود ہے اور ناجائز۔

۲۷ مودودی، سید ابوالاعلیٰ

سنت کی آئینی حیثیت

(ترجمان القرآن ۶۰ جولائی ۲۷-۵۵)

سنت کی آئینی حیثیت کے سلسلے میں ڈاکٹر عبدالودود (بزم طلوع اسلام) اور مولانا سید ابوالاعلی مودودی کی مراسلت درج ہے۔

۲۸ ندوی، فضل قدیر

ماں باپ اور اہل قرابت کا حق

(فیض الاسلام ۶۰ اگست ۱۳-۱۸)

ماں باپ اور اہل قرابت کے حقوق کے بیان میں تفسری و تشریحی معلومات

۲۹ ندوی، فضل قدیر

عہد اور قسم

(فیض سلام ۶۰ ستمبر ۱۳-۱۶)

عہد اور قسم سے متعلق تفسیر

۳۰ ندوی، مجیب اللہ

اسلامی قانون اور عرف دعادت

(معارف ۶۰ ستمبر ۱۶۵-۱۸۷)

اسلامی قانون اور رسم رواج کی نوعیت و اہمیت کسے بیاں کی پہلی قسط۔

۳۱ وحید الدین خاں

منزل کی طرف

(زندگی رام پور ۶۰ اگست ۳۰-۴۰)

آریہ سماج (الہ آباد) کی گولڈن جبلی کے موقع پر ۲۰ مئی سنہ ۶۰ء کو سرودھ سمیلن کے پروگرام کے لئے یہ مقالہ اس کی دعوت کے جواب میں لکھا گیا کہ «مانو وکاس کے لئے آپ کے ہی دھرم کو ماننا کیوں آوشیک ہے»

۳۲ ابو علی

الہلال مورخہ ۱۳، اگست سنہ ۱۹۱۳ کا اداریہ مشہد اکبر نمبر

اور مولانا سید سلیمان ندوی

(فاران کراچی ۶۰ ستمبر)

مختلف داخلی اور شہادتوں کو مدد سے ثابت کیا ہے کہ مذکورہ اداریہ سید سلیمان ندوی کا لکھا ہوا تھا

تذکرہ و سیرت نگاری

۳۳ ابولقاسم دلاوری

یحیی ابن فارس ساباطی

(تعمیر انسانیت، لاہور ۶۰ جولائی ۲۹-۳۲)

بتایا ہے کہ یحییٰ ساطی، جو خلیفہ معز کے دور خلافت میں مسیح موعود ہونے کا مدعی تھا، کس طرح شعبدوں سے لوگوں کو دھوکا دیا کرتا تھا۔

۳۴ ابوالقاسم دلاوری

مومن خاں اُچی

(تعمیر انسانیت، لاہور، ۶۰ اگست ۱۸-۲۰)

بابی پیشوا مومن خان اچی کے حالات
درج ہے

۳۵ ادارہ
حضرت نوفل بن حارث
(فیض الاسلام ۶۰ اگست ۲۹-۳۰)
ابو حارث نوفل کے مختصر حالات.

۳۶ ادارہ
مولانا رشید احمد گنگوہی
(فیض الاسلام ۶۰ اگست، ستمبر)
مضمون کی پانچویں اور چھٹی قسط
درج ہے.

۳۷ ادارہ
حضرت طلیب بن عمیر
(فیض الاسلام ۶۰ ستمبر ۲۵-۲۶)
ابو عدی طلیب بن عمیر کا مختصر
تذکرہ.

۳۸ ادارہ
مولانا مسعود عالم ندوی کے خطوط
(فاران کراچی ۶۰ اگست)
جناب وحید قیصر ندوی کے نام مولانا
مسعود عالم کے چار خطوط جو زیادہ تر
ذاتی نوعیت کے ہیں.

۳۹ اصلاحی، ضیاء الدین
امام ابن ماجه اور ان کی سنن
(معارف ۶۰ جولائی ۵۰-۵۸)
دوسری قسط درج ہے.

۴۰ اکمل یزدانی
مہسوں (پورنیه) میں قدیم صوفیاے کرام
کے مزارات
(اشارہ، پٹنه ۶۰ ستمبر ۳۷-۴۲)
مسہوں کے تین بزرگان دین حضرت
تقی الدین سہروردی مہسوی، شیخ سلیمان
مہسوی اور حضرت مخدوم حسین غریب
پوش کے حالات کا سرسری تذکرہ کیا
گیا ہے.

۴۱ انوار الحسن
مولانا ذو الفقار علی
(فیض الاسلام ۶۰ ستمبر ۳۳-۴۲)
مولانا محمود حسن عثمانی اسیر مالٹا
کے والد ماجد مولانا ذو الفقار علی عثمانی
کی مختصر سیرت اور کارناموں کا مختصر
تذکرہ ہے.

۴۲ خالد کمال (مرجم)
سمان محمد عبد الله
ابن موسیٰ خوارزمی
(برہان ۶۰ ستمبر ۱۷۳-۱۷۸)
سلیم الجبر کے موجد، بانی اور موسس
محمد بن موسیٰ بن شاکر خوارزمی کے
فضل و کمال کا تذکرہ درج ہے.

۴۳ سعید احمد، اکبر آبادی
مولانا مطلوب الرحمن عثمانی
(برہان ۶۰ اگست ۶۶-۶۸)
دیوبند کے مشہور عثمانی خاندان کے
لائق و فایق فرد زبردست عالم اور پاکباز
دیندار آدمی تھے. ۱۷ جولائی ۶۰ء کو
انتقال فرمایا.

۴۴ شفیقی عہدی پوری

لاوزی اور لاوزیت

(ثقافت لاہور ٦٠ ستمبر)

ایک چینی مفکر لاوزی کے حالات زندگی اور اس کے افکار کا تجزیہ .

۴۵ صابر عبدہ ابراہیم

خطیب اول ! سیدنا ابوبکر صدیق رضہ

(تعمیر انسانیت، لاہور ٦٠ اگست، ستمبر ١١ـ١٧ اور ٢٥ـ٢٨)

سیدنا ابوبکر صدیق رضہ کی اسلامی زندگی کا تفصیلی خاکہ پیش کیا ہے . (باقی)

۴٦ طالب محمد عباس

(نگار جولائی ٦٠ ، ٦٧ـ٧٠)

صوفی فلاسفہ

اسلام کے صوفی فلاسفر اور ان کے خیالات پر روشنی ڈالی ہے .

۴۷ طالب محمد عباس صفوی

(نگار ٦٠ ، اگست ١٣ـ١٦)

صوفی فلاسفہ

امام غزالی

امام غزالی کی شخصیت اور فکر و خیال پر اظہار خیال کیا ہے .

۴۸ طالب محمد عباس

صوفی فلاسفہ

(نگار ٦٠ ، دسمبر ٣٨ـ٣٩)

شیخ المقتول کے متصوفانہ خیالات پر اظہار خیال کیا ہے .

۴۹ عبدالحق ، ڈاکٹر

(قومی زبان ٦٠ ، اگست ٥ـ٦)

یادوں کے چراغ

ایام طالب علمی سے متعلق مختلف یادوں کا ذکر کیا ہے .

٥٠ عبدالقوی دسنوی

(مہر نیمروز ٦٠ ، اگست ١٠ـ٣٠)

حیات سلیمان کی چند جھلکیاں

علامہ سید سلیمان ندوی کی حیات سے متعلق اپنی معلومات کا اظہار کیا ہے .

٥١ غوری ، شبیر احمد

(ثقافت لاہور ٦٠ ، اگست)

فارابی کے سیاسی افکار

فارابی کے عہد کا تاریخی پس منظر پیش کرنے کے بعد اس کے سیاسی افکار کا تجزیہ کیا ہے .

٥٢ غوری، شبیر احمد

(معارف ٦٠ ، ستمبر ٨٨ـ٢٠٠)

البیرونی کی یادگار جلد پر ایک نظر

دوسری اور آخری قسط ہے .

٥٣ فاضل زیدی

تحقیق خاندان داغ

(پگڈنڈی امرتسر ٦٠ ستمبر ،)

لاڈلی بیگم داغ کی صاحبزادی (بیگم نواب سائل) کے بیانات کی روشنی میں خاندان داغ کے متعلق معلومات فراہم گئے ہیں .

٥۴ فرحت اللہ بیگ

(پگڈنڈی امرتسر ۶۰ء اگست ۱۵-۱۸)

میری داستان

مرزا فرحت اللہ بیگ کی غیر مطبوعہ خود نوشت سوانح عمری کا ایک ورق. اس حصہ میں گلبرگہ کی سیشن ججی کا تذکرہ ہے.

۵۵ قاضی اطہر

امام ابوموسیٰ اسرائیل بن موسیٰ بصری ہندی

(معارف ۶۰ء اگست ۱۱۹-۱۳۲)

ان کا نام اسرائیل تھا اور ان کے والد کا نام موسیٰ تھا مگر باپ کی کنیت سے مشہور ہیں. صاحب الحسن ہندی کے لقب سے بھی کتابوں میں ذکر آتا ہے. تبع تابعین میں سے ہیں اور زبردست عالم و محدث تھے.

۵۶ قاضی اطہر

امام ابوموسیٰ اسرائیل بن موسیٰ بصری ہندی

(معارف ۶۰ء ستمبر ۲۱۱-۸۱۲)

دوسری قسط درج ہے.

۵۷ ماہ منیر خاں

شیر شاہ

(اشارہ پٹنہ ۶۰ء ستمبر ۳۳-۳۵)

حالات زندگی اور کارناموں کا مختصراً تذکرہ کیا گیا ہے.

۵۸ ندوی، سید سلیمان

مکاتیب سلیمانی بنام مولانا ظفر احمد عثمانی

(معارف ۶۰ء جولائی ۶۹-۷۶)

دوسری قسط ہے جس میں چھ خط ہیں. ان میں بھوپال اور تھانہ بھون وغیرہ سے متعلق معلومات ملتی ہیں.

۵۹ ندوی، سید سلیمان

مکاتیب مولانا سید سلیمان ندوی بنام مولوی ابوالکمال سید عبدالحکیم دیسنوی

(معارف ۲۲۲-۲۳۲)

آٹھ خط ہیں. ان میں خانگی زندگی کے علاوہ دارالمصنفین، ندوہ وغیرہ سے متعلق معلومات ملتی ہیں.

۶۰ وحید قیصر ندوی

حضرت شاہ علی بغدادی

(ثقافت لاہور ۶۰ اگست)

حضرت شاہ علی بغدادی کے حالات زندگی جو سولھویں صدی عیسوی میں بنگال میں آکر آباد ہو گئے اور تبلیغ دین فرماتے رہے.

۶۱ یوسف، محمد

ابن خلدون

(فاران کراچی ۶۰ ستمبر)

ابن خلدون کے حالات زندگی اور اس کی سیاسی و علمی خدمات کا تذکرہ

تاریخ و سیاسیات

۶۲ برہم ناتھ دت

نپولین اعظم ــــ ایک عظیم فاتح

(فیض الاسلام ۶۰ ء اگست ۴۱-۴۹)

چوتھی قسط درج ہے۔

۶۳ تمکین مہر افروز

الجزائر

(چراغ راہ ۶۰ ء ستمبر ۱۹-۲۲)

جنگ آزادی کی چند جھلکیاں پیش کی ہیں۔

۶۴ ثروت خاں

ممالک اسلامیہ میں شہروں کا ارتقاء

(چراغ راہ ۶۰ ستمبر ۷-۱۵)

اسلامی ممالک کے شہروں سے متعلق اعداد و شمار وغیرہ فراہم کئے ہیں۔

۶۵ خلیق احمد نظامی

عہد اورنگ زیب کی ایک اہم تاریخی دستاویز

(نگار ۶۰ ستمبر ۶-۱۶)

عہد اورنگ زیب کے فرانسیسی سیاح برنئیے کے تاثرات پیش کئے ہیں۔

۶۶ شام لعل

گولکنڈہ کے ہیرے

(ہندوستانی ادب، حیدرآباد ۶۰ جولائی ۱۷-۲۰)

ہیرے کی کانوں، تجارت اور مشہور ہیروں کے بارے میں مختصر، تحقیقی مقالہ ہے۔ (ماخوذ از آندھرا پردیش)

۶۷ عابد، سید امیر حسن ڈاکٹر

آج کے ایران کا سماجی اور انقلابی ادب

(صبا، آزادی نمبر ۱۴-۲۲)

جدید ایران کے سماجی اور انقلابی ادب کا جائزہ پیش کیا ہے۔

۶۸ غوری بشیر احمد خاں

بیروی یادگار جلد پر ایک نظر

(معاف ۶۰ اگست ۱۰۶)

البیرونی کی ہزار سالہ جوبلی کے موقع پر شائع ہونے والی یادگار جلد کے مسامحات سے بحث کی ہے۔ (جاری)

۶۹ فارق خورشید احمد

تاریخ الردة

(برہان ۶۰ جولائی اگست ستمبر)

مضمون کی دسویں، گیارہویں اور بارہویں قسط۔

۷۰ قاضی اطہر

ہندوستان اور عرب کے قدیم علمی اور ثقافتی تعلقات

(ہندوستانی ادب، حیدرآباد، ۶۰ جولائی اگست ۹ سے ۱۶ اور ۹ سے ۱۳)

حال ہی میں حکومت کویت نے قاضی رشید ابن زبیر کی نایاب کتاب «الذخائر والتحف» شائع کی ہے۔ مضمون نگار نے اس کتاب سے اقتباسات پیش کرتے ہوئے ہندوستان اور اسلامی عرب کے قدیم علمی اور ثقافتی تعلقات پر روشنی ڈالی ہے۔ ماخوذ از معارف

۷۱ محمد عاصم

ارض القرآن کا سفر

(ترجمان القرآن ۶۰ جولائی ۵۶-۶۴)

۲ - بحرین سے جز تک کے سفر کے

حالات درج ہیں۔

۷۲ محمد عاصم

ارض القرآن کا سفر

(ترجمان القرآن ۶۰ ستمبر ۳۳-۵۱)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور ان کے ساتھیوں کے سفر حج کے کوائف کی چوتھی جلد ہے جو ریاض سے متعلق ہے۔

۷۳ نذیر احمد

نادر العصر استاد احمد معمار تاج محل کے خاندان کے مصنفین کے مخطوطے علی گڑھ میں

(اورینٹل کالج ۶۰ مئی ۱-۹)

استاد احمد معمار تاج کے خاندان کے مضفین کے مخطوطوں کا تعارف پیش کیا ہے جو علی گڑھ میں موجود ہیں۔

۷۴ نذیر احمد

محمود شاہ تغلق کے ایک فرمان کی بابت آزاد بلگرامی کی شہادت

(فکر و نظر، علی گڑھ، ۰ جولائی ۸۵ - ۹۶)

محمود شاہ تغلق کے ایک فرمان کی بابت «ماثرالکرام» سے آزاد بلگرامی کی شہادت پیش کرتے ہوئے اس سے تاریخی نتائج اخذ کئے ہیں۔

۷۵ نذیر احمد

فرقۂ نقطوی پر ایک طائرانہ نظر

(فکر و نظر علی گڈھ ۶۰ جولائی ۳۳ - ۵۸)

محمود پسیخانی نے ۸۰۰ھ میں نقطوی مذھب کی بنیـــاد ایران میں ڈالی۔ یہ مذہب ایران اور ہندوستان کی بعض اہم تحریکوں پر اثر انداز ہوا ھے۔ مضمون نگار نے اس مذہب کا مختصر تحقیقی جائزہ لیا ہے۔

تنقید ادب لسانیات

۷۶ ابوللیث صدیقی

حضرت احسن مارہروی کا علمی ذوق

(قومی زبان، ۶۰ اگست ۱۰ - ۱۳)

احسن مارھروی کے علمی ذوق پر روشنی ڈالی ھے۔

۷۷ احراز نقوی

اختر شہنشاھی

(سب رس، حیدرآباد ۶۰ جولائی ۶ - ۱۰)

اختر شہنشاھی انیسویں صدی کی اردو صحافت پر ایک نادر کتاب ھے۔ مضمون نگار نے کتاب اور اس کے مصنف اشرف نقوی کا تعارف کراتے ہوئے کتاب کی اہمیت بتائی ھے۔

۷۸ اختر علی تلہری

بیخود موھانی مرحوم کی غزلیں

(فروغ اردو ۶۰ ستمبر ۱۷ - ۲۵)

بیخود کی غزل گوئی کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا گیا ھے کہ انھوں نے اپنی شاعری کے

نغمے انھیں بولوں میں ترتیب دئے ھیں جو اردو زبان ہی خاصے کی چیزیں ھیں۔

۷۹ ادارہ

طرزی نمبر

(فروغ اردو لکھنؤ ، جولائی ، اگست ، ۶۰ء)

خان محبوب طرزی کے فن اور زندگی پر مختلف ادیبوں نے روشنی ڈالی ھے۔

۸۰ ارشد کاکوی

مکتوبات نیاز

(ندیم ڈھاکہ ، ۶۰ء ستمبر ۴۱ ـ ۵۱)

مکتوب نگاری پر روشنی ڈالتے ھوئے نیاز کے مکتوبات کا جائزہ لیا گیا ھے۔

۸۱ اسحاق ایوبی

ملیالم کا ادب

(ہندوستانی ادب ، حیدرآباد ، ۶۰ء جولائی ۲۱ ـ ۲۳)

ملیالم ادب کے دورِ جدید کے ادیبوں اور موپلے مسلمانوں کے ادب کا سرسری تعارف کرایا ھے۔

۸۲ اسلوب احمد

فکر اقبال

(فکر و نظر ، علی گڈھ ، ۶۰ء جولائی ۱۰۱ ـ ۱۱۶)

خلیفہ عبدالحکیم کی کتاب فکر اقبال پر تبصرہ۔

۸۳ اشرف علی

گنج خوبی ـ مولفہ میر امن

(قومی زبان، ۶۰ء اگست ۲۶ ـ ۳۸)

میر امن کی ایک نایاب تصنیف «گنج خوبی» کا تعارف ہے ـ جو ملا واعظ کاشفی کی مشہور فارسی کتاب اخلاقِ محسنی کا کامیاب اردو ترجمہ ھے

۸۴ اکبر الدین صدیقی

جگر کی عظمت

(سب رس حیدر آباد ، ۶۰ ستمبر ۵ـ۶)

جگر کی عظمت و بزرگی کا اعتراف کیا ہے۔

۸۵ اکبر علی

غالب کا ایک شعر

(مہر نیمروز ۶۰ جولائی ۲۴)

غالب کے شعر

تھیں بنات النعش گردوں دن کے پردے میں نہاں ، الخ کی تشریح پیش کی ہے۔

۸۶ امجد الطاف

ہمارے رومانی انشاء پرداز

(قومی زبان کراچی ۶۰ ستمبر ۲۲ـ۲۷)

یہ مضمون اردو کے رومانی انشاء پرداز (Essayist) کا ایک مطالعہ ہے۔

۸۷ امرت رائے

ہئیت اور مواد

(صبا آزادی نمبر ۷ـ۱۰)

فن پاروں میں مواد اور ہئیت پر اظہار خیال کیا ہے۔

۸۸ پیٹر ایولوی

اقبال اور تصوف ایران

(قومی آواز کراچی ۶۰ جولائی ۱۵ـ۱۷)

اس مضمون میں اقبال کے کلام میں تصوف پر بحث کرتے ہوئے بتایا گیا ہے

که اقبال نے صرف ایران کے بڑے بڑے صوفیوں کے فلسفۂ محبت کی تعبیر و توضیح و تشہیر نہیں کی بلکہ وہ آج کی دنیا میں مذہب کی قوت اور اثر کے بڑے بڑے حامیوں میں سے تھے۔

۸۹ تبسم کاشمیری

سنه ۱۸۸۷ء کی دو ڈرامه کمپنیاں

لاہور میں

(قومی زبان ٦٠ جولائی ۱۲-۱٤)

لاہور کی قدیم دو ڈرامه کمپنیوں کا تعارف پیش کیا ہے۔

۹۰ تبسم کاشمیری

سر سید احمد خان کے دو خط

(قومی زبان کراچی ٦٠ ستمبر، اکتوبر ۱۳-۱۵)

سنه ۱۸۹۳ء اور ۱۸۹۴ء کو لاہور کے دو اخبار «وفا دار» اور «ملاں دو پیازہ» میں سر سید کے دو خط شائع ہوئے تھے۔ مضمون نگار نے ان خطوں کو منظر عام پر پیش کیا ہے۔

۹۱ تقی سید محمد

آزاد: تہذیب کہن کا عکاس

(ماہ نو کراچی ٦٠ جولائی ۱۷-۱۸)

آزاد کے ادب کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے که اس نے ماضی کے تہذیبی و ثقافتی ورثه اور ادبی روایات کے ساتھ ساتھ حال اور مستقبل کے ادبی رجحانات کو زندگی کے متغیر تقاضوں سے ہم آہنگ کیا ہے۔

۹۲ جعفر طاہر

حالی جادو بیان

(قومی زبان کراچی ٦٠ جولائی ۹-۱۱)

مضمون نگار نے حالی کی زندگی و شاعری کا سرسری جائزہ پیش کیا ہے۔

۹۳ جعفر طاہر

محمد حسین آزاد

(قومی زبان ٦٠ جولائی ۱۵-۱۷)

محمد حسین آزاد کی حیات اور ان کی شاعری پر اظہار خیال کیا ہے۔

۹۴ جعفر طاہر

شعلۂ مستعجل —

منصور احمد ندیم

(قومی زبان ٦٠ اگست ۱۸-۱۹)

منصور احمد ندیم کے مختصر حالات زندگی اور انتخاب کلام پیش کیا ہے۔

۹۵ جعفر طاہر

ایک خوش گو شاعر —

میاں محمد شاہ دین ہمایوں

(قومی زبان ٦٠ اگست۳٦-۲۱)

شاہ دین ہمایوں کے مختصراً حالات زندگی اور کلام کا نمونه پیش کیا ہے۔

۹٦ جعفر طاہر

آغا حشر کی شاعری

(قومی زبان کراچی ٦٠ ستمبر ۱۱-۱۲)

حشر کی زندگی و شاعری مختصر سا مضمون ہے

۹۷ حمید عظیم آبادی
شاد کی ایک غزل
(مہر نیمروز ۶۰ جولائی ۱۷-۲۳)
شاد کی ایک غزل کی تشریح پیش کی ہے۔

۹۸ حمید الدین شاھد
لچھمی نارائن شفیق اور انکی مثنوی تصویر جاناں
(سب رس، ۶۰ حیدر آباد ۷-۱۵)
لچھمی نارائن شفیق کا تعارف کراتے ہوئے ان کی مثنوی تصویر جاناں پر تبصرہ کیا ہے

۹۹ خلیق احمد
نہج البلاغة
(فکر و نظر علی گڈھ۔ ۶۰ جولائی ۱۰۵-۱۰۸)
نہج البلاغة کا ایک نسخہ جو ۵۳۸ ھ میں نقل کیا گیا ہے، مسلم یونیورسٹی کے کتب خانے میں موجود ہے۔ مضمون نگار نے کتاب اور جامع کتاب کا تعارف کرایا ہے۔

۱۰۰ راز یزدانی
اردو داستانوں پر کام کا تجزیہ اور تبصرہ
(اجکل دہلی ۶۰ ۳۷-۳٤)
خواجہ عبدالرؤف عشرت کا مضمون «لکھنؤ کی داستان گوئی» تاریخ ادب اردو (سکسینہ) ہماری داستانیں (وقار عظیم) فن داستان گوئی (کلیم الدین) اردو کی نثری داستانیں (گیان چند) کا تجزیہ اور تبصرہ کیا گیا ہے۔

۱۰۱ رخشاں ابدالی
حضرت احقر بہاری
(مہر نیمروز ۱۹۶۰گست ۳۵)
احقر بہاری کی شاعری کا تعارف پیش کیا ہے۔

۱۰۲ رشید حسن خاں
فیض کی شاعری
(آجکل دہلی ۶۰، ستمبر ۳-۱۱)
فیض کی شاعری کے محاسن کا اعتراف کرتے ہوئے بعض خامیوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۰۳ رضا قاسم مختار
عظیم آباد کا شاعر اکبر آبادی مشہور ہوگیا۔
(اشارہ پٹنہ ۶۰، ستمبر ۱۵-۱۹)
نظیر اکبر آبادی کی پیدائش عظیم آباد میں ہوئی تھی۔ حالات مختصراً پیش کراتے ہوئے ان کے مذہبی خیالات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۰۴ رغیب حسین
سیستان کا مشہور قصیدہ گو شاعر فرخی سیستانی
(برہان ۶۰ اگست ۱۰۳-۱۰۷)
حیات و کلام سے متعلق مختصر گفتگو۔

۱۰۵ رفعت جاوید
ہماری قومی شاعری کے تیور
(ماہ نو کراچی، ۶۰، اگست ۱۰-۱۵)
پاکستان کی قومی شاعری کا جائزہ پیش کیا ہے۔

۱۰۶ رونق جودھپوری
بیخود بدایونی
(جام نو کراچی ۶۰ جولائی ۱۵-۱۶)

عبدالحی بیخود بدایونی کے مختصر حالات زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کے کلام کے نمونے بھی پیش کئے گئے ہیں۔

۱۰۷ سلامت اللہ

مولانا محمد اسماعیل بچوں کے ادیب کی حیثیت سے

(آجکل دہلی - ۶۰ جولائی ۳۵-۳۷)

مولانا نے سب سے پہلے بچوں کے ادب کو ایک مخصوص صنف ادب کا درجہ عطا کیا اسے اپنی ذہنی صلاحیت اور فنی مہارت کے شایان شان گردانا اور اس میں اپنی ذات کو پورے خلوص اور لگن کے ساتھ کھپایا۔

۱۰۸ شاہد جمیل

خواجہ بندہ نواز گیسو دراز

(ماہ نو کراچی ۶۰ جولائی ۱۹-۲۲)

سید محمد گیسو دراز نے ہندوستانی مسلمانوں کے لئے جو ارشادات و تعلیمات پیش کی ہیں اور زبانِ اردو کی تدوین میں ان کا جو حصہ ہے اس پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

۱۰۹ شبنم رومانی

اعتبارالملک حضرت دل شاہجہانپوری

(مہر نیمروز ۶۰ جولائی ۲۶-۲۸)

دل شاہجہانپوری سے متعلق مختلف آراء کے تاثرات مرتب ہو گئے ہیں۔

۱۱۰ طیبہ خاتون

مرثیے اور دبیر کی مرثیہ گوئی

(صبح نو پٹنہ ۶۰ ستمبر اکتوبر ۹-۱۶)

اردو میں مرثیہ کی تاریخ پیش کرتے ہوئے انیس کی شاعرانہ خوبیوں کو واضح کیا گیا ہے۔

۱۱۱ ظفر احمد صدیقی

ادب اور نفسیات

(فکرو نظر علی گڑھ، ۶۰ جولائی ۵۹-۸۳)

ادب اور نفسیات کے تعلق اور ان کے باہمی استفادہ کے امکانات پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۱۲ عابد رضا بیدار

جدید اردو شاعری کی منفرد آوازیں

(شاعر بمبئی ۶۰ ستمبر ۱۳-۲۵)

تمہیداً کچھ ایسے شاعروں کا تعارف کرایا ہے جو اردو شاعری میں اپنی شخصیت کی چھاپ رکھتے ہیں اور اس کے بعد پانچ جدید شاعروں کے چیدہ اشعار پیش کرکے قارئین کو دعوت فکر دی ہے کہ ان شاعروں کے نام بتائیں۔

۱۱۳ عابد سید عابد علی

ادب کی سماجی ذمہ داریاں

(قومی زبان کراچی ستمبر اکتوبر ۶۰)

مضمون نگار نے اپنے مضمون میں یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ ہر ادیب کو اپنے ادب میں صحت مند معاشرتی کوائف کی ترجمانی کرنا چاہئے۔

۱۱۴ عابد نظامی

اقبال کے سرچشمہ ہائے فیض

(تعمیر انسانیت لاہور ۶۰ جولائی ۲۱ ـ ۲۲)

اقبال نے قرآنِ حکیم، سنت رسول، مولانا روم، حکیم سنائی، سعدالدین محمود شبستری، مولانا سید میر حسن، چند ہم عصر مشائخ اور حکمائے مغرب سے اکتساب فیض کیا ہے۔

۱۱۵ عبدالحق

حضرت احسن مارہروی مرحوم

(قومی زبان ۶۰ اگست ۹ ـ ۱۰)

مولانا کی ادبی خدمات پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۱۶ عبدالحمید فاروقی ڈاکٹر

جدید ایرانی شاعری میں اشتراکیت

(نگار ۶۰ جولائی ۴۹ـ۶۰)

جدید ایرانی شاعری میں اشتراکیت کے اثرات کا جائزہ لیا ہے۔

۱۱۷ عبداللہ سید

آتش خنداں

(ادب لطیف لاہور ۶۰ ستمبر ۶ ـ ۱۲)

ایک تیموری شہزادہ لبیب تیموری کے دیوان آتش خنداں کا تعارف کراتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ اس کی شاعری کے صوفیانہ داخلیت اور زبان کی تہذیب خاص عناصر ہیں۔

۱۱۸ عتیق صدیقی

اکمل الاخبار

(آجکل دہلی ۶۰ ستمبر ۲۷ ـ ۳۱)

۱۸۶۶ء میں یہ اخبار دہلی سے جاری ہوا تھا اس کے مالک اور روح رواں حکیم محمود احمد خاں تھے۔ یکم جنوری ۱۸۶۸ء کے شمارے سے اقتباس اور دلچسپ خبریں پیش کی گئی ہیں۔

۱۱۹ عزیز زبیدی

حدیث مصطفےٰ اور اقبال

(فاران کراچی، ۶۰ جولائی، اگست ۱ و ۲)

اقبال کے کلام سے ثابت کیا ہے کہ اقبال منکر حدیث نہ تھے۔ بلکہ ان کے افکار کا سرچشمہ قرآن کے بعد حدیث ہی ہے۔

۱۲۰ غلام حسین ذوالفقار

اردو شاعری کا سیاسی پس منظر

(دلی کی آخری بزم)

(ادب لطیف لاہور ۶۰ اگست ۶ ـ ۲۶)

بزم آخر کا ماحول، بزم آخر اور اردو شاعری، عظمت رفتہ کا احساس، سیاسی ماحول کی ترجمانی، اجتماعی بیداری کے اثرات، معاشرتی روابط، معاشرتی اختلافات وسیع المشربی اور انسان دوستی کی تعلیم پہلوؤں پر شاعروں کے کلام کی مدد سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۲۱ غلام مصطفےٰ خان

نکات احسن

(مہر نیمروز ۶۰ ستمبر ۱۵ ـ ۲۰)

زبان کے مختلف نکات پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۲۲ غلام مصطفےٰ منما

نظام اردو کی تشریح اضافہ و تحقیق کے ساتھ

(فاران کراچی ، ۶۰ ستمبر)

آرزو لکھنوی کے رسالہ نظام اردو کا تعارف ضروری تشریحات کے ساتھ

۱۲۳ فائق کلب علی خان

آبرو

(اورینٹل کالج میگزین ، ۶۰ مئی ۱۔۳۶)

مختلف تذکروں کی روشنی میں شاہ مبارک آبرو کے حالات پیش کئے ہیں۔

۱۲۴ فائق کلب علی خان

آبرو

(اورینٹل کالج میگزین ۶۰ اگست ۳۷۔۱۱۶)

شاہ مبارک آبرو کے کلام کا مختصر انتخاب پیش کیا ہے۔

۱۲۵ فیض احمد فیض

کلچر اور ادب

(قومی زبان ۶۰ اگست ۷۔۸)

ادب اور کلچر کے رشتہ پر اظہار خیال کیا ہے۔

۱۲۶ قاضی عبد الودود

اخبار الاخیار مظفر پور اور سید احمد خاں

(فکر و نظر علی گڑھ ۶۰ جولائی ۲۴۔۳۱)

اخبار الاخیار سائنٹفیک سوسائٹی صوبہ بہار کا پانزدہ روزہ اخبار تھا۔ اس کے چند شمارے کتبخانۂ ادارۂ تحقیقات اردو پٹنہ کی نمائش کے لئے مستعار دئے گئے تھے۔ مضمون نگار نے ان کا مطالعہ کرنے کے بعد وہ چیزیں پیش کی ہیں جن کا تعلق سر سید احمد خاں سے ہے۔

۱۲۷ قریشی عبد الرزاق

مرزا مظہر جان جاناں کی فارسی شاعری

(معارف ۶۰ جولائی ۴۰۔۴۹)

دوسری قسط درج ہے۔

۱۲۸ قیصر بھارتی

خان محبوب طرزی کے ناول

(پگڈنڈی امرتسر ۶۰ ستمبر ۲۲۔۲۴)

خان محبوب طرزی کے ناولوں کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔

۱۲۹ مالک رام

غالب کی فارسی تصانیف

(نگار ۶۰ جولائی ۹۸۔۱۰۶)

غالب کی نظم و نثر کی فارسی تصانیف کا تعارف پیش کیا ہے۔

۱۳۰ مالک رام

گل رعنا

(نگار ۶۰ جولائی ۲۳۔۴۰)

غالب نے اپنے قیام کلکتہ میں جو فارسی کلام کا انتخاب کیا تھا اس کا تعارف پیش کیا ہے۔

۱۳۱ محمد احمد جیلانی

بے باک شاہجہاں پوری

(آجکل دہلی ۶۰ ستمبر ۳۳۔۳۴)

سید حسین احمد میاں بے باک کے حالات زندگی اور انتخاب کلام پیش

کئے گئے ہیں۔

۱۳۲ محمد احمد صدیقی

سرود زندگی پر نظر باز گشت

(جام نو کراچی، ۶۰ آزادی نمبر ۳۱-۳۶)

مضمون کی پہلی قسط جس میں «اصغر کا مسلک شعری» اور «رنگ سخن» سے بحث کی گئی ہے۔

۱۳۳ محمد حسنین، ڈاکٹر

تحریر اور ادب میں اس کی صنفی حیثیت

(نگار ۶۰ اگست ۶-۱۲)

تحریر اور ادب میں اس کی صنفی حیثیت پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۳۴ محمد صادق ڈاکٹر

آزاد بحیثیت انشا پرداز

(ماہ نو کراچی ۶۰ جولائی ۹-۱۶)

مصنف نے مولانا محمد حسین آزاد کی انشاپردازی پر قلم اٹھایا ہے۔

۱۳۵ محی الدین قادری زور

علامہ اقبال اور حیدر آباد

(سب رس، حیدرآباد، ۶۰ جولائی ۳-۵)

اقبال اور حیدر آباد کے باہمی تعلقات کے بعض اہم اور تاریک گوشوں کو اجاگر کیا ہے۔

۱۳۶ محی الدین قادری زور

دیوان شرف

(سب رس حیدرآباد، ۶۰ اگست ۴-۶)

آغا حجو شرف کے دو قلمی دیوانوں کا تعارف کراتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ شرف کا مطبوعہ دیوان کئی دیوانوں کو ایک جگہ کر کے چھاپا گیا ہے۔

۱۳۷ محی الدین قادری زور

حضرت جگر مرادا بادی،

(سب رس حیدرآباد، ۶۰ ستمبر ۳-۴)

ڈاکٹر زور کے تاثرات جو جگر کی وفات کے فوری بعد آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہوئے

۱۳۸ مسعود احمد

حضرت غمگین شاہ جہاں آبادی

(برہان ۶۰ جولائی ۴۵-۶۰)

تیسری اور آخری قسط ہے اس میں غمگین سے غالب کے تعلقات و شاگردی اور غمگین کے دواوین کا مختصر تذکرہ درج ہے۔

۱۳۹ مشتاق حسین

اردو کا ایک قدیم غیر ملکی مصنف

(ندیم ڈھاکا ۶۰ اگست ۵۵-۶۰)

جیمز کار کرن نامی ایک غیر ملکی صدر عدالت فورٹ ولیم کلکتہ میں اردو مترجم کی خدمات انجام دیتا تھا۔ یہ شخص نہ صرف مترجم تھا بلکہ مصنف بھی تھا۔ لیکن اردو ادب کے تذکروں اور تاریخوں میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ نثر اور نظم کے نمونے پیش کئے گئے ہیں

۱۴۰ مظفر ملک

ڈاکٹر اقبال بحیثیت مرثیہ گو

(ثقافت لاہور ۶۰ ستمبر)

مرثیہ کے محرکات اور اقبال کے اجتماعی

و ملی مرثیوں کا تجزیہ۔

١٤١ مغنی تبسم

کلاسکیت

(سب رس، حیدرآباد ٦٠ ستمبر ١٢-١٥)

کلاسکی ادب سے متعلق مختلف تاریخی ادوار کے مختلف تصورات کو سمجھایا ہے۔

١٤٢ مفتوں کوٹوی

چکسبت لکھنوی اور ان کی شاعری

(فروغ اردو لکھنؤ ٦٠ء ستمبر ٣١-٣٧)

چکسبت نے غزل کو نئے لب لہجہ نئے انداز بیان نئے اسلوب اور نئے موضوع سے آشنا کیا ہے مختصراً ان کی شعری خوبیوں کو پیش کیا گیا ہے۔

١٤٣ مناظر حسین

اردو غزل کا مستقبل

(جام نو کراچی ٦٠ جولائی ١١-١٣)

غزل کے جدید رجحانات کے پیش نظر غالب کے بعد جو خلا پیدا ہوا ہے اس کے پر ہونے کی مستقبل قریب میں کوئی صورت نہیں ہے لیکن غزل کے ختم ہو جانے کے اندیشے درست نہیں۔

١٤٤ مناظر حسین

ناول کے فن کا جائزہ

(جام نو کراچی ٦٠ آزادی نمبر ٢٣-٢٦)

ناول کے فن سے بحث کی گئی ہے۔

١٤٥ منظر حسن دسنوی

ادب میں ڈرامے کا مقام

(شاعر، بمبی ٦٠ ستمبر ٢٦-٢٨)

مختلف ناقدانِ ادب و ماہرینِ نفسیات کے حوالوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسٹیج کے ڈرامے خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں کے لئے ہوتے ہیں جو فنون لطیفہ کی اعلیٰ قسموں سے محفوظ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

١٤٦ میر ہاشم

یاس یگانہ چنگیزی (ایک جائزہ)

(نگار ٦٠ جولائی ٧١-٧٤)

یاس یگانہ چنگیزی کی شاعری پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔

١٤٧ نادم سیتا پوری

غالب کے متعلق چند غیر معروف روایات

(صبح نو پٹنہ ٦٠ ستمبر اکتوبر ١٩-٢٢)

غالب سے متعلق چند روایات جو عام طور سے کتابوں میں نظر نہیں آتیں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

١٤٨ ندوی سید حسن مثنیٰ

نواب امداد امام اثر

(مہر نیمروز ٦٠ اگست ٣١-٣٣)

امداد امام اثر کی علمی خدمات کا ذکر اور مختصراً حالات پیش کئے ہیں۔

١٤٩ ندوی سید حسن مثنیٰ

مولانا احسن مارہروی

(مہر نیمروز ٦٠ ستمبر ٩-١٤)

مولانا کی شخصیت اور ادبی خدمات پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۵۰ نذیر احمد

تذکرۂ خلاصۃ الاشعار اور عرفی و نظیری کے مختلف دور کی زندگی اور کلام پر ایک نظر

(معارف ۶۰ اگست ۱۳۳-۱۴۶)

تذکرۂ خلاصۃ الاشعار سے متعلق مختصر گفتگو کرتے ہوئے اس کی روشنی میں عرفی و نظیری کے ادوار کی زندگی اور کلام پر روشنی ڈالی ہے۔ (جاری)

۱۵۱ نذیر احمد

تذکرۂ خلاصۃ الاشعار اور عرفی و نظیری کے مختلف دور کی زندگی اور کلام پر ایک نظر

(معارف ۶۰ ستمبر ۲۰۱-۲۱۰)

۲ - دوسری قسط درج ہے۔

۱۵۲ نظر محمد انصاراللہ

غالب، ذوق اور ناسخ

(نگار ۶۰ جولائی ۶۱-۶۶)

غالب، ذوق اور ناسخ سے متعلق مشہور لطائف کی صحت پر اظہار خیال کیا ہے۔

۱۵۳ نظر محمد انصاراللہ

ذوق کا استاد کون تھا؟

(نگار ۶۰ اگست ۲۰-۳۶)

مختلف تذکروں کی روشنی میں ذوق کے استاد پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۵۴ نظر انصاراللہ

قصائد ذوق

(پگڈنڈی، ۶۰ جولائی ۱۶-۲۰)

یہ امر مسلم ہے کہ ذوق کے کلام میں تصرف ہوا ہے۔ دیوان ذوق مرتبہ آزاد میں کثرت سے تبدیلیاں ملتی ہیں۔ ان کی بنیاد پر ذوق کے متعلق یا اس زمانہ کے بارے میں ہم جو رائے بھی قائم کریں اس کا ہمیشہ صحیح ہونا ضروی نہیں۔

۱۵۵ تقی احمد ارشاد

اردو کی چمن بندی میں طائفہ داروں کا ہاتھ

(شاعر بمبئی ۶۰ ستمبر ۲۹-۳۶)

درباروں میں طائفہ داروں کی رسائی اور اردو ادب پر ان کے اثرات بتاتے ہوئے بعض طوائفوں کے حالات اور کلام کے نمونے پیش کئے ہیں۔

۱۵۶ نہال حسن رضوی

خلیل جبران خلیل، ایک جائزہ

(نگار ۶۰ اگست ۱۷-۱۹)

عربی کے مشہور صاحب طرز ادیب خلیل جبران کی حیات اور کارناموں پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۵۷ وحید اختر

جگر — غزل کا ایک دور

(سب رس، حیدرآباد ۶۰ ستمبر ۷-۹)

جگر کی شاعری اور شخصیت سے متعلق اپنے تاثرات پیش کئے ہیں۔

۱۵۸ وقار احمد

مثنوی «قول غمین»

(نگار ۶۰ جولائی ۷۵-۸۱)

قولِ غمیں اور مومن کی دوسری مثنویوں پر خیالات کا اظہار کیا ہے۔

۱۵۹ ہارون خاں شیروانی

سر سید کے تین غیر مطبوعہ خطوط

(فکر و نظر علی گڑھ ۶۰ جولائی ۱۰۱-۱۰۴)

سرسید کے تین خط جو محمد سعید خاں مرحوم کے نام ہیں نواب مقصود جنگ سے حاصل کئے گئے ہیں۔ ان خطوں کی نقلیں پیش کی ہیں۔

۱۶۰ ہاشمی نصیر الدین

حضرت سید یوسف راجو قتال کی دکھنی نظم

(قومی زبان ۶۰ جولائی ۵-۷)

خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے والد سید یوسف راجو سے متعلق مختصراً معلومات پیش کرنے کے بعد ان کی دکھنی نظم کا تعارف پیش کیا ہے۔

۱۶۱ ہاشمی نصیر الدین

خواتین حیدر آباد دکن کی اردو مطبوعات

(قومی زبان ۶۰ ستمبر اکتوبر ۱۶-۱۸)

ناول اور افسانے کے فن میں حیدر آباد دکن کی خواتین نے جو اضافے کئے ہیں ان کی مکمل فہرست ہے۔

۱۶۲ ہاشمی نصیر الدین

خواتین حیدر آباد دکن کی اردو مطبوعات

(گذشتہ سے پیوستہ)

(قومی زبان کراچی ۶۰ ستمبر اکتوبر)

اس شمارے میں ادبی مقالات، تنقید، مکتوبات، مزاحیہ ادب، نظم اور تاریخ و سوانح میں حیدر آباد دکن کی خواتین کی ادبی کاوشوں کو پیش کیا ہے۔

۱۶۳ ہاشمی نصیر الدین

اردو کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ

(پگڈنڈی۔ امرتسر ۶۰ جولائی ۱۰-۱۳)

نواب سالار جنگ مرحوم (حیدرآباد) کے کتب خانہ میں لطف النساء امتیاز کا ایک قلمی دیوان سنہ ۱۲۱۲ ھ کا مرتب کردہ محفوظ ہے مضمون نگار نے مختصراً شاعرہ اور اس کے دیوان کا تعارف کرایا ہے۔

۱۶۴ ہاشمی وحید الحسن

پاکستانی ادب کی تشکیل

(ماہ نو کراچی ۶۰ ستمبر ۲۱-۲۷)

مضمون نگار نے پاکستان کی ثقافتی، مذہبی اور سیاسی قدروں کو اسی ملک کے ادب کے ذریعے پرکھنے کی کوشش کی ہے۔

۱۶۵ ہنس راج رتن

رشید احمد صدیقی

(پگڈنڈی امرتسر ۶۰ ستمبر ۱۴-۱۷)

یہ مضمون انگریزی میں شائع ہوا تھا۔ ہربنس راج نے اسے ترجمہ کیا ہے۔ مضمون میں رشید صاحب کے فن پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۶۶ یکتا جودھپوری

ایک گمنام شاعر

(ماہ نو کراچی ۶۰ آزادی نمبر ۲۷-۲۹)

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کا

سہ ماہی رسالہ

نوائے ادب

ناشر

ادبی پبلشرس (شعبۂ اشاعت انجمن اسلام) ممبئی ۸

حضرت بیدل بدایونی کی زندگی اور
ان کی شاعری کا انتخاب پیش کیا گیا ہے

معاشرتی حالات

۱۶۷ عثمانی ش. ن،
جدید معاشرے میں فرد کا مقام
(زندگی رام پور ۶۰ ستمبر ۴۸-۵۳)
فرد و جماعت سے متعلق مغربی
معاشرہ کے نظریہ کا بطلان ہے.

۱۶۸ نیومین کے. جے.
پاکستانی جمہوریت کے بارہ سال
(چراغ راہ کراچی ۶۰ جولائی)
پاکستان میں جمہوریت کیوں ناکام
رہی. اس کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے.

اقتصادیات

۱۶۹ صباح الدین عبد الرحمن
ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے
عہد میں پارچہ بافی کی صنعت
(معارف ۶۰ جولائی ۲۵-۳۹)
ہندوستان میں ہر جگہ کے مسلمان
حکمرانوں کے عہد میں پارچہ بافی کی
صنعت کا اجمالی تذکرہ درج ہے.

ایڈیٹر: نجیب اشرف ندوی
پرنٹر پبلشر حامد اللہ ندوی نے ادبی پرنٹنگ پریس، ۸ شیفرڈ روڈ، بمبئی ۸
میں چھپوا کر انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ۲۹، دادا بھائی نوروجی
روڈ بمبئی ۱ سے شائع کیا۔

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
(بمبئی یونیورسٹی سے ملحق)

کے

اغراض و مقاصد

۱. ایم اے کی تعلیم کا انتظام

۲. پی، ایچ، ڈی اور دوسرے تحقیقاتی کام کرنے والوں کی اعانت۔

۳. تحقیقاتی کام کرنے والے اداروں اور جامعوں سے تعاون۔

۴. ایک جامع کتب خانہ کا قیام۔

۵. مختلف کتب خانوں کے اردو کے مخطوطات کی فہرست کی ترتیب۔

۶. نایاب مخطوطات و مطبوعات کی اشاعت۔

۷. اردو سے متعلق ایک علمی و تحقیقاتی سہ ماہی رسالہ کا اجراء۔

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کے

سہ ماہی رسالہ نوائے ادب کی خصوصیات

۱. اردو زبان و ادب سے متعلق مختلف پہلوؤں پر بحث و تحقیق۔

۲. گجرات و دکن کی غیر مطبوعہ اردو تصانیف کی اشاعت

۳. اردو سے متعلق تحقیقاتی کاموں کی اطلاع۔

۴. اردو کے علمی و ادبی رسائل کے مضامین کی تلخیص و اشاعت۔

رسالہ سال میں چار بار شائع ہوگا

جنوری اپریل جولائی اکتوبر

چندہ سالانہ:-	چار روپے	مع محصول ڈاک
ششماہی:-	دو روپے	
فی پرچہ:-	ایک روپیہ	

ایڈیٹر: نجیب اشرف ندوی

ترسیل مضامین و خط و کتابت

ڈائرکٹر

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

۹۲. دادابھائی نوروجی روڈ

بمبئی ۱

خریداری و ترسیل زر

ہندوستان میں:-

ادبی پبلشرز

8 شیفرڈ روڈ، بمبئی 8

نوائے ادب ممبئی

جلد ۱۲ | اپریل ۱۹۶۱ ع | شمارہ ۲

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	شذرات	نجیب اشرف ندوی	۲
۲	وضع اصطلاحات	ڈاکٹر عبد الستار صدیقی	۵
۳	تبصرے		۵۹
۴	مقالہ نما (ضمیمہ)	ڈاکٹر عالی جعفری و دیگر مرتبین	۱ ـ ۱۸

شذرات

انسانی اعمال کا محرک وہ خیال ہوتا ہے جو دماغ میں پیدا ہو اس لیے اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے خیالات ترقی پسند صالح، صحت مند اور انسان دوست ہوں تاکہ ہمارے افعال و اعمال بھی ان کا رد عمل ہوں تو یہ خیالات ہمارے انشا پرداز» مصنف، شاعر، صحافی ہی عوام کے دلوں میں پیدا کرسکتے ہیں اگر ہمارے ارباب قلم اور اصحاب فن اس نہج پر سوچیں تو ہمارے سارے مسائل بڑی حد تک حل ہو سکتے ہیں، دنیا جانتی ہے کہ ہندوستان و پاکستان کی تاریخ تہذیب، ثقافت زبان، و ادب ایک مشترکہ ورثہ ہے اس لئے اگر ہم اس ورثہ کی حفاظت، بقا اور ترقی و توسیع کے لئے متحدہ طور سے سوچ سکیں تو بہت سی تلخیاں ہی دور نہیں ہوسکتیں بلکہ ہم خوشگوار فضا کے پیدا کرنے میں کامیاب بھی ہوسکتے ہیں. اور اپنے علمی، ادبی اور فنی معاملوں میں ایک دوسرے سے بہت کچھ سیکھ سکتے اور ایک دوسرے کو دے سکتے ہیں دراصل یہی غرض تھی جس کے تحت دہلی میں ادب و ثقافت کے ایک مشترکہ اجتماع کا سامان کیا گیا تھا اور ہندوستان نے بڑے خلوص و محبت سے پاکستان کو اس میں شرکت کی دعوت دے تھی. کانفرنس ہوئی، تقریریں ہوئیں مشاعرہ کا بھی حسب دستور ہنگامہ برپا ہوا لیکن جس جوش جس ولولہ اور جس خلوص کے تحت یہ بزم منعقد کی گئی تھی اس کا نتیجہ اتنا مسرت بخش اور نتیجہ خیز نہیں نکلا جس کی توقع تھی. پھر بھی ہم مایوس نہیں تقسیم ملک کے بعد یہ پہلی عملی کوشش ہے، پہلا پردہ اٹھ گیا ہے ہچکچاہٹ دور ہو رہی ہے. اور فضا صاف ہوتی نظر آتی ہے. ہمارا خیال تھا کہ اس اجتماع میں دونوں ملکوں کے ارباب علم بعض ایسے مسائل پر اظہار خیال کریں گے جس سے ادب و زباں سے متعلق بہت سے کاموں میں دوہری محنت دوہرے سرمایہ اور دوہرے وقت کے صرف کرنے کی ضرورت نہیں رہیگی. مثلاً لغت، انسائکلوپیڈیا قاموس مشاہیر، علمی و فنی اصطلاحات وغیرہ سے متعلق ہر ملک میں الگ الگ کام ہورہا ہے. اگر اس کو مشترکہ صورت میں انجام دیا جائے یا کام بانٹ لیا جائے تو بہت بہتر ہو. پھر یہ صرف اردو زبان ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اس میں بنگلہ سندھی اور پنجابی زبانیں بھی آجاتی ہیں. ہم کو امید ہے کہ یہ سلسلہ جاری رہے گا اور تقسیم کار سے متعلق ہماری معروضات پر غور کیا جائیگا.

اسی دور کے دو اہم مسئلے کتابوں کا ایک ملک سے دوسرے ملک میں

آزادانہ تبادلہ اور ایک ملک کی کتابوں کا دوسرے ملک میں غاصبانہ طریقہ پر چھاپ لینا بھی ہیں. ان کی طرف بھی عملی قدم بڑھانے کی ضرورت ہے .

اردو زبان کا کوئی خاص علاقہ نہیں ہے وہ ہر ریاست میں بولی، سمجھی، پڑھی اور لکھی جاتی ہے . اس کے مصنف اور شاعر ہر ریاست میں موجود ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ جس طرح مرکزی حکومت اور اتر پردیش کی ریاست نے اردو تصانیف سے متعلق انعام مقرر کئے ہیں اسی طرح دوسری ریاستیں بھی اپنے یہاں اردو کے انعام مقرر کریں، مہاراشٹر ریاست اردو کا ایک بڑا مرکز ہے اگر وہ اس طرح عملی قدم بڑھائے تو اس کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جائیگا. گجرات بھی جہاں تک اردو کا تعلق ہے بہت اہم ریاست ہے وہاں بھی اردو کواسی سلسلہ میں جائز حق ملنا چاہئے .

ریاست بمبئی کو ہمیشہ یہ عزت حاصل رہی ہے کہ اس نے بہت سے اچھے کاموں میں پہل کی ہے . چنانچہ اردو تصانیف سے متعلق یہاں کے کتابوں کے تاجروں نے ریاست سے شائع ہونے والی پر انعام دینے کا فیصلہ کیا ہے اور اس مرتبہ انہوں نے دو کتابوں کو منتخب کیا ہے ، کیا دوسرے صوبوں کے کتابوں کے تاجر اس طرف متوجہ ہوں گے .

گذشتہ سہ‌ماہی کا ادبی حادثہ حکیم الشعراء سید امجد حسین امجد حیدرآبادی کا انتقال ہے وہ نہ صرف یہ کہ ایک بڑے اچھے شاعر تھے بلکہ ایک بلند پایہ نثر نگار اور مترجم بھی تھے. شاعری میں ان کو رباعی اور نظم سے خاص دلچسپی تھی، موجودہ عہد کے بلند پایہ رباعی گو مانے جاتے تھے. نثر میں گلستاں امجد، حج امجد اور حکایات امجد وغیرہ خاص مقام کی حامل ہیں. ان کی زندگی کے واقعات نے ان کے دل میں درد و سوز پیدا کر دیا تھا اور اس کا اثر ان کی نظم و نثر دونوں میں ہے. اسی چیز نے ان کو تصوف کی طرف بھی مائل کیا وہ سادہ مزاج مخلص اور انسان دوست بزرگ تھے . وہ سنہ ۱۳۰۳ ھ میں پیدا ہوئے . مقامی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا، عملی زندگی کی ابتدا مدرسی سے کی اور انتہا صدر

محاسبی کی ملازمت تھی. اس احتساب و تعلیم نے ان کو احتساب نفس اور صحیح تعلیم کی تلقین کی طرف متوجہ رکھا. ان کے والد رحیم علی صوفی منش بزرگ تھے سنہ ۱۳۲۶ھ میں دریائے موسیٰ میں جو ہلاکت خیز سیلاب آیا تھا. اس میں ان کی والدہ ان کی اہلیہ اور ان کی بچی ہلاک ہوگئی اور اس کا اثر تمام عمر ان پر رہا جو ان کے کلام اور تحریر میں صاف نظر آتا ہے. افسوس کہ بزم دیرینہ کی شمعیں ایک ایک کرکے بجھتی جاتی ہیں اور بہت جلد کوئی ایسا چراغ باقی نہیں رہے گا. جو ہماری اس بزم کے کسی گوشہ کو بھی منور کرسکے. اللہ تعالے ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے.

اس سال ساری دنیا میں ہمارے وطن کے مفکر اعظم ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹگور کا صد سالہ یوم پیدائش منایا جارہا ہے ، اس میں کچھ شک نہیں کہ ٹگور شاعر ، انشاء پرداز ، افسانہ نگار ، ڈرامہ نویس ہونے کے ساتھ ہی ساتھ مصوری ، موسیقی اور دوسرے فنون لطیفہ میں بھی دخل رکھتے تھے ، لیکن سب سے بڑھکر جو چیز ان کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہے وہ ان کے عملی کارنامے ہیں. وہ ایک خاص فلسفے کے مفسر تھے اور انہوں نے اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے شانتی نکیتن قائم کیا اور اس سے دنیا کے مختلف ممالک متاثر ہوئے ، خوش قسمتی سے ان کو ابتدا ہی میں ریونڈ انڈریوز وغیرہ جیسے اہل علم مل گئے جنھوں نے ان کو ترجموں کے ذریعہ دنیائے ادب سے متعارف کیا ، اور انہیں ترجموں نے ہندوستان کی دوسری زبانوں کی طرح اردو زبان کے انشاء پردازوں کو بھی متاثر کیا پہلی جنگ عظیم کے وقت سے تقریباً ربع صدی تک اردو کے اکثر ادیبوں پر ٹگوری طرز انشاء ، اسلوب بیان اور اندازۂ فکر غالب رہا چنانچہ اس عہد کے ادبی رسالے نقاد ، نگار ، مخزن ، نیرنگ خیال ، ساقی وغیرہ بڑی حد تک اس دبستان تحریر کے نمائندے ہیں ٹگور سے متاثر ہونے والوں میں جناب نیاز ، لطیف احمد ، جوش اور بعض دوسرے آج کے چوٹی کے ادیبوں کا نام لیا جاسکتا ہے اردو کا دامن ٹگور کے ترجموں سے پر ہے. اب اگرچہ اردو کا انداز بیان بدل گیا ہے لیکن پیغام باقی ہے اور یہ انسان دوستی کا پیغام ہے ، اس صد سالہ جشن کے موقع پر اگر ٹگور کے پیغام محبت و مواخات کو ہم موثر طور سے پیش کرسکیں تو حقیقی معنوں میں ہم اس احترام کا جو ٹگور سے متعلق ہمارے دلوں میں ہے اظہار کرسکیں گے.

آزادانہ تبادلہ اور ایک ملک کی کتابوں کا دوسرے ملک میں غاصبانہ طریقہ پر چھاپ لینا بھی ہیں۔ ان کی طرف بھی عملی قدم بڑھانے کی ضرورت ہے۔

اردو زبان کا کوئی خاص علاقہ نہیں ہے وہ ہر ریاست میں بولی، سمجھی، پڑھی اور لکھی جاتی ہے۔ اس کے مصنف اور شاعر ہر ریاست میں موجود ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ جس طرح مرکزی حکومت اور اتر پردیش کی ریاست نے اردو تصانیف سے متعلق انعام مقرر کئے ہیں اسی طرح دوسری ریاستیں بھی اپنے یہاں اردو کے انعام مقرر کریں، مہاراشٹر ریاست اردو کا ایک بڑا مرکز ہے اگر وہ اس طرح عملی قدم بڑھائے تو اس کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جائیگا۔ گجرات بھی جہاں تک اردو کا تعلق ہے بہت اہم ریاست ہے وہاں بھی اردو کو اسی سلسلہ میں جائز حق ملنا چاہئے۔

ریاست بمبئی کو ہمیشہ یہ عزت حاصل رہی ہے کہ اس نے بہت سے اچھے کاموں میں پہل کی ہے۔ چنانچہ اردو تصانیف سے متعلق یہاں کے کتابوں کے تاجروں نے ریاست سے شائع ہونے والی پر انعام دینے کا فیصلہ کیا ہے اور اس مرتبہ انہوں نے دو کتابوں کو منتخب کیا ہے، کیا دوسرے صوبوں کے کتابوں کے تاجر اس طرف متوجہ ہوں گے۔

گذشتہ سہ ماہی کا ادبی حادثہ حکیم الشعراء سید امجد حسین امجد حیدرآبادی کا انتقال ہے وہ نہ صرف یہ کہ ایک بڑے اچھے شاعر تھے بلکہ ایک بلند پایہ نثر نگار اور ترجم بھی تھے۔ شاعری میں ان کو رباعی اور نظم سے خاص دلچسپی تھی، موجودہ عہد کے بلند پایہ رباعی گو مانے جاتے تھے۔ نثر میں گلستاں امجد، حج امجد اور حکایات امجد وغیرہ خاص مقام کی حامل ہیں۔ ان کی زندگی کے واقعات نے ان کے دل میں درد و سوز پیدا کر دیا تھا اور اس کا اثر ان کی نظم و نثر دونوں میں ہے۔ اسی چیز نے ان کو تصوف کی طرف بھی مائل کیا وہ سادہ مزاج مخلص اور انسان دوست بزرگ تھے۔ وہ سنہ ۱۳۰۳ ھ میں پیدا ہوئے۔ مقامی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا، عملی زندگی کی ابتدا مدرسی سے کی اور انتہا صدر

محاسبی کی ملازمت تھی ۔ اس احتساب و تعلیم نے ان کو احتساب نفس اور صحیح تعلیم کی تلقین کی طرف متوجہ رکھا ۔ ان کے والد رحیم علی صوفی منش بزرگ تھے سنہ ۱۳۲۶ ھ میں دریائے موسیٰ میں جو ہلاکت خیز سیلاب آیا تھا ۔ اس میں ان کی والدہ ان کی اہلیہ اور ان کی بچی ہلاک ہوگئی اور اس کا اثر تمام عمر ان پر رہا جو ان کے کلام اور تحریر میں صاف نظر آتا ہے ۔ افسوس کہ بزم دیرینہ کی شمعیں ایک ایک کرکے بجھتی جاتی ہیں اور بہت جلد کوئی ایسا چراغ باقی نہیں رہے گا ۔ جو ہماری اس بزم کے کسی گوشہ کو بھی منور کرسکے ۔ اللہ تعالے ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے ۔

اس سال ساری دنیا میں ہمارے وطن کے مفکر اعظم ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹگور کا صد سالہ یوم پیدائش منایا جارہا ہے ، اس میں کچھ شک نہیں کہ ٹگور شاعر ، انشاء پرداز ، افسانہ نگار ، ڈرامہ نویس ہونے کے ساتھ ہی ساتھ مصوری ، موسیقی اور دوسرے فنون لطیفہ میں بھی دخل رکھتے تھے ، لیکن سب سے بڑھکر جو چیز ان کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہے وہ ان کے عملی کارنامے ہیں ۔ وہ ایک خاص فلسفے کے مفسر تھے اور انہوں نے اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے شانتی نکیتن قائم کیا اور اس سے دنیا کے مختلف ممالک متاثر ہوئے ، خوش قسمتی سے ان کو ابتدا ہی میں ریونڈ انڈریوز وغیرہ جیسے اہل علم مل گئے جنہوں نے ان کو ترجموں کے ذریعہ دنیائے ادب سے متعارف کیا ، اور انہیں ترجموں نے ہندوستان کی دوسری زبانوں کی طرح اردو زبان کے انشاء پردازوں کو بھی متاثر کیا پہلی جنگ عظیم کے وقت سے تقریباً ربع صدی تک اردو کے اکثر ادیبوں پر ٹگوری طرز انشاء ، اسلوب بیان اور اندازۂ فکر غالب رہا چنانچہ اس عہد کے ادبی رسالے نقاد ، نگار ، مخزن ، نیرنگ خیال ، ساقی وغیرہ بڑی حد تک اس دبستان تحریر کے نمائندے ہیں ٹگور سے متاثر ہونے والوں میں جناب نیاز ، لطیف احمد ، جوش اور بعض دوسرے آج کے چوٹی کے ادیبوں کا نام لیا جاسکتا ہے اردو کا دامن ٹگور کے ترجموں سے پر ہے ۔ اب اگرچہ اردو کا انداز بیان بدل گیا ہے لیکن پیغام باقی ہے اور یہ انسان دوستی کا پیغام ہے ، اس صد سالہ جشن کے موقع پر اگر ٹگور کے پیغام محبت و مواخات کو ہم موثر طور سے پیش کرسکیں تو حقیقی معنوں میں ہم اس احترام کا جو ٹگور سے متعلق ہمارے دلوں میں ہے اظہار کرسکیں گے ۔

٭ از ڈاکٹر عبدالستار صدیقی

وضع اصطلاحات

مصنف «وضع اصطلاحات» کی زندگی

مولوی سید وحیدالدین «سلیم» اپنے آبائی وطن پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ولادت کی تاریخ معلوم نہیں۔ اس لیے عمر بھی ٹھیک نہیں بتائی جاسکتی۔ وفات ۲۹ جولائی ۱۹۲۸ع کو ملیح آباد (ضلع لکھنؤ) میں ہوئی جہاں مرحوم نے اپنی عمر کے اخیر چھے مہینے اپنے دوست، ڈاکٹر عبدالکریم پانی پتی کے مہمان اور زیر علاج رہ کر بسر کیے۔ «سلیم» بالطبع بہت بد پرہیز تھے، اور کوئی انہیں منع کرتا تو اسے طبّی بحث پر لاکر لاجواب کر دیتے، لیکن ڈاکٹر صاحب کی حذاقت کے قائل اور ان کے خلوص کے نہایت مداح تھے۔ جب بیمار پڑتے اور مرض طول کھینچتا، تو سیدھے ملیح آباد پہنچتے اور تندرست ہوکر واپس جاتے۔ ڈاکٹر صاحب جو پرہیز بتاتے اس پر سختی سے کاربند رہتے۔

اس آخری بیماری مین مولانا کے ایک اور مخلص و معتقد دوست، سید عبدالودود «درد» رئیس بریلی، ان کے پاس آگئے اور تیمارداری اور غمگساری کا فریضہ آخر دم تک بڑی مستعدی سے ادا کرتے رہے۔ اس سلسلے میں «درد» نے مولانا کی زندگی کے حالات بھی لکھ لیے اور منشی دیا نرائن نگم، ایڈیٹر «زمانہ» (کانپور) کو بھیج دیے، جو مولانا کی وفات پر اگست ۱۹۲۸ کے شمارے (ص ۹۹ - ۱۰۵) میں شائع ہوئے۔ ادارت کا حاشیہ (ص ۹۹): «یہ مضمون اب سے چند ماہ پیشتر وصول ہوا تھا۔ لیکن افسوس جب اس کی اشاعت کی نوبت آئی تو مولانا سلیم دنیا [سے[1]] چل بسے۔ مرحوم تقریباً چھ ماہ سے بعارضۂ سرطان علیل تھے۔ آخر یہی نامراد مرض پیغام اجل ثابت ہوا اور ۲۹ جولائی سنہ ۲۸ع کو ملیح آباد میں آپ نے انتقال فرمایا۔» علمی خبروں میں مدیر نے اسی تاریخ وفات

٭ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی سابق صدر شعبہ عربی و فارسی الہ آباد یونیورسٹی

(۱) یہ لفظ کاتب سے چھوٹ گیا تھا، اور آگے چل کے "پیغام" کی جگہ "بمقام" لکھا گیا تھا جو سہو ظاہر ہے

کا اعادہ کیا (ص ۱۳۱)، پھر نومبر ۱۹۲۸ کے شمارے میں (ص ۲۵۶ کے مقابل) معذرت کہ بلاک بننے میں تاخیر کے باعث مولانا کی تصویر اگست میں نہ شامل ہوسکی تھی، اب شامل کی جاتی ہے (مقابل ص ۲۸۸).

صفر ۱۳۴۷ھ (اگست ۱۹۲۸ ع کے «معارف» اعظم گڑھ (ص ۸۲ ـ ۸۳) میں مولانا سید سلیمان کے قلم سے: «ماہ رواں کے سب سے ہولناک علمی حادثوں میں دو نامور مسلمان مصنفین اور اہل قلم کی وفات ہے، ایک سید امیر علی بالقابہ اور دوسرے مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی ... مولانا ... سلیم عربی اور اردو کے ادیب تھے ... «معارف» نام ایک علمی رسالہ انہوں نے علی گڑھ سے نکالا جس نے اہل علم میں بڑی عزت حاصل کی ... سنہ ۱۹۱۰ ع میں جب لکھنؤ سے «مسلم گزٹ» نکلا ... تو مولانا شبلی مرحوم کے مشورے سے وہی اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے اور حق یہ ہے کہ انہوں نے نہایت خوبی سے اس فرض کو انجام دیا. «مسلم گزٹ» کے بند ہونے کے بعد وہ پھر خانہ نشین ہوگئے. اور آخر غالباً ۱۹۱۶ ع یا اس کے گرد و پیش زمانہ میں وہ حیدر آباد گئے اور جامعۂ عثمانیہ میں اردو کے پروفیسر مقرر ہوئے، اور اسی منصب پر اس مہینے انہوں نے ملیح آباد (ضلع لکھنؤ) میں وفات پائی، مرحوم کی عمر ستر ۷۰ سال کے قریب ہوگی.

«مرحوم نے چھوٹے بڑے مضامین بیشمار لکھے، اور بڑے سے بڑے ہفتہ وار اخبار کو ایک رات میں بیٹھ کر پورا کر لیتے تھے . . . الفاظ کے تراشنے اور وضع کرنے میں ان کو پوری مہارت تھی. «علی گڑھ گزٹ» اور «مسلم گزٹ» کی ایڈیٹری کے زمانہ میں بہت سے اردو الفاظ وضع کرکے انہوں نے پھیلائے ہیں، منجملہ ان کے ایک لفظ «نمائندہ» جو آج اس قدر کثیر الاستعمال ہے، انہیں نے اس لفظ کو جدید فارسی اخبارات سے لے کر اردو میں «علی گڑھ گزٹ» کے ذریعہ سے رائج کیا. حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا».

ڈاکٹر عبد الحق نے اپنے پرانے کرم فرما اور اپنے بڑے بھائی کے بے تکلف دوست، مولانا «سلیم» کی موت پر جو ماتم نامہ لکھا ۱۹۲۹ ع میں رسالہ «اردو» میں چھپا. اس کا ایک فقرہ یہ ہے:

«انہیں اپنی فارغ البالی سے کچھ لینا نہ تھا. گو ان کی عمر زیادہ تھی، شاید ارسٹھ کے لگ بھگ، لیکن ان کے قویٰ ایسے اچھے تھے کہ بہت دنوں

اور جی سکتے تھے لیکن انہوں نے کبھی صحت و صفائی کا خیال نہ رکھا اور نہ کبھی اپنے کھانے پینے کا کوئی معقول انتظام کیا۔ وہ ان چیزوں کو جانتے ہی نہ تھے۔ یہی ان کی بیماری اور بالآخر ان کی موت کا باعث ہوا »۔ (« چند ہمعصر » طبع دوم، دہلی ۱۹۴۲ ع، ص ۱۰۳ = طبع پنجم، کراچی ص ۱۱۵)۔

ان اقتباسوں کا یہاں درج کرنا اس لیے ضروری ہوا کہ ان سے بعض شبہوں کا ازالہ ہوجاتا ہے۔ پارسال سید جعفر طاہر صاحب نے « قومی زبان » (کراچی، ۱۶ اگست و یکم ستمبر ۱۹۵۹ ع میں ایک مضمون « وحید الدین سلیم کی شاعری » شائع کیا جس میں لکھا ہے: « سال پیدائش ۱۸۶۹ ع ... سال وفات میں اختلاف ہے۔ ڈاکٹر عبد الحق ۱۹۲۹ ع اور عبد القادر سروری ۱۹۲۸ ع بتلاتے ہیں۔ یاد رفتگان [1] کے مصنف فرماتے ہیں کہ وفات کے وقت ان کی عمر ستر کے لگ بھگ تھی مگر ان کا اندازہ کچھ صحیح نظر نہیں آتا »۔ معلوم ہوتا ہے طاہر صاحب نے سروری کی « جدید اردو شاعری » (حیدر آباد، ۱۹۳۲ ع، ص ۲۴۹) میں یہ سال پیدایش دیکھا اور بلا تامل مان لیا، حال آنکہ اگلے ہی صفحے میں ہے: « یہ ۱۸۶۹ع کے قریب پیدا ہوئے »۔ حقیقت یہ ہے کہ سلیم کا سال پیدایش کسی کو معلوم نہیں۔ یہ بھی درست نہیں کہ « سال وفات میں اختلاف ہے »۔ غالباً صاحب مضمون نے ڈاکٹر عبد الحق کی « چند ہمعصر » میں « سلیم » کے نام کے نیچے « ۱۹۲۹ ع » دیکھ کر اسے سال وفات مان لیا۔ اگر وہ کتاب کی ورق گردانی کرلیتے تو یہ حقیقت ان پر کھل جاتی کہ عنوان کے تحت جو سال دیا گیا ہے وہ مقالے کے شائع ہونے کا ہے، جیسا کہ مولوی چراغ علی، ڈاکٹر سید علی بلگرامی، نواب محسن الملک، مولانا حالی وغیرہ عنوانوں کے تحت سال وفات نہیں، بلکہ مقالے کی اشاعت کا سال ہے۔

سید عبد الودود « درد » کا جو مقالہ « زمانہ » میں شائع ہوا تھا وہ بہت اہم ہے اس لیے کہ اس میں بعض تفصیلی حالات ہیں جو اور کہیں نہیں ملتے۔ یہ مقالہ لکھا ان ایام میں گیا کہ مولانا سلیم مرض الموت کی شدتیں جھیل رہے تھے اور مقالہ نگار ہمہ تن تیمارداری میں مصروف تھے۔ اس میں سے چند ضروری باتیں

(۱) یہ ان تاسف ناموں کا مجموعہ ہے جو مولانا سید سلیمان نے وقتاً فوقتاً « معارف » میں لکھے تھے۔ اور اب کراچی میں شائع ہوا ہے۔

یہاں مختصراً لکھی جاتی ہیں:

۱۔ «سلیم» کے والد حاجی فرید الدین پانی پت (کرنال) کے سادات میں سے تھے۔ ان کے دادا ملتان سے پاک پٹن آئے جہاں حاجی صاحب پیدا ہوئے، پھر پانی پت آکر بس گئے۔ حاجی صاحب شاہ بوعلی قلندر کے مزار کے متولی تھے۔ ان کے دو بیٹے تھے: بڑے وحید الدین۔ چھوٹے حمید الدین۔

۲۔ قصبے کی ایک شریف استانی آپا شمس النسا نے وحید الدین کو قرآن حفظ کرایا۔

۳۔ حاجی صاحب کے انتقال کے بعد وحید الدین کی تعلیم و تربیت کی نگرانی استھاوان (بہار) کے ایک بزرگ، سید غوث علی شاہ نے کی، جو پانی پت آکر مقیم ہوگئے تھے، اور ان کے تعلقات حاجی صاحب سے نہایت دوستانہ تھے۔

۴۔ وحید الدین کو اوائل عمر سے فارسی کا شوق تھا اور ذاتی کوشش سے فارسی کتابیں پڑھتے اور شرحوں کی مدد سے مشکلات حل کرتے۔ چودہ سال کی عمر میں ایسی مہارت بہم پہنچالی تھی کہ شاہ صاحب کی مدح میں ایک فارسی قصیدہ ۱۰۱ بیت کا، عرفی کے ایک قصیدے کے جواب[1] میں کہا جسے سن کر لوگ حیران رہ گئے۔ وہ قصیدہ بطور شاہ صاحب کی کرامات کے[2] «تذکرۂ غوثیہ» میں نقل کیا گیا ہے۔ (تذکرۂ غوثیہ، طبع اول ص ۴۰۶ ـ ۴۱۲)۔

۵۔ مڈل تک تعلیم پانے کے بعد پانی پت سے لاہور گئے، عربی ادب اور تفسیر کی تعلیم مولانا فیض الحسن سے اور فقہ، حدیث، منطق اور فلسفہ کی مولانا عبد اللہ[3] ٹونکی سے پائی۔ یونیورسٹی کے پروفیسروں سے مغربی فلسفہ، طبیعیات، کیمیا، اور ریاضی پڑھی۔ مگر کوئی امتحان یونیورسٹی کا سوائے انٹرنس اور منشی فاضل کے نہیں پاس کیا۔ قانون کی جماعت میں داخل ہوئے لیکن فکر معاش سے مجبور ہوکر اس سے باز آئے اور بہاول پور کے ایجرٹن کالج میں نوکر ہوگئے۔

(۱) "جواب" نہیں کہہ سکتے۔ "عرفی" کا قصیدہ بحر مجتث میں ہے، اور "سلیم" کا بحر رمل میں۔ ہاں قافیہ دونوں کا ایک ہے: چنگ، رنگ وغیرہ۔

(۲) ایک اور کرامت "درد" صاحب اوپر لکھ آئے ہیں: حاجی صاحب ۰۰۰ اولاد نرینہ سے محروم تھے۔ حضرت کی دعا کی برکت سے حاجی صاحب کے ہاں دو فرزند نرینہ پیدا ہوئے"۔ "تذکرۂ غوثیہ" عجائب کرامات کا ایک خزانہ ہے۔

(۳) رسالہ "زمانہ" میں "عبد الاحد" صحیح نہیں، سہو کاتب ہے۔

« وہاں کی ، شش سالہ، ملازمت کے بعد ریاست رام پور کے ہائی اسکول میں ہیڈ مولوی مقرر ہوئے لیکن یہ سلسلۂ ملازمت چھ ماہ سے زیادہ نہ چل سکا، کیوں کہ جنرل عظیم الدین صاحب مرحوم جو مولانا کے قدردان تھے اسی زمانے میں یکایک مارے گئے. ادھر مولانا مرض تشنج میں مبتلا ہوکر چھ سال تک صاحب فراش رہے. اس کے بعد...طب یونانی کا فن...ایک مشہور طبیب سے حاصل کیا اور پرایویٹ طور سے ڈاکٹری سے بھی واقفیت پیدا کرکے پانی پت میں مطب شروع کیا جو کئی سال تک کامیابی کے ساتھ چلتا رہا. اس زمانے میں مولانا حالی صاحب مولانا کو...علی گڑھ لے گئے اور سرسید سے ملایا. سرسید کی مردم شناس آنکھوں نے اس جوہر فرد کو پہچانا اور بہ اصرار تمام مولانا کو اپنے پاس رہنے کے لیے آمادہ کرلیا اور مرتے دم تک انھیں اپنے پاس سے جدا نہ ہونے دیا » (ص ۱۰۰) یہ باتیں فی الجملہ صحیح ہیں، لیکن تاریخوں اور واقعات کی بدھ نہیں ملتی. اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جن دنوں میں مولانا (سلیم) کا یہ کارنامۂ حیات « درد » مرتب کررہے تھے، وہ ان کی تیمار داری میں ہمہ تن مصروف تھے اور یقیناً چاہتے ہوں گے کہ اس کام سے جلد فراغت ہو اور یہ اوراق منشی دیا نرائن نگم کو جلد پہنچ جائیں. اس باعث خیال نہ رہا کہ تاریخوں وغیرہ کو جانچ لیں، ورنہ یہ نہ لکھتے: « جنرل عظیم مارے گئے...مولانا تشنج میں...چھ سال...صاحب فراش رہے...طب یونانی...ڈاکٹری...الخ »

عظیم الدین خاں کا قتل جون ۱۸۹۱ ع میں ہوا اور سر سید احمد خاں کی وفات مارچ ۱۸۹۸ ع میں ہوئی. ان دونوں میں اتنا فصل کہاں کہ ۶ سال تشنج کے، اور کم سے کم ۵ سال طب و مطب وغیرہ کے، کل گیارہ بارہ سال اس میں سما سکیں. خود مولانا حالی فرماتے ہیں: « مولوی وحید الدین کو سید صاحب نے...اپنی پیش دستی میں لے لیا ہے اور تفسیر لکھنی پھر شروع کردی ہے. ان سے بہت خوش ہیں... از علی گڑھ ۱۹ اکتوبر ۱۸۹۴ ع ». (مکتوبات حالی، حالی پریس و جامعۂ ملیہ دہلی ۱۹۲۵ ع ج ۲، ص ۱۸۵).

« درد » کا ایک اور بیان ہے. « سلیم » کی عمر بھر کی کارگزاریوں کو شرح و بسط سے گنانے کے بعد لکھتے ہیں: « مولانا کی عمر اس وقت تقریباً ۵۰ سال یا کچھ کم و بیش ہوگی » (ص ۱۰۳). یہاں ایک یہ امکان ضرور ہے کہ کاتب

نے سہواً کسی اور ہندسے کی جگہ «۵۰» لکھا ہو.

«تذکرۂ غوثیہ» سے استنباط کیجیے اور شاہ صاحب کی وفات کے وقت (مارچ ۱۸۸۰ع) میاں وحیدالدین کا سن ۱۴ برس فرض کیجیے تو ان کی ولادت ۱۸۶۶ اور عمر (۱۹۲۸) میں ۶۲ قرار پاتی ہے. اس سلسلے مین اس پر بھی نظر رہے کہ یہ «تذکرہ» شاہ صاحب کے مرید شاہ گل حسن نے شاہ صاحب کی وفات کے ایک سال بعد لکھا اور تاریخی حیثیت سے کتاب میں اسقام بھی ہیں. بعض روایتیں اس میں اس درجہ مبالغہ آمیز ہیں کہ ان پر یقین لانا ممکن نہیں. اس کے مقابلے میں وہ تحریریں ہیں جو مولوی «سلیم» کی موت پر تاسف نامے کے طور پر ان کے دیرینہ احباب مثل ڈاکٹر مولوی عبدالحق کے (جن کے بڑے بھائی مولوی وحیدالدین کے یاروں میں تھے) علی گڑھ اور پھر حیدرآباد میں بھی ایک ساتھ برسوں رہے. ۱۹۲۸ ع ہی میں مولوی عبدالحق ان کے جانشین ہوئے. اپنے تاسف نامے میں لکھتے ہیں: «انہوں اپنی فارغ البالی سے کچھ لہنا نہ تھا گو ان کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی، شاید اڑسٹھ کے لگ بھگ، لیکن ان کے قویٰ ایسے اچھے تھے کہ بہت دنوں اور جی سکتے تھے» [1] مولانا سید سلیمان ندوی، جو ان سے خوب واقف اور ان کے بڑے قدردان تھے، کہتے ہیں: «مرحوم کی عمر ستر (۷۰) کے قریب ہوگی». [2] ایک اور بہت مستند ماخذ ہے جس کا ذاتی علم خود مجھے ہے. کلیّۂ جامعۂ عثمانیہ یعنی عثمانیہ یونیورسٹی کالج کی صدارت پر میرا تقرر ۲۳ ستمبر ۱۹۲۰ع کو ہوا. چند مہینے بعد کالج کے ان اساتذہ کی فہرست محکمۂ سرکار میں جانے کو تھی جو پچپن سالہ کی حد سے متجاوز ہونے والے تھے. میں مولوی «سلیم» کو مدت سے جانتا تھا، پوچھا کہ مولوی وحیدالدین صاحب کا نام اس میں کیوں نہیں ہے. دفتر کے اہلکاروں نے بتایا کہ وہ تو ساٹھ برس کے سن میں ہیں. چونکہ ان کا تقرر فرمان اعلیٰ حضرت کی بنا پر ہوا، اس لیے وہ اور چند اور اساتذہ عمر کی قید سے مستثنا ہیں. مولوی صاحب ۱۹۱۷ ع کے آخر میں یا ۱۹۱۸ ع میں وضع اصطلاحات کے کام کے لیے بلائے گئے تھے. ستمبر

---

(۱) «چند ہمعصر»، طبع دوم دہلی ۱۹۴۲ع، ص ۱۰۳ — ط پنجم کراچی، ص ۱۱۵، جس میں یہ تاسف نامہ «اردو» ج بابت ۱۹۲۹ع سے نقل ہوا.

(۲) «معارف»، اعظم گڑھ اگست ۱۹۲۸، ص ۸۳.

۱۹۱۹ع میں کالج کا افتتاح ہوا تو وہ کالج میں منتقل کیے گئے اور مجلس اصطلاحات کے رکن بھی رہے۔ اس لحاظ سے مولوی عبدالحق اور مولوی سلیمان دونوں کی تخمین حقیقت سے بہت قریب ہے۔

مولوی وحیدالدین کے ساتھ مولانا حالی کا برتاو بہت دوستانہ بلکہ مربیانہ تھا۔ اپنے اردو دیوان کے مقدمے کی تکمیل کے لئے مولانا ۲۷ مئی ۱۸۹۳ سے اواخر نومبر ۱۸۹۴ ع تک علی گڑھ میں مقیم تھے، وہیں «حیات جاوید» کا بھی کچھ حصہ لکھا۔ [۱] اواخر جولائی یا اوائل اگست ۱۸۹۷ ع میں مولوی وحیدالدین وہاں آئے اور مولانا کے ساتھ ٹھہرے۔ [۲] سید صاحب نے دو ڈھائی مہینے تک ان کی قابلیت کا پوری طرح اندازہ کرنے کے بعد ۱۹ اکتوبر ۱۸۹۷ ع کو یا دو چار دن پہلے انھیں «اپنی پیشدستی میں لے لیا اور تفسیر لکھنی پھر شروع کردی» [۳] تنخواہ جیسا کہ خود مولوی «سلیم» کہا کرتے تھے، پچاس تھی۔ سید صاحب پر افکار و امراض کا ۱۸۹۷ ع میں ایسا ہجوم تھا کہ اس سال کے نصف اخیر سے ان کے علمی کام موقوف ہوگئے مگر مولوی وحیدالدین علی گڑھ ہی میں رہے۔ مولانا حالی اپنے بیٹے خواجہ سجاد حسین کو جنوری ۱۸۹۸ ع میں لکھتے ہیں: «اب تک تم کو یہاں سے جتنے کارڈ لکھ چکا ہوں مولوی وحیدالدین فی کارڈ ایک سلام کہتے ہیں»۔ [۴] علی گڑھ سے مولوی «سلیم» کی ادارت میں ماہانہ رسالہ «معارف» جولائی ۱۸۹۸ ع سے نکلنا شروع ہوا جسے ملک کے ادیبوں نے بہترین رسالہ تسلیم کیا۔ اڑھائی برس بعد مولوی صاحب پانی پت چلے گئے اور «معارف» وہاں سے نکلتا رہا۔ مالی دقتوں سے مجبور ہوکر دسمبر ۱۹۰۱ ع میں رسالہ بند کرنا پڑا۔ [۵]

سات برس بعد مولوی «سلیم» پھر علی گڑھ آتے ہیں سید صاحب نے علی گڑھ انسٹیٹوٹ گزٹ» ۱۸۶۶ ع میں جاری کیا تھا اور زندگی بھر اس کے ایڈیٹر خود رہے۔ اخبار بڑی پابندی سے اور بڑی آب و تاب سے، پہلے ہفتہ وار پھر ہفتے میں

---

(۱) «مکتوبات حالی»، مرتبۂ خواجہ سجاد حسین، پانی پت ۱۹۲۵ ع، ج ۲، ص ۱۶۱ - ۱۸۶۔
(۲) «مکتوبات»، ج۲، ص ۱۸۱۔
(۳) «مکتوبات»، ج ۲، ص ۱۸۴ و ۱۸۵۔
(۴) «مکتوبات»، ج ۲، ص ۲۳۹ - یہ فقرہ ظاہراً مولوی «سلیم» کا تھا جس کو مولانا نے لفظاً نقل کردیا ہے
(۵) «مقالات حالی»، ج ۲، ص ۱۸۱ (انجمن ترقی اردو اورنگ‌آباد، طبع دہلی ۱۹۳۶ع)

دو بار نکلتا رہا اور شمالی ہند میں بہترین اخبار مانا جاتا تھا [1] ان کے بعد اس کی حالت گرتی گئی، ادارت نا تجربہ کار ہاتھوں میں متواتر بدلتی رہی اور چند سال میں وہ کسی شمار قطار میں نہ تھا۔ نواب محسن الملک کو اسے بہتر بنانے کی فکر تھی۔ جنوری ۱۹۰۷ ع کے آخر میں بعض انگریز اساتذہ کے برتاو سے عاجز آکر طلبہ نے ہڑتال کردی تو ایک اچھے اخبار کی ضرورت کا اور زیادہ احساس ہوا اور فروری میں انھوں نے مولوی وحید الدین کو بلوا کر سو روپئے ماہانہ پر انھیں سب ایڈیٹر مقرر کیا [2] خود نگراں رہے مگر وہ نگرانی مشاورت سے زیادہ نہ تھی، اس لیے کہ نواب صاحب ان کی قابلیت سے واقف تھے۔ مولوی صاحب نے، بقول ڈاکٹر عبدالحق اخبار کی «کایا پلٹ دی اور یا تو وہ ایک مردہ اخبار تھا۔ یا دفعتًہ زندہ ہوگیا» [3].

مولوی وحید الدین کی خدمت میں مجھے دسمبر ۱۹۰۷ ع میں نیاز حاصل ہوا۔ پرانی سائنٹفک سوسائٹی کی عمارت کے ایک کمرے میں رہتے تھے۔ اسی کے سامنے انسٹیٹوٹ کا چھاپے خانہ تھا، ایک اور کمرا قانون کے درس کے لیے مخصوص تھا، باقی عمارت قانون اور ایم۔ اے۔ کے طلبہ کی اقامت گاہ تھی۔ مولانا کی روش بھی طالبعلمانہ تھی، تکلف اور تصنع سے بہت دور ۔ اس لیے طلبہ سے بہت خوش تھے۔ مولانا کے کھانے کا کوئی خاص انتظام نہ تھا جو سامنے رکھ دیا گیا نوش کرلیا۔ پان کھاتے تھے، مگر پاندان کا بکھیڑا کبھی مول نہ لیا۔ ایک تپائی پر کتھے چونے کی کھلیاں، پان، ڈلی تمباکو کا بٹوا رکھا رہتا تھا۔ خود بناتے اور کھاتے اور کھلاتے بھی۔ اہتمام چائے کا البتہ ہوتا سبز «کشمیری» چائے بڑی تلاش سے منگواتے۔ اکثر خود بناتے، خوب پیتے اور پلاتے۔ میں تقریباً ہر روز تھوڑی دیر کے لئے حاضری دیتا۔ باتیں بہت دل چسپ اور سود مند ہوتیں۔ اسی زمانے میں مجھے اندازہ ہوا کہ کیسا عالی دماغ رکھتے تھے، علم کتنا حاضر، کس درجہ وسیع تھا۔ لسانیات سے فطرتی مناسبت تھی۔ زبان کے مسائل میں ان کا ذہن بہت کم خطا کرتا تھا۔ برسوں سے یہی دھن رہی تھی کہ اُردو زبان میں نئے الفاظ بنا بنا کر اسے وسعت دیجیے۔ مدتوں یہ دستور رہا کہ نئے لفظ گڑھ گڑھ کے

(۱) «حیات جاوید» ۲، ص ۱۱۳-۱۱۶ (۲) «مکتوبات حالی» ج۲، ص ۳۹۵ بعد۔ (۳) «چند ہمعصر» طبع دوم، ص ۱۰۱ = پنجم ص ۱۱۳۔

«چپ چاپ» تحریر میں لائیے۔ کہا کرتے اور سچ کہتے تھے کہ اردو بولنے والی قوم لکیر کی فقیر ہے۔ ہر نیا لفظ بولنا یا لکھنا اس کے نزدیک ایسا سنگین گناہ ہے کہ کبھی معاف نہ ہوگا۔ مولانا انگریزی نہیں جانتے تھے، صرف حرف پہچانتے تھے۔ ویبسٹر کی ڈکشنری میں سے لفظوں کے معنی اور اشتقاق معلوم کر لیتے سکہ ڈھل جاتا۔ جہاں شبہہ ہوتا اوروں سے پوچھنے میں اصلا تکلف نہ کرتے۔ ایک بار میں نے کہا کہ آپ اس مبحث پر ایک مقالہ شائع کیجیے تو کچھ لوگ ضرور آپ کے ہم خیال ہو جائیں گے۔ بولے: واہ، میں نے ایسا کیا، تو جو دو چار لفظ لوگ اختیار کر لیتے ہیں وہ بھی ہاتھ سے جائیں گے۔ اب تو یہ ہے کہ یہ لفظ ایران یا مصر کے جریدوں سے مستعار ہوں گے، ان کا مضائقہ نہیں، لیکن جب خبر ہوگی کہ یہ توایک نیچری کے تجویز ے ہوئے ہیں، تو ایک طوفان برپا ہوجائے گا۔ یہ خیال ان کا ایک حد تک صحیح تھا۔

دسمبر ۱۹۰۸ع میں مسلم ایجوکشنل کانفرنس امرتسر میں ہونے والی تھی۔ مولوی صاحب بیمار رہ چکے تھے۔ جاڑوں میں سفر کرنا نہ چاہتے تھے۔ میں جا رہا تھا۔ مجھ سے کہا ہمارے اخبار کے لئے کانفرنس کی روداد لکھ کر بھیجنا۔ میں نے وعدہ کرلیا۔ امرتسر پہنچ کر دیکھا کہ «زندہ دلان پنجاب» بہت اچھا انتظام کر رہے ہیں۔ پھاٹک کے پاس ایک کمرے پر انگریزی حرفوں میں «انکوائری آفس» کی تختی لگی ہوئی ہے۔ کارکن صاحب سے ملکر کہا ایک تختی پر «دریافت خانہ» بھی لکھوا کر لگا دیجیے۔ بولے یہ لفظ تو سنا نہیں۔ اُنہیں تھوڑی سی گفت و شنید کے بعد راضی کیا اور تختی لٹکا دی گئی۔ کچھ دیر میں استقبالی مجلس کے صدر اُدھر سے نکلے دیکھ کر بہت برہم ہوئے، تختی اتر گئی۔ خیر، جب روداد «علی گڑھ گزٹ» [1] میں چھپی تو اس کے شروع کی چند سطروں کے بعد یہ فقرہ تھا: «دریافت خانہ اسلامیہ اسکول کے دروازے پر ہے جہاں سے ہر قسم کی اطلاعیں مہمانوں کو دی جاتی ہیں»۔ «رضا کار» اور «تناول خانہ» اس سے پہلے آ چکے تھے۔ ان اخباروں نے بھی، جو ان نئے سکوں کے بہت خلاف تھے، اس روداد کو بلا تکلف نقل کیا۔ «سلیم» برابر اس طرح کے لفظ یاد داشت میں ٹانکتے رہتے تھے اور مناسب موقع پر انہیں اپنی تحریر میں لے آتے۔ ان میں سے کچھ رہ جاتے، بیشتر چل پڑتے، جیسے

(۱) مورخۂ ۸ جنوری ۱۹۰۹۔

« پرند چشم نظارہ (Bird's-eye view) ، طیارہ ، عصرانہ (ایٹ ہوم) ، عید ملاپ جلسہ ، غبارچی (غبارے میں بیٹھ کر اڑنے والا) ، لا حکومی (حکومت کا دشمن گروہ یا شخص) ، وطن پرست (نیشنلسٹ) وغیرہ » . یہ سب انہیں دنوں گڑھے گئے اور جاری ہوئے . نہ کوئی بحث چھڑی نہ مولانا کو جواب دینا پڑا .

علی گڑھ کا یہ دوسرا قیام زیادہ زمانے نہ چلا . برسات ۱۹۰۸ ع میں لرزے بخار کی سخت بلا سارے صوبے میں پھیلی. مولانا بھی مبتلا ہوئے . جب بیماری سے نجات نہ ملی ، ملیح آباد [1] جاکر کئی ہفتے ڈاکٹر عبدالکریم کے ساتھ رہے ، تندرست ہوکر واپس آئے . بڑا علاج یہ تھا کہ طبیب ہر وقت نگراں ، بدپرہیزی سے باز رکھے جاتے . ۱۹۰۹ ع میں پھر بیمار پڑے اور پھر علی گڑھ سے چل دیے ، مگر اس بار واپس نہیں آئے ، پانی پت سے استعفا آیا .

علی گڑھ میں ان کے حالات انہیں کی زبان سے سنے . بے تکلف بیان کرتے : بچپن کی شرارتیں ، لاہور میں طالبعلمی کا زمانہ ، اپنی کس مپرسی کی کیفیت ، مولانا فیض الحسن کی شفقت ، بھاول پور اور رام پوراور آخرمیں سرسید کی صحبتوں کی روداد ، سب کچھ کہتے اور بڑی بیباکی سے ، لطیفوں کی چاشنی کےساتھ . مولانا نے جب ان کی زدہ حالت اور ان کی ذہانت اور محنت کو دیکھا تو ان کو اپنے گھر میں بلالیا ، کھانا اپنے ساتھ کھلاتے . اس سے پہلے حال یہ تھا کہ امتحان کا نتیجہ بہت اچھا رہا جس کے صلے میں وظیفہ ملا : مبلغ تین روپئے ماہانہ جس میں سے دو ثلث ماں کو بھیج دیتے ، ایک تہائی اپنے لیے رہنے دیتے . پوچھا : « ایک روپئے میں مہینا کیونکر کٹتا تھا ؟ » بولے : « سن لیجے ، نانبائی پیسے میں دو موٹی روٹیاں ، چمچہ بھر چنے کی دال ان کے اوپر رکھ کے دے دیتا تھا ، دن میں دو وقت پیٹ بھرجاتا تھا . کبھی کبھی ایک وقت ناغہ کر دیا تو پیسا بچ رہتا . رات کو مسجد میں جا لیٹتا ، کبھی کبھار کسی دوست کے گھر . یہ صورت کئی مہینے رہی پھر مولانا نے اپنے پاس بلالیا » ذہانت کا برا ہو ، شوخی اور بیباکی ان سے بھی کر جاتے تھے ، لیکن وہ فرشتہ خصلت چشم پوشی کرتے اور طرح دے جاتے .

---

(۱) پانی پت میں کسی کو خبر نہ ہوئی . مولانا حالی نے کسی سے سنا کہ مولوی ,,سلیم،، حیدر آباد میں ہیں . انہیں تعجب ہوا کہ ان کو نہیں لکھا . مولانا نے مولوی عبدالحق سے پوچھا (مکتوبات ج ۱ ، ص ۸۳) . [کہنے والے نے غالباً ,, ملیح آباد ،، کو ,, حیدرآباد ،، کہدیا ہوگا .]

ایک شخص نہایت آزاد منش، مغربی شمالی صوبے کے باشندے، «حسامی» تخلص لاہور میں رہتے تھے۔ ان سے ملاقات ہوگئی۔ وہ ایک بار ان کو «تھیٹھر» لے گئے۔ انھوں نے کبھی یہ تماشا کاہے کو دیکھا ہوگا۔ بڑے شوق سے ساتھ ہولیے۔ جب جا رہے تھے دیکھا «حسامی» بغل میں کچھ دبائے ہوئے ہیں، دل میں کہا ہو نہ ہو یہ بوتل ہے۔ تماشاگاہ کے قریب پہنچے تو پوچھا: «آپ کی بغل میں کیا چیز ہے؟» جواب ملا: «بھائی، میری عینک ہے، تھیٹھر دیکھنے کی»۔ تماشے کا وقفہ ہوا، لوگ باہر آگئے «حسامی» نے اپنی حسام نکالی اور خوب پی، کہیے چڑھالی۔ گھنٹی بجی، پھر سب جاکر بیٹھ گئے۔ زرا دیر بعد «حسامی» نے شور غل مچایا اور ایک دنگا ہوگیا۔ تماشے والوں نے انھیں باہر نکال دیا۔ میاں وحید ان کے ساتھ، مگر اب بوتل اِن کے قبضے میں تھی۔ اُدھر سے چھیننے کی کوشش ناکام رہی۔ گھر قریب آیا، یہ دوڑکر اندر جا پہنچے۔ سویرا ہو رہا تھا۔ نوکر سے کہا دروازہ بند کرلو۔ بوتل الماری میں رکھ دی۔ تھوڑی دیر بعد نوکر نے پوچھا: «میاں، اس بوتل میں کیا ھے؟» کہا: «سرکہ ہے، پیٹ کے درد میں فائدہ کرتا ہے»۔ اتفاق کہ دو چار دن بعد مولانا کو شکایت ہوئی تو پوچھا: «سرکہ ہے»؟ نوکر نے کہا: «جی ہاں» اور وہی بوتل اٹھا لایا۔ تھوڑا سا پیا اور لیٹ گئے۔ صبح کو میاں وحید نے مزاج پرسی کی۔ مولانا نے فرمایا: «تمھارے سرکے نے بہت نفع کیا، فوراً نیند آگئی۔» آپ نے کہا: «وہ سرکہ نہ تھا۔ وہ تو حسامی کی عینک تھی۔» مولانا نے تشریح چاہی۔ اِنھوں نے ساری کہانی سنادی۔ مولانا نے نوکر کو پکارا: «گرم پانی اور نمک لاؤ ....»

سر سید کی خدمت میں پہنچے تو بہت خوش رہے، اور یقین ہوتا ہے کہ پہلے سے تیاری کرکے علی گڑھ آئے تھے، [1] اسی لئے بہت جلد سید صاحب کی تعلیمات کو اخذ کیا۔ اکثر کہتے: «مجھے تو سید صاحب نے انسان بنایا، ورنہ میں نرا ملاّ ٹا رہتا، کہیں میانجی گری کرتا یا کسی مسجد میں موذنی کرتا ہوتا» دیر تک ان کا تذکرہ کرتے اور آبدیدہ ہوجاتے۔ کبھی کہتے: «اُس سید والاتبار نے اپنا آرام قوم پر نثار کردیا۔ قوم نے اس کی قدر نہ پہچانی، اس کی دشمن بن گئی۔ یہ انھیں کی ذات تھی جس کا فیض تھا کہ سنی، شیعہ، وہابی اور مسلمانوں

(۱) «مکتوبات»، ج ۲، ص ۱۸۴ پہلی چودہ پندرہ سطریں۔

کے سارے فرقوں کے بچے مل جل کر رہتے اور ایک مسجد میں نماز پڑھتے ہیں». مولانا بڑے فخر سے اپنے کو «نیچری» کہتے تھے، اور اس اصطلاح سے کئی نئی اصطلاحیں دوستوں میں بیٹھ کر اس انداز سے اپنی تقریر میں لاتے گویا کہ یہ صدیوں پرانے لفظ ہیں جو لغت کی پرانی کتابوں میں ضرور آئے ہوں گے. سننے والوں کو متحیر دیکھ کر مولانا ہنستے، پھر تشریح کرتے. «سنچری: وہ نیچری جو سنی سے نیچری ہوئے، شیچری: شیعہ نیچری، وہچری: وہابی نیچری وقس علی ہذا».

سیدھی سادی اُردو نثر کی صراط مستقیم، رقعوں اور خطوں کی حد تک، مرزا غالب کھول چکے تھے، دو چار مناظرانہ تحریریں بھی، «قاطع برہان» کے سلسلے میں ان کے قلم سے «سادہ و سرسری» اردو میں نکلیں، لیکن وہ فارسی خوانوں کے دائرے سے باہر گویا آئیں ہی نہیں. ان کے کم عمر دوست سید احمد خاں میدان میں آئے، تو اُن کے ساتھ اچھا خاصا ایک اکھاڑا: حالی، محسن الملک، شبلی نعمانی وغیرہ جن میں سے ہر پہلوان اپنے فن کا اُستاد نکلا. سید صاحب کے شاگردوں میں «سلیم»، عنایت اللہ[1]، عبدالحق[2] بہت نمایاں ہیں. سلیم کی آزادی پسند طبیعت اخبار نویسی کی طرف بڑھی. پہلے «معارف» (ماہانہ) نکالا جس کی اِدارت کا پہلا قدم تھا: ایڈیٹر کو مضمون نگاروں کی عبارتوں مین حک و اصلاح کا اختیار ہوگا. مولانا حالی، نواب محسن الملک وغیرہ نے خوشی خوشی اِقرار نامے لکھ دیے. «علی گڑھ گزٹ» کے لیے جو مسودے آتے، اُن پر «سلیم» کا اِصلاحی قلم بےدھڑک رواں ہوتا. یہ روش «مسلم گزٹ» میں اور تیز ہوگئی. اِس لیے کہ اب آزادی کا میدان زیادہ وسیع ملا. یہی حال «زمیندار» کے دور میں رہا ہوگا

«علی گڑھ گزٹ» میں بھی، خاص کر ۱۹۰۸ع میں، ایران اور ترکیا کے اِنقلابوں کے موقع پر بڑے جوشیلے مضامین لکھے تھے. جب ایران پر روسیوں نے نرغہ کیا، تو اُن کے خلاف، پھر ستّار خاں نے انقلاب کا جھنڈا اُونچا کیا. تو اُن کی حمایت میں لکھتے رہے. جوان ترکوں نے عبدالحمید ثانی کو خلافت کی مسند سے اُتار دیا تو جوان ترکوں کی ثنا و صفت میں وہ اِداریہ لکھا جس کا عنوان تھا:

---

(۱) سوانح عمری مولانا عنایت اللہ مرتبہ شیخ اسماعیل، لاہور ۱۹۳۹ ع، خصوصاً ص ۲۵.

(۲) انہوں نے تو زندگی ہی اردو کی خدمت میں وقف کردی۔ اللہ اور برکت دی.

«قسطنطنیہ میں آزادی کی صبح اول» اور جسے پڑھ کر اُن لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں جو اُس وقت تک سلطان عبدالحمید کا کلمہ پڑھتے تھے۔ لیکن عملی سیاسیات میں «سلیم» نے کبھی حصہ نہیں لیا، نہ کسی سیاسی ادارے کے رکن بنے. کہا کرتے تھے: «اخبار نویس کو ان چیزوں سے الگ رہنا چاہیے.»

اگست ۱۹۱۲ میں میں بیرون ہند جارہا تھا. دوستوں سے رخصت ہونے لکھنئو گیا. مولانا سلیم سے بھی ملا. اخبار کے کام میں ہمہ تن مصروف اور بہت خوش تھے، صحت بھی بہت بہتر. «درد» اور سید میر جان، مالک اخبار سے تعارف ہوا جو مولوی صاحب کے ساتھ اپنا بیشتر وقت گذارتے تھے.

اپنی حیات کا اخیر زمانہ مرحوم نے حیدر آباد میں یکسوئی کے ساتھ ادبی علمی اور تعلیمی کام میں گذارا. اُن کی قدر بھی خوب ہوئی. سیدراس مسعود اور مولوی عبدالحق جن کی سعی سے جامعۂ عثمانیہ کی بنا ہوئی، نواب صدر یار جنگ حبیب‌الرحمن خاں شروانی (ناظم امور مذہبی) جو ان کے ہمراے تھے مولوی «سلیم» کی قابلیت اور ان کے کارناموں سے بخوبی واقف تھے. سر اکبر حیدری (بعد کو «حیدر نواز جنگ») نے دو چار ہی ملاقاتوں میں «سلیم» کو پہچان لیا اور وہ اکثر اُنھیں «ڈاکٹر جانسن» کے لقب سے یاد کرتے. تعلیمیّات کے ماہر، جامعۂ لکھنئو کے پہلے وائس چانسلر گتیندر ناتھ چکرورتی، خاص کر جامعۂ عثمانیہ دیکھنے آئے. مولانا سلیم کے درس میں بھی گئے. باہر آکر بہت تعریف کی. حق یہ ہے کہ «سلیم» نے جتنے کم عرصے میں اپنے شاگردوں میں علم کا شوق پیدا کر دیا اُس کی مثالیں کم ملتی ہیں.

علاوہ «وضع اصطلاحات» کے، متعدد مقالے، مختلف مباحث پر، لکھے جن میں سے بیشتر رسالہ «اُردو» کی جلدوں میں محفوظ ہیں[۱]. اور رسالوں میں بھی اُن کی نظم و نثر شائع ہوتی رہی تھی.[۲] جو نظمیں اُنھوں نے «مسلم گزٹ» اور

(۱) اصول وضع اصلاحات اردو جلد ۱۹۲۱ ع (شمارہ اپریل) ص ۷۳ - ۸۳، (۲) ,, تلمیحات ,, ج ۱۹۲۱، ص ۴۴۳ - ۴۶۷ اور ۱۹۲۲، ص ۸۵ - ۱۳۰ (۳) ,, تلسی داس کی شاعری ,, - ج ۱۹۲۵، ص ۳۷۷ - ۴۲۶، (۴) ,, عرب کی شاعری ,, ایضاً ۵۴۷ - ۵۹۴، (۵) ,, آیندہ کا خواب ,, (نظم). ایضاً ص ۶۳۹ - ۶۴۳

(۲) ہندوستان کی عام زبان (,, ہمایوں ,, لاہور مارچ ۱۹۲۳ ص ۱۶۷ - ۱۸۷)
,, دکن میں ایک رباعی گو شاعر ,, (,, زمانہ ,, کانپور، اپریل ۱۹۲۸، ص ۳۳۸ - ۳۴۴)
,, جذبۂ نو ,, ۱۱ بیت کی (نظم) (,, مئی ,, ۴۳۹)

« زمیندار » میں وقتاً فوقتاً شائع کیں وہ ہمیشہ فرضی نام سے اخبار میں درج ہوئیں اور وہ اب ہاتھ بھی نہیں آسکتیں۔

ایک اور بڑی خوبی ان کے خصائل میں یہ تھی کہ طالب علمی دور میں جس بیدست و پائی سے دو چار رہے تھے اسے بھولے نہیں، بلکہ اس سے یہ سبق حاصل کیا کہ انسان کو کمانا چاہیے، تاکہ اوروں کو مدد دے سکے ؛ نہ یہ کہ سب اپنے ہی پیٹ میں اتارتا چلا جائے۔ یہ بات ہر شخص کے سامنے کہتے تھے۔ جب عسرت کا زمانہ گذر گیا اور عشرت نے جلوہ دکھایا، تو بھی عمل وہی پرانا جاری رہا۔ اپنی ذات پر کم سے کم صرف کرتے۔ بے تکلف احباب کو نصیحت کرتے : آرایش و زیبایش میں پیسا پھینکنا نہایت نازیبا بات ہے۔ شاید اس خصوص میں وہ حد سے تجاوز کر گئے تھے، لیکن جو عادت سالہا سال کی تنگدستی میں پڑ گئی تھی اس کے چھوڑ دینے سے انھیں راحت نہیں مل سکتی تھی۔ پہلے جب آمدنی قلیل تھی اقربا کی خبر حتی‌الوسع لیتے رہتے۔ مزاج کے تیکھے تھے۔ زرا سی ناگواری پر نوکری کو ٹھوکر مار، بلا توقف پانی پت کی راہ لیتے اور جو کچھ تھوڑا بہت پس‌انداز کرلیا تھا اسی پر قناعت کرتے اور کوئی کاروبار کر لیتے یہاں تک کہ کوئی اور ملازمت گھر بیٹھے آجاتی بستر لپیٹ کے نوکری‌پر چل دیتے۔ ہر حال میں خوش رہتے۔

(۱) عثمانیہ کالج کے کئی طالب علموں نے سرکاری نوکریوں کے لیے درخواست دی صدر کالج نے ان کو سمجھایا کہ سب کی درخواستیں بھیجی تو جاسکتی ہیں لیکن ممکن ہے کامیاب ایک بھی نہ ہو۔ بہتر صورت یہ ہوگی کہ سب مل کر تدبیر کریں اور کوئی کارخانہ ایسا کھولیں کہ ملک کے مصنوعات کو ترقی ہو اور ان کی فروخت سے جو نفع ہو اس میں سے اگلے سال کے تخمینی اخراجات ایک رقم مد محفوظ میں جمع رہے، باقی منافع حصہ‌داروں پر تقسیم ہوں۔ تین چار نوجوان آمادہ ہوگئے۔ کام چل نکلا۔ لوگ حیرت میں تھے کہ لڑکوں نے ساجھے کی ہنڈیا خوب پکالی۔ کچھ دن بعد معلوم ہوا کہ مولانا « سلیم » نے کئی ہزار قرض، بے سود بٹے کے، دے دیا تھا اور رسید تک نہ لکھوائی۔

(۲) « شرر » کی یادگار میں انجمن ترقی اردو نے انعامی مضامین کی تجویز کی پہلا انعام دو سو روپے سالانہ کا مولانا نے اپنے ذمے لیا۔ (تفصیل

«چند ہمعصر» ص ۱۰۳).

(۳) ان کی وفات کے دس گیارہ برس بعد الہ آباد میں ایک نوجوان بی۔ ایس سی۔، میں داخل ہونے آیا، مجھے ایک خط اپنے والد کا دیا جس سے معلوم ہوا کہ یہ صاحبزادے مولانا سلیم کے ایک مخلص دوست کے بیٹے ہیں اور مولانا نے اپنی حیات میں ان دونوں بھائیوں کی تعلیم کی غرض سے ایک بیش قرار رقم محفوظ کردی تھی اور جیسا کہ بعد کو دریافت ہوا دونوں نے مغربی ملکوں میں پہنچ کر اعلیٰ تعلیمی مدارج حاصل کیے۔

ایک معکوس معاملت: علی گڑھ میں مجھے «سایم» نے بتایا کہ ان کی اولاد فقط ایک لڑکی تھی۔ اس کی شادی کے سامان کی تیاری میں جو کچھ پاس تھا سب خرچ ہوگیا، تین سو کی ضرورت اور تھی۔ قرض کبھی لیا نہ تھا۔ دوستوں پر نگاہ دوڑائی۔ ڈھب کی اسامی شمس العلما نذیر احمد دہلوی خیال میں آئے۔ ان سے کہا روپیہ مل گیا۔ کئی مہینے بعد روپیہ واپس کرنے گئے۔ انھوں نے خفا ہو کر کہا: «لڑکی میری ہے۔ آپ کون ہوتے ہیں؟»

مولانا سلیم کی وفات کے بعد سنا گیا کہ بیٹی کے لیے تقریباً اٹھائیس ہزار نقد ترکہ چھوڑ گئے تھے۔

« وضع اصطلاحات »

« وضع اِصطلاحات » کی تالیف ۱۹۲۱ ع میں ختم ہوئی. کتاب اسی سال انجمن ترقی اردو کو سپرد ہوئی، علی گڑھ میں چھپی. کتاب کے سر ورق پر ۱۳۳۹ ھ اور ۱۹۲۱ ع درج ہے (یعنی یکم فروری اور ۳ ستمبر کے درمیان کسی وقت) مگر حقیقت میں اشاعت کی نوبت بہت بعد آئی. مصنف نے جو غلطنامہ پہلے بنایا تھا ناکافی ثابت ہوا اور دوسرے غلطنامے کے چھپوانے میں اور زیادہ تاخیر کا احتمال تھا، انھوں نے مزید اصلاح اپنے قلم سے کرکے چند نسخے صحیح کیے جن میں سے ایک نسخہ مجھے دیا اس فرمایش کے ساتھ کہ میں اسے غور سے مطالعہ کرکے کتاب کے بارے میں جو میرا خیال ہو اسے قلمبند کردوں. جہاں تک یاد ہے یہ ۱۹۲۳ ع کا آغاز تھا، جبکہ جامعۂ عثمانیہ میں بی. اے کا پہلا امتحان ہونے کو تھا اور اگلے تعلیمی سال کے آغاز میں ایم. اے کی تعلیم کا انتظام درپیش. مولانا نے خود کہا کہ تبصرے کا کام فرصت ہونے پر رکھنا مناسب ہوگا. ۱۹۲۴ میں ڈھاکہ یونیورسٹی کی خدمت قبول کرکے، میں وہاں چلا گیا جس سے التوا کو کچھ اور طول ہوگیا. — اپریل ۱۹۲۶ میں تبصرہ ہوسکا اور میں نے ان کے حیدرآباد کے پتے پر خط بھیجا. اس کے جواب میں ان کا ۲۲ مئی کا لکھا خط آیا تو تبصرہ بریلی بھیج دیا. رسید ۱۴ جون کے خط نے دی. اس کے بعد کوئی خط نہ آیا. کئی مہینے گذر گئے تو اندیشہ ہوا کہ تبصرہ شاید پسند نہیں آیا.

کچھ دن انتظار کرکے میں نے انہیں لکھا کہ اگر تبصرے میں کوئی بات آپ کو پسند نہ ہو تو براہ کرم اس سے مجھے اطلاع دیجیے تاکہ میں کچھ عرض کر سکوں اس کے جواب میں ان کا تیسرا عنایت نامہ صادر ہوا. اگلے اوراق میں ان کے تینوں خط نقل کیے جاتے ہیں اور اخیر خط کا عکس بھی.

دوسری اشاعت کی نوبت ۱۹۵۴ ع میں آئی، انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی. حجم ۳۱۸ صفحے. (بجائے طبع اول ۳۰۵ ص) غلطنامہ ندارد.

پہلی اشاعت کی کچھ غلطیوں کی تصحیح اس میں ہوگئی لیکن بیشتر باقی رہیں اور کچھ نئی غلطیاں در آئیں۔

اب چونکہ پہلی اشاعت کے نسخے نہیں ملتے اس لیے از سر نو ایک غلطنامہ ترتیب دیا گیا ہے جو ان اوراق میں شامل ہے اور اس میں صرف نئی (کراچی والی) اشاعت کے صفحوں کی گنتی سے کام لیا گیا ہے۔ اور کوشش یہ کی گئی ہے کہ اس غلطنامے میں کل غلطیاں آجائیں۔

وضع اصطلاحات پر تبصرہ

(جو مصنف کی فرمایش پر ان کی خدمت میں ۱۹۲۶ ع میں بھیجا گیا تھا)

دیباچہ

ص ۲، س ۳ (۱، ۱۰)[1] : «ہیں» کے بعد مناسب ہوگا کہ ان نئے لفظوں کی ایک مختصر فہرست دی جائے جنھیں مصنف نے جاری کیا تھا اور وہ لفظ عام طور پر رائج ہوگئے.

ص ۴، س ۵ ـ ٦ (۳، ۱۸ ـ ۲۰) : «میرے علم میں شاید کوئی ایسی کتاب آج تک نہ یورپ کی کسی زبان میں لکھی گئی ہے، نہ ایشیا کی کسی زبان میں». اس عبارت کو زرا نرم کردیجیے اس لیے کہ یورپ کی بیشتر زبانوں میں اس مبحث پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے اور ایشیا کی زبانیں بھی سراسر اس سے خالی نہیں ہیں.

متن کتاب

ص ۱ (عنوان) : «اصول اصطلاح سازی» کی جگہ اگر «اصطلاح سازی کے اصول» ہو تو کیا مضایقہ ہے؟ بظاہر یہ ایک چھوٹی سی بات ہے مگر میرے نزدیک بعضی ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں بہت اہم ہیں. کتابوں کے ناموں، بابوں اور فصلوں کے عنوانوں تک کے لیے جب اردو ترکیبیں نہیں استعمال کی جاتیں تو اردو کی ترقی معلوم. سب سے بڑی خدمت ہماری زبان کی یہ ہوگی کہ اسے اپنے پانؤوں پر کھڑے ہونے میں مدد دیجیے. میں جانتا ہوں کہ آپ کی بھی یہی راے ہے اس لیے اور بھی آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ جہاں تک ممکن ہو اپنی تصنیفوں کے نام ان کی فصلوں کے عنوان اور گنتی سب کچھ اردو ہی رکھیے. لوگ اکثر گنتی فارسی میں لکھتے ہیں: «فصل دوم» «باب پنجم» وغیرہ حالانکہ تھوڑی ہی دور چل کے فارسی گنتیاں بول جاتی ہیں، اس لیے کہ فارسی کے بہت سے لفظ

(۱) قوسین کے اندر دوسری اشاعت کے معادل ہندسے ہیں.

« شانزدہم ، بیجدہم » وغیرہ اردو کے لیے ایک بار ہیں . خوشی کی بات ہے کہ آپ نے اپنی کتاب کے مختلف حصوں (یا ٹکڑوں) کے ناموں میں فارسی ترکیب کو بہت کم دخل دیا ہے .

ص ۲، نیچے سے پانچویں سطر (۳ ، ٦) : « جب زبان ایجاد نہیں ہوئی تھی . . . ہاتھ پانو اور آنکھوں . . . الخ » . لسانیات والوں نے اس مسئلے پر بہت کچھ بحث کی ہے کہ « زبان ایجاد ہوئی یا انسان کے ساتھ ہی پیدا ہوئی »[۱] مدتوں اس پر تقریر و تحریر ہوتی رہی اور اب لسانیات کا کوئی ماہر ایجاد والے نظریے کا قائل نہیں . عام طور پر جو نظریہ مقبول ہے وہ یہ ہے کہ « زبان انسان کے ساتھ ہی ساتھ وجود میں آئی گوکہ اس کے ابتدائی مدارج میں لفظوں کی تعداد بہت ہی کم تھی اور یہ کمی اکثر و بیشتر اشاروں اور مختلف اعضا کی خاص خاص حرکتوں سے پوری کی جاتی تھی » . پس مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان جملوں کے بعض افظوں میں تھوڑی سی رد و بدل فرمادیں ، مثلاً اس طرح پر : « جب انسانی زبان اپنی ارتقا کے ابتدائی مرحلوں کو طے کررہی تھی تو آوازوں کی جگہ اکثر و بیشتر اعضائی اشاروں سے کام لیا جاتا تھا اور ایک شخص اپنے دل کا مطلب دوسرے شخص کو . . . الخ » .

ص ۳ ، س ۱ (۱۲) : « جن جزائر کی وحشی . . . آوازیں پیدا ہوگئی ہیں » . اس میں مجھے شبہہ ہے کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی بھی ہے جس کے افراد کسی ایک آواز کے ادا کرنے سے بھی مطلقاً عاری ہیں . میری رائے میں بہتر یہ ہوگا کہ اس فقرے میں بھی الفاظ زرا ادل بدل دیے جائیں ؛ جیسے « جن وحشی قوموں میں آوازوں کا ایک نہایت نامکمل سا نظام بھی قائم ہوگیا ہے ، ان میں اشاروں کی کمی . . . الخ » . زرا آگے بڑھ کے سطر ۱۳ (۴ ، ۳) میں پھر تھوڑی سی ترمیم ضروری معلوم ہوتی ہے . « الفاظ اس لیے ایجاد کیے گئے تھے » کی جگہ « الفاظ وضع ہوئے تھے » ہوجائے تو غالباً بہتر ہوگا . یا محض « وضع ہوئے » کی جگہ « وضع اور ایجاد ہوئے » کردیجیے تو بھی چنداں مضایقہ نہیں .

ص ٦، س ۱ (اخیر) : « الفاظ کی تاریخ » کی جگہ « الفاظ کی پوری تاریخ »

---

(۱) پرانے زمانے میں اس بحث پر عربی میں بھی بہت کچھ لکھا جاچکا ہے (ملاحظہ ہو « مزہر » سیوطی ، ج ۱، نوع اول ، نیز « خصائص » ابن جنی ، ج ۱ ، طبع مصر ، ص ۳۹)

ہو تو زیادہ مناسب ہوگا. ص ۸، س ۱۲ (۹، ۱۷) «یورپ کی علمی زبان تمام ممالک یورپ کے لیے ایک بین‌قومی زبان ہے» یہ خیال صحیح نہیں کہ تمام ممالک یورپ کے لیے ایک مشترک علمی زبان ہے یا مشترک علمی اصطلاحیں سارے یورپ میں مستعمل ہیں. واقع میں صرف اس قدر ہے کہ لاتینی خاندان کی یورپی زبانوں میں علمی اصطلاحیں صورۃً مشترک ہیں، تلفظ کے لحاظ سے مشترک نہیں. اس لیے کہ ہر زبان کے بولنے والے ان لفظوں کا تلفظ اپنی اپنی زبان کے رواج کے مطابق کرتے ہیں مثلاً ایک ہی لفظ کا تلفظ فرانسیسی اور طرح سے کرے گا اور ایتالی اور طرح سے۔ انگریزی زبان پر لاتینی کا اثر بہت وسیع اور بہت گہرا ہے اس لیے انگریزی اس خصوص میں بھی لاتینی زبانوں کے گروہ میں جا ملی ہے. مگر سوا انگریزی کے جتنی زبانیں جرمانی (یاتیوتونی) خاندان کی ہیں ان سب کے بولنے والوں نے اپنی اپنی زبان میں خاص اصطلاحیں بنالی ہیں اور لاتینی کے عادی اثر کے زمانے کی یادگار کے طور پر جو لاتینی یا یونانی اصطلاحیں باقی رہ گئی ہیں ان کو وہ اپنی زبان سے برابر خارج کرتے جاتے ہیں. چنانچہ جرمانی، ولندیزی، ڈینی، سویڈی اور فلامی (یعنی فلیمش) زبانوں کا یہی حال ہے. ہاں یہ ضرور ہے کہ اہل علم چونکہ بیشتر لاتینی جانتے ہیں، لاتینی اصطلاحوں سے بھی واقف ہیں. لیکن عوام اپنی اپنی زبان کی اصطلاحیں استعمال کرتے ہیں. علاوہ اس کے بعضے مضمونوں مثلا فلسفے میں تقریباً تمام اصطلاحیں اپنی زبان کی ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جرمانی عوام بھی فلسفے کی کتابوں سے ذوق رکھتے ہیں اور یہی حال اور تیوتونی زبانوں کے عوام کا ہے. ص ۱۰، س ۹، ۱۰ (۱۱، ۱۸): «علاوہ ۰۰۰ کہ یورپ ۰۰۰ (نحو بالمقابلہ) ایک ہے». یہ فقرہ بدل کے یوں کردیا جائے تو بہتر ہوگا: «علاوہ ۰۰۰ کہ نحو بالمقابلہ (کمپیریٹیو گرامر) کے لحاظ سے یورپ کی موجودہ زبانیں، لاتینی اور یونانی سے بعض خصوصیتوں میں مماثلت رکھتی ہیں»

ص ۱۱ (۱۳): دوسرے گروہ کے دلائل زرا زیادہ تفصیل سے بیان کیے جائیں تو بہتر ہوگا اس لیے کہ کتاب کی بنا انہیں دلائل پر ہے.

ص ۱۲، اخیر سطر (۱۴، ۱۹): «اصحاب الرائے». اس سلسلے میں، میں آپ کی رائے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اگر محض «صاحب رائے» کہا جائے تو کچھ مضایقہ تو نہیں، میرے نزدیک «صاحب رائے» اردو میں (مثل «مرد»، «آدمی»، «شخص» وغیرہ کے) واحد بھی ہے اور حالتِ قائم میں جمع بھی ہے. اس لیے

محض «صاحب رائے موجود تھے» کہا جائے تو کوئی حرج نہیں. البتہ دقت پڑے گی جمع محرّف کی حالت میں کہ اردو کے قاعدے کے مطابق — و ن سے جمع بناتے ہیں اور «صاحب رایوں» ابھی تک فصاحت کے درجے پر شاید نہیں پہنچا ہے. میں تو ایسی حالت میں «صاحب رائے لوگوں» کہوں گا. بہت تکلف کیجیے تو «صاحب رائے حضرات» کہیے.

ص ۱۴، ۱۷ (۱، ۱۷) : «انڈو یوروپین» وغیرہ ناموں کے بعد، قوسین میں اردو نام بھی آجائیں تو بہتر ہو؛ اس طرح پر: انڈو یوروپین (یعنی ہند یوربی). انڈو جرمانک (یعنی ہندجرمانی)، انڈو کیلٹک (یعنی ہندکیلٹی).

ص ۱۵، س ۱۲ (۱۷، ۱۸) : «زند» کو یہاں سے نکال دیجیے تو بہتر ہوگا. زند کوئی زبان نہیں ہے، بلکہ اوستا کے متن کا کئی صدی بعد کی زبان میں ترجمہ ہے، اسی طرح پازند اس کی شرح ہے. لوگ غلطی سے زند اور پازند دونوں کو دو زبانیں سمجھ بیٹھے اور جہاں تک میں نے دریافت کیا یہ غلطی اولاً یوربی محققوں نے پھیلائی. مگر اب وہ اس غلطی کو بخوبی سمجھ گئے ہیں اور اپنی تحریروں میں احتیاط سے کام لیتے گئے ہیں. البتہ اس فہرست میں آپ کردی کو داخل فرماسکتے ہیں. اسی سلسلے میں یہ بھی عرض کردوں تو بے محل نہ ہوگا کہ «پازند» میں جو «پا» ہے یہ قدیم فارسی کا سابقہ پتِ ہے (اوستا میں یہی لفظ پاءتِ ہے اور سنسکرت میں پ رَ تِ). اس سابقے کے معنے ہیں «مقابل، جواب» چنانچہ پاسخ (وہ بات جو کسی بات کے مقابلے یعنی جواب میں ہو). اور پادست، پاسنگ، پاداش (= پہلوی پات دہشن) میں پہلا جز یہی سابقہ ہے اور پا زہر (قدیم‌تر پاذ زہر) میں بھی یہی سابقہ ہے (قدیم ت بعد کی زبان میں «ذ» اور کچھ اور آگے بڑھ کر «د» ہوگئی ورنہ اصل میں پات زہر تھا، اور پاءتِ یا پ َتِ پہلوی میں پات ہوگیا تھا). اس نظر سے ص ۲۸ س ۶ میں ترمیم ضروری ہے (ص ۲۸ کی تعلیق بھی ملاحظہ ہو).

ص ۱۸ (۲۰) : Free trade کو خارج کرنا بہتر ہوگا.

ص ۲۰ (۲۲) میں (اور اور جگہ بھی) کچھ انگریزی لفظوں اور ان کے یونانی یا لاتینی اجزا کی کتابت اردو، حرفوں میں کی گئی ہے. اس میں اکثر انگریزی «او» («o») کی جگہ الف لکھا گیا ہے. اگر بجائے الف کے واو

لکھا جائے تو اکثر و بیشتر اصل کے مطابق ہوگا اور انگریزی تلفظ سے بھی بعید نہ ہوگا، اس لیے کہ انگریزی تلفظ « o » کا نہ خالص الف نہ خالص واو، بلکہ دونوں کا مخلوط ہے مثلاً « ڈیماکریٹ » کی جگہ « ڈیموکراٹ » اور « لیتھاس » کے بجاے « لیتھوس » لکھنا بہتر ہوگا. اسی طرح « نوموس » بجاے « نوماس » اور « گلوٹس » بجاے « گلاٹس » « مونو » بجاے « مانو » زیادہ درست ہوگا.

ص ۲۱ (۲۴) « Extra assistant » کو نکال دیجیے تو بہتر ہوگا.

ص ۲۴ (۲۷) « آن » سے پہلے « اِک » (ایک) کے مرکبات کو داخل کرنا ضروری ہے : « اِک رخا » « اک رنگا »، «اکفنا » (یک فنه) وغیرہ. اسی صفحے میں « بل ۰۰۰ آدمی وغیرہ » کو خارج کرنا بہتر ہوگا. فارسی میں نہ « بل » کوئی لفظ ہے (بمعنی بہت) اور نہ ہوس. اصل یہ ہے کہ عربی کے « ابو » کا الف اسی طرح گر گیا جیسے « آبا » اور « ابر » کا اور ناموں میں « ابو علی » کو « بوعلی » وغیرہ بولنے اور لکھنے لگے یہاں تک کہ « ابواسحق » کو « بسحاق » کرلیا. غالب نے برہان کے قول کو بجا رد کیا ہے. فرہنگ رشیدی کے مصنف نے بھی اسے مانا نہیں ہے.

ص ۲۸، س ٦ (۳۱، ۱۰) « پادست » کا یہ محل نہیں. (دیکھیے تعلیق ص ۱۵، س ۱۲ پر)

« پادست » میں « پا » کے معنے « پانو » نہیں ہیں اور اسی لیے « پائدست » کا وجود زبان میں نہیں ہے. [پا کی قدیم‌ترین صورت پاذ تھی جیسے بو کی قدیم ترین صورت بوذ (مجہول واو سے) تھی. بعد کو پای اور بوی اور پھر، آخری ی گر کر، پا اور بو بھی ایک شکل قرار پائی.]

پادست کی اصل ہے : پا = مقابل + دست. اور یہ اسی طرح کی ترکیب ہے جیسے پسادست اور پسادستِ

ص ۲۹، س ۳ (۳۲، ۷) : « (مخفف پانچ) » کے بجاے « (پانچ کا مخفف) » یقیناً بہتر ہوگا. اور چند سطر آگے بھی. [سنسکرت میں « پنچ » ہے (ساکن نون کے ساتھ). اس سے ہماری زبان میں تخفیف ہوکر پنچ (غنہ کے ساتھ) ہوگیا اور پھر غنہ اڑ کر پچ رہ‌گیا.] ص ۲۹، اخیر سطر (۴،۳۳) یہاں ایک حاشیہ دینا مناسب ہوگا : « پانچ کے بعد جب مرکب کا دوسرا لفظ ایسا آیا جس کا پہلا حرف چ کا ہم جنس تھا تو چ گرگئی جیسے پان چار، پان سات، پان سو، پان سیر

پھر جب ان مرکبّوں سے اور لفظ مشتق ہوئے تو پان مخفف ہوکر پن رہ گیا جیسے پنسیری ، پنسیرا». پنسورہ کو یہاں سے خارج کرنا چاہیے . اس لیے کہ اس کی اصل فارسی « پنجسورہ » ہے . ہندی کا پانچ اس کا جز نہیں. اس کے بعد ایک اور فقرہ بڑھانا چاہیے : « پن (ف ٥) ـ (فارسی پنج کا مخفف) پنسور پنشاخا (پانچ شاخوں والی مشعل) . »

[پنجشنبہ کا تلفظ اکثرو بیشتر پنشنبہ ہی کیا جاتا ہے گوکہ لکھنے میں ج کو بحال رکھتے ہیں ، مگر پنجشاخہ مشکل ہی سے کوئی شخص بولتا ہوگا. سب پنشاخا ہی بولتے ہیں. رجب علی بیگ سرور نے « فسانۂ عجائب[1] میں لکھا بھی «پنشاخا» ہے]

ص ۳۱ ، س ، ۴ ـ ٦ (۳۴ ، ۱۰): « پیش گو (وہ شخص ... پیش کرے) » . اس پر یہ حاشیہ دیا جائے تو مناسب ہوگا : « انگریزی Spokesman کا اس سے بہتر ترجمہ نہیں ہوسکتا » .

ص ۳۱ ، س ۹ (۳۴ ، ۱۴): « تباسی» اصل کے لحاظ سے تو بالکل درست ہے . لیکن میں نے اس کا تلفظ « تِواسی» زیادہ سنا ہے . اس کی مجھے تحقیق نہیں کہ دلّی کے فصیح لوگ کیونکر تلفظ کرتے ہیں.

ص ۳۲ (۳۵ ، ۱۸) : دوسری سطر کے بعد « جگت » کو ضرور داخل فرمایئے « جگت آشنا ، جگت استاد ، جگت گرو ، وغیرہ » (سنسکرت کی «د» اردو میں «ت» ہوگئی ہے .)

ص ۳۲ ، س ۸ : امرود . جسے ہم «امرود» کہتے ہیں ایران میں ہوتا بھی ہے ؟ میں نے جہاں تک تحقیق کی یہ میوہ ہندستان کے سوا کہیں نہیں ہوتا مگر « امرود » کا لفظ ہندستان کے مشرقی کنارے سے لے کر قریب مشرق تک بولا جاتا ہے فرق اتنا ہے کہ ہندستان سے باہر جہاں کہیں یہ لفظ بولا جاتا ہے اس سے «گلابی» یعنی «ناخ» «ناک» یا ناسپاتی مقصود ہوتی ہے . ترکی میں اس لفظ کو زیادہ تر قلب کے ساتھ «ارمود» بولتے ہیں مگر «امرود» بھی مستعمل ہے .

پس «خرامرود» کو « ایک قسم کی بےمزہ اور ناہموار ناشپاتی» سمجھنا چاہیے اور عجب نہیں اگر «بہی» کی کسی قسم کو کہتے ہوں. اس لیے کہ بہی ناہموار بھی ہوتی ہے اور بےمزہ بھی. یوں کھانے کے قابل نہیں ہوتی ، ہاں مربّا اچھا ہوتا ہے .[2]

(۱) طبع کلکتہ ۱۲٦۲ ھ ، ص ۱۷٤ ، س ۲ .]
(۲) مزید تفصیل رسالۂ ایشیاٹک سوسائٹی ، لندن ، ۱۹۲۷ ع ص ٦۱ ـ ۵۵۹ میں .

اس سلسلے میں یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بعضے «خر» والے مرکبوں میں «خر» کے معنے «بڑے» کے نہیں ہیں :

(۱) «خرمست» گدھے کی بے تمیزی ہمیشہ سے ضرب المثل چلی آتی ہے . میرا خیال ہے کہ «خرمست» کے اصلی معنے تھے «وہ مست جو اپنی مستی میں گدھے کی سی بےتمیزیاں کرے» . مستی کے بھی تو مختلف درجے ہیں ؛ سرخوشی ، مستی ، مدہوشی ، خرمستی . اسی قبیل کا ایک دوسرا لفظ ہے : «خربت» («خربط»)

(۲) «خروار» (خربار) . (اتنا بڑا بوجھ جو ایک گدھا اٹھاتا ہے .) استعمال میں (یا محاورے میں) اس کے معنی («بڑے بوجھ») کے ضرور ہو گئے ہیں . اور «مشت» کے مقابلے میں «خروار» بہر حال بڑا ہی ہوگا .

(۳) «خرسنگ» : « بے ڈول کُڈھب یا ان گھڑ پتھر » . اور شاید «خرامرود » کا بھی یہی حال ہے «خرچنگ» حقیقت میں مرکب نہیں . یہ لفظ پہلوی «کرچنگ» ہے (اور «خر» پہلوی میں بھی «خر» ہی ہے ، « کر» نہیں ہے . اوستا میں گدھے کے لیے «خر» موجود ہے) یونانی میں «کیکڑا Karikinos (کرِ کِینوس» ہے) . بہرحال «کرچنگ» پرانا لفظ ہے اور اسے «گدھے» سے کسی طرح کا لگاو نہیں ہے . بعد کی فارسی میں کاف ، خ سے بدل گیا ہے . اس کا سبب غالباً یہ تھا کہ زبان میں بہت سے ایسے مرکب لفظ پیدا ہوگئے تھے جن کا پہلا ٹکرا «خر» تھا ، انہیں پر قیاس کرکے لوگوں نے شاید کاف کو غلط سمجھا اور خ کو صحیح تصور کیا .

« خرگاہ » میں بھی « خر » ، « بڑے » یا « گدھے » کے معنے نہیں رکھتا ، نہ اس طرح « خرگاہ » کی ترکیب درست ہوسکتی ہے . میری دانست میں یہ «خر» ایک صورت ہے ُخرّہ (یا َخرَہ) کی جس کے معنے ہیں « شوکت ، جاہ و جلال ، فر » . اس طرح « خرگاہ » کے معنے ہوں گے « فرّ و شوکت کی جگہ » . اسی « ُخرّہ » کی ایک شکل « خَوَرنَہ » بھی ہے جس سے آپ کا عربی « خَورنق » ہے . « خرمن » کے متعلق بھی مجھے شبہہ ہے مگر میں اس وقت اس کا کوئی اشتقاق پیش نہیں کرسکتا . میرے شبہے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کا تلفظ خ کے کسرے کے ساتھ بھی ہوتا ہے .

ص ۳۳ (۳۶) : « خوش » کے بعضے مرکب « ہلکے » یا « آزاد » کے معنے رکھتے ہیں . جیسے « خوش غلاف » ، « خوش باش » وغیرہ . ان کے معنوں

کی تشریح کردی جائے تو بہتر ہوگا۔

ص ۳۴ (۳۷) : « دو » (اور « دُ ») کو بھی داخل کرنا چاہیے ۔ ص ۳۴، س ۷ (ن س) ۔ « در بہشت » فارسی میں تو ہے نہیں ۔ اردو میں ایک مٹھائی کو کہتے ہیں، یہ نہیں معلوم کیوں ۔ پھر « در » کے معنے (اس لفظ میں) « میں » کے کیوں کر مان لیے جائیں ؟

ص ۳٦ (۳۹) : « سَر » اور « سِر » کو الگ الگ قائم کرنا بہتر ہوگا ۔

ص ۳۹، س ۳ (۴۲، ۷) : « سمدھیانہ » میرے نزدیک « سمدھیانا » لکھا جائے تو اچھا ہے ۔ اسی طرح « گھرانا » اور اس قبیل کے سارے ٹھیٹ اردو لفظ ۔

ص ۳۹، س ۵ (۴۲، ۹) : « سِہ کرّر » میرے نزدیک « سِکرّر » ہونا چاہیے، اس لیے کہ یہ « مُکرّر » کا تابع مہمل معلوم ہوتا ہے، اسی طرح جیسے « مِلنا جُلنا »، « میل جول » میں « جلنا » اور « جول » ۔

ص ۳۹، س ۱۳ (۴۲، ۱۷) : « شہ مات » میں « شہ » کے معنے « بڑی » اس لیے نہیں ہوسکتے کہ اس کے مقابلے میں کوئی « چھوٹی مات » نہیں ہوتی ؛ بلکہ مات تو اسی وقت ہوتی ہے جب « شاہ » پر ایسی زد پڑے کہ اس سے بچنے کے لیے اسے کوئی گھر نہ ملے ۔ ہر زد جو « شاہ » پر پڑے اسے شطرنج کی اصطلاح میں « کِشت » کہتے ہیں ۔ اور جب کِشت پڑتی ہے تو مخالف کھلاڑی « کِشت » یا « شہ » کا لفظ بلند آواز سے کہہ دیتا ہے ۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ « شاہ پر زد پڑرہی ہے، اسے بچاؤ » ۔ شہ کا لفظ پہلے تو تہدید کے لیے استعمال ہوا، پھر « کِشت » یا « زد » کا مرادف ہوگیا اور « مات » بغیر « کِشت » کے ہو نہیں سکتی ۔ پس « شہ مات » اور « مات » ایک ہی چیز ہے ۔ عربی میں « الشاہُ ماتَ » کہتے ہیں ۔ بغیر شہ (کِشت) پڑے اگر بادشاہ کوئی معقول چال نہ چل سکے تو اسے « زِچ » ہوجانا کہتے ہیں ۔ اس کو « مات » مشکل ہی سے کہہ سکتے ہیں ۔ ایک صورت ہار کی یہ ہے کہ مخالف کے سب مُہرے مار لیے جائیں، صرف شاہ رہ جائے، اسے بھی « مات » نہیں کہتے، بلکہ « بُرد » کہتے ہیں ۔ « قائم » یا « چومُہری قائم » کھیل کی اس آخری صورت کو کہتے ہیں جس میں دونوں کھیلنے والوں کے پاس صرف دو ہی دو مُہرے (مع شاہ کے) باقی رہ جائیں ۔ یہ نہ ہار ہے نہ جیت، بلکہ دونوں کھیلنے والے اس میں برابر سمجھے جاتے ہیں ۔ البتہ مات کی ایک قسم ہے جو معمولی مات سے زیادہ بڑی شکست سمجھی جاتی ہے ۔ اسے « پیاد مات »

یا « پیدل مات » کہتے ہیں، اس لیے کہ اس میں پیادے سے شہ دے کے مات دیتے ہیں. ایک اس سے بھی زیادہ ذلیل صورت ہار کی ہے، مگر وہ مات نہیں. اسے « شُتر گردش » کہتے ہیں. « کسی کو شہ دینا » کا محاورہ بھی اسی شطرنج کی اصطلاح « شہ » پر مبنی ہے.

« شاہ نشین » اور شہ نشین » میں بڑائی کے معنے کہاں ہیں؟. « وہ جگہ جہاں بادشاہ بیٹھے ». پہلے صرف شاہی مکان میں اس قسم کی ممتاز جگہ ہوتی تھی. پھر اسی قسم کی نشست گاہ اور مکانوں میں بھی بننے لگی تو اسے بھی «شہ نشین» کا نام ملا. اگر یہاں « شہ » بڑے کے معنے میں ہوتا تو مرکب « شہ نشست » ہوسکتا تھا نہ کہ « شہ نشین ».

« شاہ‌بندر » کو یقیناً یہاں سے خارج کرنا چاہیے. یہ اضافی مرکب ہے اور فکِّ اضافت واقع ہوا ہے. « شاہ رخ » بھی « بڑا رخ » نہیں. « رخِ شاہ » کے معنے رکھتا ہے.

ص ۴۲، س ۱۲ (۴۵، ۱۸). « میر شکار » کے دوسرے معنے کیوں چھوڑ دیے؟ یہ چونکہ صحیح معنوں میں اصطلاح ہے، اس لیے اصطلاحات کی بحث میں اس لفظ کا ذکر کرنا خلاف تہذیب بھی نہیں.

ص ۴۵ (۴۸)؛ « نو » (۹) کو بھی داخل کرنا چاہیے، جیسے « نورتن »، « نولکھّا » (ہار)، » نونگا» وغیرہ.

ص ۴۸ (۵۲، ۱)؛ « یکلو (گنجفہ کا یکّہ) ». اردو میں اکثر، اِکّا، اور «اِکلو» مگر ان دونوں کا مفہوم ایک نہیں. گنجفے میں چار بازیوں کے اِکّوں کی قیمت « ایک عدد » ہے، باقی چار بازیوں میں اِکّا قائم مقام دہلے کا ہے، یعنی ترتیب الٹ گئی. بخلاف اس کے « اِکلو » کھیل کے دوران میں بنتا ہے. جب گنجفے کے ۹۶ پتے (یا ورق) تینوں کھلاڑیوں پر بانٹ دیے جاتے ہیں، تو ہر کھلاڑی اپنے ۳۲ پتوں کو بازیوں کے لحاظ سے ترتیب دیتا ہے اور اسے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کون کون سے پتے اِکلو ہیں اور کون سے کھیل کے دوران میں اِکلو بن سکیں گے. فرض کیجیے کہ اس کے ہاتھ میں ایک رنگ (یا بازی) کے مسلسل ۵ پتے (میر، وزیر، دہلا، نہلا، اٹّھا) ہیں، تو ان میں سے پہلے ۴ پتے اِکلو ہیں اور جب اس کھلاڑی کی باری آئے، اسے پہلے اِن چار پتوں کو

میدان میں ڈال دینا چاہیے ۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو چاروں اِکلو سوخت ہو جائیں گے ۔ ایک دوسری صورت لیجیے : کھلاڑی کے پاس ۴ پتے (وزیر ، دہلا ، نہلا ، اٹھا) ہیں ۔ کھلاڑی اٹھا سر کرے گا ۔ جس کے پاس میر ہے ، وہ اٹھے کو لے جائے گا ۔ اب جو باری پہلے کھلاڑی کی آئے گی ، اس کے تین پتوں میں سے اوپر کے دو اِکلو ہیں ، وہ کھیلے جائیں گے ۔

فارسی میں « لو » تہ یا پرت کے معنی پر آتا ہے ۔ « یکلو » ایک اکہرے تار یا دھاگے کو کہتے ہیں ؛ « کفشِ یکلو » وہ جوتا جس کا تلا اکہرا ہو یا جس میں استر نہ ہو ۔ گنجفے کے اِکلو (« یکلو ») کی بنا یہی معلوم ہوتی ہے کہ اِکلو گویا ایک اکہرے تار میں پروئے ہوئے ہیں ۔

ص ۴۹ ـ ۵۲ (۵۲ ـ ۵۶) اور اور بھی کئی جگہ ۔ جو انگریزی لاحقے لکھے گئے ہیں ان کا پہلا حرف بھی چھوٹا ہونا چاہیے ۔

ص ۵۳ ، س ۶ اور ۱۳ (۵۷) ۔ بجائے « امر » کے « مادّہ » یا « بِنا » زیادہ مناسب ہوگا ۔

ص ۵۴ ، س ۲ (۵۸ ، ۷) « کھیدا » ۔ « کھیدا » (بیای مجہول) چاہیے تھا ۔ ہاتھی کے پکڑنے کے لیے گڑھا ۔ س ۷ ۔ اس سلسلے میں « ڈیڑھ خما » (نیچہ) ضرور ہو ۔ ترکیب کے عام دستور کے مطابق اس لفظ کی مجہول یے کو تخفیف کے ساتھ بولتے ہیں : « ڈِرھ خما » ۔

ص ۵۵ ، س ۱۸ (۶۰ ، ۴) : اس میں مجھے شبہہ ہے کہ « پُچارا » ۔ « پونچھنا » سے بنا ہو ۔ میرا خیال ہے کہ یہ لفظ حکایت صوت پر مبنی ہے اور « پُچ پُچ » سے بنا ہے ۔ جب کسی کپڑے یا روئی کی پوریری کو کسی رقیق چیز میں لت کرکے کسی چیز پر ماریے تو « پُچ پُچ » آواز نکلتی ہے ، جیسے کباب کی سیخ پر گھی کا پُچارا دیتے یا دیوار کی پوتائی (نرم کونچی سے) کرتے وقت ۔

ص ۵۶ ، س ۲۰ (۱۶ ، ۸) : « بھڑاس » کو بھی داخل کرنا ہوگا ۔

ص ۵۹ (۶۳) کا « الا » اور ۶۰ (۶۴) کا « الہ » دونوں ایک ہی چیز ہیں ۔ دونوں کے آخر میں الف چاہیے : « ہمالا » اور « شِوالا » ۔

ص ۶۰ ، س ۱۹ (۱۵) : « میاں » کے ساتھ « مِلاں » کو بھی آنا چاہیے ۔

ص ۶۲، س ۱۰ (۶۷، ۸): یوں چاہیے « انا (ہ) (ظرفیت) سِرہانا، گھرانا، سمدھیانا، وغیرہ». («گھرانا» اور «سمدھیانا» میں مجموعے کے معنے بھی ہیں: گھرانا = کنبا، خاندان؛ سمدھیانا = سمدھی کا خاندان.)

ص ۶۳، س ۴ (۶۸، ۲): یہ میری سمجھ میں نہیں آیا. مقصود « برساو» ہے یا « برساءو»؟ یہ دونوں لفظ کچھ نامانوس سے ہیں. اگر «ـــ اءو» (فاعلیت کا) مقصود ہے تو اس کی مثالیں ہوں گی: اُڑاءو، کھاءو، کماءو. اِسی لاحقے کی دوسری صورت ہے «ـــ و» (یعنی جب مادّہ حرف علت پر تمام نہ ہو). اس کی مثالین ہوں گی: اُجاڑو، جھپو، لاگو، نِکھٹو. یہ مثالیں آپ درج کر ہی چکے ہیں (ص ۲۸). اگر اس مقام پر «ـــ و» یا «ـــ اءو» (مجہول «و» سے) مراد ہے تو وہ تو جمع مخاطب کا صیغہ ہے اور اس کا یہ محل نہیں. ممکن ہے کتابت کا سہو ہو.

ص ۶۳، اخیر (۶۸، ۱۹): «رساول» کا اضافہ ہونا چاہیے.

ص ۶۴، ۴ (۶۹، ۶): «صفاءی» کا اضافہ ضرور فرماءیے.

ص ۶۴، ۲۰ (۶۹، ۱۸): «دھوب» کی ب غالباً «شوب» سے آئی اور اس کے بعد «دھوبی» بنا اور «دھوبی» کی پسلی سے «دھوبن» نکلی. اگر «ڈوب» پر خیال دوڑاءیے تو اس کی ب اصلی ہے. اور کوئی مثال ہو تو دیجیے ورنہ ب کا لاحقہ، لاحقہ نہیں. ہاں «شِبہ لاحقہ» کہیے تو عذر نہیں.

ص ۶۵ (۷۰): میری راے میں «باڑا» اور «امام باڑا» اور «قسائی باڑا» لکھا جائے. «قسائی» کو ص سے لکھنا صحیح نہیں. غالباً اس کے ہم معنی لفظ «قصّاب» سے دھوکا کھاکر لوگوں نے یہ کتابت اختیار کی ہے. صحیح «قسائی» (سین سے) ہے اور «قساءَت»، «قساوت»، «قسی القلب» کی بنا پر یہ لفظ اردو میں رائج ہوا ہے. اس کی بنا (یا مادّہ) ہے (ق س و). محض اس لیے کہ «قصاب» میں بھی «ص» ہے اسے «ص» سے لکھنا روا نہیں ہوسکتا.

«باڑا» اور «باڑی» حقیقت میں نیم لاحقوں میں شمار ہونے چاہییں. یہ دونوں مستقل لفظ ہیں جو الگ بھی وہی معنے دیتے ہیں. البتہ «واڑا» اور «واڑی» کی یہ کیفیت نہیں ہے یا نہیں رہی.

ص ۶۵ (۷۰): «باز» کے ذیل میں ان کو ضرور ہونا چاہیے: (۱) دکن

کی اصطلاح « بٹّے باز» (یعنی چٹّے بٹّے لڑانے والا « حُقّہ باز » کے معنوں میں) «دھوکا دینے والا» (۲) « بیٹھک باز » (= چال باز ، قابو چی ، موقع پرست) ، (۳) «چال باز» ، « چال بازی » (۴) « چکمے باز » . (۵) « دِل لگی باز » .

ص ٦٦ ، س ۳ (۷۱ ، ۲) : « نخرہ باز » اور « نخرہ بازی » کے بجائے « نخرے باز » اور « نخرے بازی » لکھا جائے ، اور اسی طرح « طُرّے باز » .

ص ٦۷ (۷۲) : « کناری باف » کے نیچے خط کھینچنا ضروری ہے . « شال باف » لکھنؤ میں عموماً اس لال رنگ کے کپڑے کو کہتے ہیں جسے خود لکھنؤ کے مضافات میں «شال باف » نہیں بلکہ «ٹول» کہتے ہیں . دلی میں اسی کے لیے « قند » کا لفظ رائج ہے . حیدر آباد والے « مَدرْا » بولتے ہیں اور اس کے سوا کسی لفظ کو نہیں جانتے[1] . لکھنؤ اور دلی والے لفظوں کی بنا میری سمجھ میں نہیں آئی سوا اس کے لکھنؤ والوں نے ایک گھٹیا چیز کے لیے ایک باوقار لفظ استعمال کرنے کو خوش مذاقی اور نفاست تصور کیا اور دلی والوں نے کپڑے کے رنگ کو قندِ سیاہ کے مماثل پایا . « ٹاٹ بافی » (یعنی Needle work on canvas) کو ضرور داخل کیجئے .

ص ٦۹ (۷۴) : جھنڈے بردار اور « سونٹے بردار» بولتے ہیں یوں ہی لکھنا بھی چاہیے (اس قسم کے مرکب لفظوں میں « جھنڈے » ، « سونٹے » وغیرہ جمع نہیں بلکہ واحد ہی کی محرف صورتیں ہیں . اسی طرح « ناکے بندی » (ص ۷۰) « برداشتہ » کے ذیل میں « دُم برداشتہ » بھی ہو .

ص۷۴ (۷۹) : « پُرس » کے ذیل میں « ماتم پُرسی » (پرسا) کیوں نہ ہو ؟

ص ۷۷ ، س ٦ (۸۲) : « بادشاہت » کے نیچے لکیر ضروری ہے .

ص ۷۸ ، س ۱۰ (۸۳ ، اخیر) : « خاص تراش » اب کم استعمال ہوتا ہے . اس کی تشریح کر دی جائے تو اچھا ہے . «قاش تراش » کی جگہ غالباً « قاشق تراش » ہونا چاہیے . «قاش» تو ترکی میں بھوں کو کہتے ہیں . شاید اسی لفظ کو فارسی والوں نے استعارۃً پھل کی قاش کے لیے استعمال کیا .

ص ۷۸ (۸۴) : «جات» اصل میں فارسی نہیں . فارسی والوں کے ہاں «آن» اور مختفی ہ پر ختم ہونے والے لفظوں کے لیے « گان » تھا . عربی سے ان کو « آت »

[۱ یہ لفظ سویڈن اور ناروی کی زبانوں سے ، غالباً پرتگالیوں یا فرانسیسیوں کے ذریعے دکن پہنچا .]

کا لاحقہ ہاتھ آیا، اس پر بھی انہوں نے وہی عمل کیا جو «آن» پر ہوتا تھا۔ اس فرق کے ساتھ کہ لاحقے کی عربی اصل کا خیال کرکے گ کو ج سے بدل دیا۔ یہ تصرف کچھ بیجا بھی نہ تھا، اس لیے کہ «گ» اصل لفظ کا قدیم جز تھا جمع اور حاصل مصدر وغیرہ میں باقی رہ گیا تھا۔ عربی لاحقے کی خاطر اسے ج سے بدل دیا جیسا کہ معرب لفظوں کا قاعدہ تھا («انبہ» = قدیم «انبگ» = معرب «انبج» جمع «انبجات» وغیرہ) کہنا چاہیے کہ فارسی کے معرب الفاظ جو «جیم» پر ختم ہوتے ہیں ان کی جمع کے ساتھ فارسی لفظوں کا الحاق کردیا۔

ص ۷۹ (۸۵) «چہ» کے ذیل میں «طاقچہ» بڑھا دینا چاہیے۔ «چی» کے تحت چلمچی بھی ہو۔

ص ۸۱ (۸۶-۸۷) : «چھاپےخانہ» بولتے ہیں۔ یوں ہی لکھا بھی جائے۔

ص ۸۵ - ۸۶ (۹۱ - ۹۲): «بوٹی دار» اور «بوٹے دار» بڑھا دیجیے۔ «تھانے دار» اور «تھانے داری» اور «گتےدار» اور «گتے داری» لکھا جائے «روے دار» سے غالباً «روئیں دار» یا «رویں دار» مقصود ہے۔

ص ۸۷ (۹۲-۹۳) : «ناتےدار» اور لچک دار» چاہیے۔ آگے چل کے «ناکےدار» «ناکےداری»۔

ص ۹۰ (۹۶) : «دوارا»، «گرودوارا»، «رام دوارا» کے آخر میں ہ کی جگہ الف چاہیے۔

ص ۹۴ (۱۰۰): «خالہ زاد» کے نیچے نہ ہو تو بہتر ہے۔ س ۱۰ (۱۱) : «شاطر» سے یہاں مراد ہے پھرتیلا خدمتگار، پیادہ یا ہرکارہ - ان معنوں میں اردو میں اب رائج نہیں۔ ایران میں اب بھی بادشاہ یا بڑے آدمیوں کی سواری کے ساتھ دوڑنے والے نوکر کو کہتے ہیں۔

ص ۹۵ (۱۰۱) : «آب زن» کو داخل کرکے اس طبی اِصطلاح کی مختصر تشریح بھی کر دی جائے۔

ص ۹۶ (۱۰۲) : آج کل کے اردو رسالوں نے کتاب کی اچھی لکھائی چھپائی کو «دیدہ زیب» لکھنا شروع کر دیا ہے۔ کیا فارسی‌دانی رہ گئی ہے!

ص ۹۷ (۱۰۳) «لوہ سار» «بھنڈ سار» کے نیچے لکیر چاہیے۔ «کھنڈسار» کا اضافہ ہوسکتا ہے، جسے «کھنسار» بھی بولتے ہیں اور طنزاً کہتے ہیں: «دو آنے

کے پیسے دے نکلتے تو کھنسار میں دھکا نہ لگ جاتا؟»

ص ۱۰۱ (۱۰۷): «شدہ» کے تحت «رجسٹری شدہ» کو ضرور داخل کیجیے گا.

س ۳ (نیچے سے): کیسے مان لوں کہ «گلشن» اور «روشن» کا «شن» ایک ہی چیز ہے؟ «گلشن» کا «شن» بلا شبہہ ظرفیت کا ہے. تاریخ اس لفظ کی یوں ہے کہ اولاً شین (مجہول یے سے) تھا. بعد کو وہ مجہول یے الف سے بدل گئی (ایسے بہت سے لفظ فارسی میں ہیں جن کی یے، الف سے بدلی ہے) اسی زمانے میں جب «گلشن» «گلشان» تھا عربوں نے اسے اپنی زبان میں لیا تو «جُلّسان» «لمشدد» معرب ہوا. اِدھر خود فارسی میں اصل لفظ سے الف گھٹ کر محض ایک حرکت بھر رہ گیا اور «گلشن» ہوا. بخلاف اس کے «روشن» میں اولاً «ش» ساکن تھا، چنانچہ اوستا میں یہ لفظ یوں ہے: «رَاُخ ش نَ». («اُ» کا ضمہ مجہول) یہ آواز «َ اُ» بعد کی زبان میں عموماً «او» (مجہول) ہوگئی؛ «روخ ش َن» ہوا اور متواتر تین صحیح حرفوں کے آنے سے اخیر حرف کی حرکت لازماً، ماقبل کو چلی گئی اور «روخ َش ن»ہوا۔ «خ ش» کی متحمل بعد کی فارسی نہیں رہی تھی اور قدیم زبان میں جہاں کہیں یہ مرکب آواز تھی اس کا پہلاجز جاتا رہا، دوسرا بچ گیا یوں «روخ شن» سے «روشن» ہوگیا. یہی حال «روغن» کا ہوا کہ اوستا کی زبان میں «رَ اُ غ نَ» تھا اس سے («رو غ نَ») ہوکر «روَغن» ہوا.

ص ۱۰۳ س ۳ (۱۰۹): «طلب (ف)» کے متعلق ایک حاشیے میں تشریح کر دی جائے کہ فارسی والوں نے اس عربی مادے سے فارسی مصدر «طلبیدن بنا لیا تھا. اس لیے اس کا امر فارسی ہے عربی نہیں.

ص ۱۰۶ (۱۱۲) «کار» کے تحت آپ نے بہت سی «کاریاں» بھی درج کی ہیں. «جوتےکاری» رہ گئی.

ص ۱۱۹، س ۶ (۱۲۴): «چھت گیری» اور «دیوار گیری» میں اردو، کی یائے تانیث لگائی گئی ہے. اس لیے یہ نیا لاحقہ بن گیا جس کے مقابلے میں مذکر لاحقہ گیرا ہے اس کی مثالیں آپ نے دی ہیں مگر «گیر (ف)» کے ذیل میں: «نم گیرا، اٹھائی گیرا، گوں گیرا». بہتر ہو اگر «گیرا، گیری» الگ الگ قائم کیے جائیں.

ص ۱۲۱، س ۱۵ (۱۲۷، ۶): «م (ف)» اور «م (ہ)» کو جدا جدا کردینا چاہیے. اس سطر میں «پنجم» غالباً سہو کاتب ہے: «پنچم» چاہیے پنچم اور «مدھم» موسیقی اصطلاحیں ہیں. «ریشم» کو نکال دینا بہتر ہوگا؛ اس لیے کہ اس کا اشتقاق اب تک معرض بحث ہے.

ص ۱۲۱، ۱۶ (۱۲۷، ۸) : « بیگم » اور « خانم » میں جو میم ہے وہ سوائے ان دو لفظوں کے اور کہیں نہیں آتا۔ اس لیے ان کا ذکر کرنا کتاب کے مبحث کے لیے سودمند نہیں۔ خود ترکی میں سوائے ان دو لفظوں کے یہ « م » کہیں نہیں پایا جاتا بلکہ ترکی میں کوئی علامت تانیث یا تذکیر کی نہیں ہے (نہ اسم میں نہ فعل میں)۔

ص ۱۲۲ ، ۵ (۱۲۷ ، ۱۹) : « مان (٥)۔ ججمان ، دھنمان ، ہنومان وغیرہ » اضافہ کیجیے۔ « مہمان (مہ = بڑا) » ممکن نہیں۔ « بڑے کے مانند » سے « ضیف » کیوں کر نکل آیا؟ اور اس کو مان بھی لیجیے تو اس کا کیا جواب کہ « مہمان » تو خود ہی مخفف « میہمان » کا ہے اور « میہہ » بڑے کو نہیں کہتے ، مِہ کہتے ہیں۔ مان بھی یہاں « مانند » کے معنے نہیں رکھتا بلکہ « صاحب » کے معنے رکھتا ہے۔ « مہمان » میں جو ی کی تخفیف کی گئی ہے وہ بہت بعد کی چیز ہے۔ « میہمان » کے صحیح اِشتقاق کی رو سے معنے « میزبان » نکلتے ہیں ، اس لیے کہ اوستا میں « مَ اِ ثَ نَ » گھر کے معنے میں آیا ہے ، پہلوی میں یہ لفظ « م ے ہَ ن » ہوگیا۔ اس طرح « میہمان » کے لغوی معنے « صاحب خانہ » کے ہوئے۔ میرا خیال ہے کہ قدیم زمانے میں ایرانیوں کے ہاں مہمان کو اخلاقاً « صاحب خانہ » کے مرادف لفظ سے خطاب کرنے کا دستور تھا۔ اب رہا « میزبان » سو یہ بالکل نیا لفظ ہے۔ خود « میز » ہی کا وجود قدیم زبان میں نہیں ہے اور اس زمانے میں میز پر کھانا کھانے کا دستور بھی ایران یا پڑوس کے ملکوں میں نہ تھا۔

« آسمان » کے متعلق عرض ہے کہ انسان کی ابتدائی تاریخ پر لحاظ کیجیے تو پہلے اسے « آسمان » دکھائی دیا ہوگا ، اور پھر کہیں صدیوں بعد چکی ایجاد کرنے کی نوبت آئی ہوگی۔ اس لیے یہ یقین کرنا درست نہ ہوگا کہ اس نے جب چکی بنا لی تب آسمان کے لیے نام تجویز کرنے کی فکر ہوئی اور « آسمان » کا نام « چکی » سے مستعار لیا۔ دوسرے قدیم فارسی میں « آسمان » میں دونوں الف کی جگہ صرف فتحہ تھا یعنی « اَسمَن »۔ پہلوی میں آکر « آسمان » ہوا۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ یہ « مان » (جو حقیقت میں « مَن » تھا) مانند کے معنے نہیں رکھ سکتا۔ « آس » مخفف ہے « آسیا » یا « آسیاو » کا اور یہ تخفیف غالباً پہلوی زمانے کے بعد کی فارسی میں ہوئی ہے۔ پہلوی میں صرف « آسیاو » ملتا ہے۔

ص ۱۲۲ (۱۲۸) : « ن » کے متعلق جو قاعدہ بتایا گیا ہے وہ درست نہیں۔

« بکرا، لڑکا، گھوڑا » کے آخر میں الف ہے مگر ان کی تانیث « ن » سے نہیں ہوتی. پس اس کو قاعدہ نہیں کہہ سکتے. اس کے علاوہ « چمار » سے « چمارن » « لوہار » سے « لوہارن »، « کمھار » سے « کمھارن »، « بنیا » سے « بَنِن »، «آم» سے « آمن »، « کسان » سے « کسانن »، « تحصیلدار » سے « تحصیلدارن »، « تھانےدار » سے « تھانےدارن » وغیرہ، کی تانیث کا یہ قاعدہ یوں بنایا جائے تو ٹھیک ہوگا:

« مردوں کے جن لقبوں سے پیشہ، قوم، کارگزاری وغیرہ ظاہر ہوتی ہو، ان کی تانیث اکثر « اِن » یا « آن » سے بنتی ہے. » مستثنیات: « ناگ » سے «ناگن» « آم » سے « آمن ». یہ دونوں مونث اس بنا پر ہیں کہ « ناگ » اور « آم » کو شخص فرض کرلیا، یعنی ان کو « شخصایا » ہے.

ص ۱۲۳ (۱۲۸): « پھسان »، « رپٹن » میں اسمیت ہے ظرفیت نہیں ہے.

ص ۱۳۶، ۷ (۱۴۱ - ۱۴۲): « آری ». اس سلسلے میں « گُمزی » «گنبد = گنبذ = « گمّز » کی تصغیر) اضافہ ہو، اور « مغزی » (یعنی گوٹ، پتلی سنجاف) بھی آجائے تو اچھا ہے.

ص ۱۳۶، ۱۶ (۱۴۲، ۱۳): « عربی میں جمع کو ... مگر اردو میں یہ قید نہیں الخ ». یہاں عرض کروں گا کہ « کرامات، طلسمات » وغیرہ تو اردو میں واحد ہی کے طور پر استعمال ہوتے ہیں، « دہات » (یا « دیہات ») بھی اکثر واحد کے طور پر بولا جاتا ہے. « تصباتی » البتہ مناسب مقام ہے.

ص ۱۳۷، اخیر (۱۴۳، ۱۶): « کُتیا » کا لفظ، یہاں سے ہٹا کر اگلے فقرے میں شامل کردیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا، اس لیے « کُتّا » کی تانیث « کُتی » ہے. « کتیا » تصغیر ہے « کتی » کی.

ص ۱۳۸، سطرا (۱۴۳، ۱۷): « یا (ہ) تصغیر ...» کے تحت « تعوذیا » (تعویذ سے)، اردو میں تلفظ: « تاوِزیا » (= کُرتے کے گریبان کی گوٹ جس میں ایک طرف بوتام، دوسری جانب کاج ہوتے ہیں) ضرور بڑھا دیجیے. تصرف اس میں کئی ہوئے ہیں، لیکن لفظ ٹکسال باہر نہیں.

ص ۱۳۸، ۳ (۱۴۳): « انگیا » انگ سے بیشک ہے، لیکن « انگا » (انگرکھا) کی تصغیر ہے اور تانیث بھی. وصفیت اس میں نہیں، اور اگر ہے بھی تو غلبہ

اسمیت ہی کا ہے۔

« یا (ہ)۔ وصفیت » کے تحت « برفیا » (برف بنانے یا بیچنے والا) اور «کبابیا» نیز «انیسیا» اور «دبیریا» کو لانا چاہیے۔

ص ۱۳۹، ہ (۱۴۴) : « یار (ہ) .... منیار (منڑین = چوڑی سے) »۔ منیار اصل میں « منہار » تھا۔ بعضے علاقوں کے لہجے میں ہ بدل کر ی ہوئی۔ اس لیے اس لفظ کو لاحقہ (یار) کے تحت لانا درست نہیں۔ سنسکرت میں جواہر، موتی، زیور وغیرہ کو मणि (م ن ڑِ) کہتے تھے۔ منڑین (یا منڑیں) اُسی کی ایک شکل ہندی میں ہے اور ظاہرا اس سے ایک اور شکل پیدا ہوئی: « بنگڑی »[1] جو چوڑی کے پہلو بہ پہلو دکھن میں عموماً رائج ہے۔ اسے انگریزوں نے bangle کے روپ میں اپنایا ہے جو اب انگریزی کا ٹکسالی لفظ ہے۔ پھر کہیں کہیں منیاری یا منہاری (مَ ن ہاری) جوہری کے کاربار کو کہنے لگے اور ہر اس دکان کو جس میں طرح طرح کی خوشنما چیزیں بکتی ہوں « منیاری کی دکان » چوڑیاں بنانے یا بیچنے کا پیشہ بھی اس زمرے میں آگیا تو جواہر اور زیور کا کاربار کرنے والوں نے « جوہری » کا اِمتیازی لقب اختیار کیا۔

۱۴۲ (۱۴۸) : « ین (ف) .... آستین (اصل میں دستین ہے) »۔ مجھے اس میں تامل ہے۔ آستین، آستیم اور ان کا مخفف « آستی، استیم » یہ چار شکلیں کلامِ فُرس میں ملتی ہیں۔ « دستین » نظر سے نہیں گذرا۔

ص ۱۴۲ (۱۴۸) : اس میں بھی کلام ہے کہ « آیینہ کی اصل آہینہ ہے۔ اس لیے کہ آہن کی شکل پہلوی میں « آسین » (بیای معروف) ہے۔ اور بھی کئی ایرانی زبانوں میں اس کا س اب تک برقرار ہے، جیسے کُردی میں (کہ وہ بھی ایک ایرانی زبان ہے) « ہاسِن، » « ہِسن » اور آسن » ؛ بلوچی : « آسِن »۔ بخلاف اس کے « آیینہ » کے لیے پہلوی میں ہے : « آئینینک »۔ پہلوی حرفوں میں متشابہات بہت ہیں اور یہ لفظ «آدوَینک» (آ د و ی ن ک) وغیرہ بھی پڑھا جاسکتا ہے مگر اس کی صحیح قراءت غالباً «آدینک» ہے (اور قدیم «د ا ل» جس کے ما قبل حرف علت ہو بعد کی زبان میں ہر جگہ «ی» ہوگئی ہے اور آخر کا

(۱) «بنگڑی» کی اور بھی شکلیں ہیں: بنگری، بنگلی، ونگلی جیسا کہ پلیٹس نے اپنی ہندستانی۔ انگریزی لغات میں لکھا ہے۔

« ک » تو مختفی « ہ » ہو ہی گیا ہے) . بلوچی میں آج بھی آئینے کو « آدینک » اور « آدین » (مجہول « ے » کے ساتھ) بولتے ہیں . اب اس تمام تشریح کے بعد اگر پہلوی کے دونوں لفظوں « آسین » (یعنی آہن) اور « آدینک » یا « آئینینک » (= آئینہ) کو سامنے رکھیے تو معلوم ہوجائے گا کہ یہ دونوں لفظ ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں . میری رائے میں تو « آیینہ » کو اس فہرست میں سے نکال ہی ڈالنا بہتر ہوگا . اس لیے کہ « آئینہ » اور « آہن » دونوں میں « نون » اصلی ہے ؛ اور « دیرینہ » ، « روزینہ » وغیرہ میں نہیں . اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ « آئینہ » « آہن » سے مشتق ہے تو بھی صرف ہ لاحقہ ٹوہرتی ہے اور لاحقہ « ینہ » کے تحت اُسے لانا درست نہیں .

ص ۱۵۰ ، اخیر سطر (۱۵۶ ، ۷) : « جھٹالنا » میری دانست میں « جھوٹ » سے نہیں ہے ، « جھوٹا » سے ہے ، اس لیے کہ « منہ جھٹالنا » میں « جھٹالنا » منہ جھوٹا (یعنی آلودہ) کرنے کے معنے پر ہے . « جھوٹ » سے « جھٹلانا » ہے یعنی کسی کو جھوٹا قرار دینا ، کسی کی بات کو جھوٹ ٹھیرانا .

ص ۱۵۱ ، اخیر سطر (۱۵۷ ، ۷) : « سرد » سے « سردانا » ہے اور « سردی » سے « سردِیانا » یعنی سردی کھاجانا ، جیسے « آتش بازی سردِیا گئی » . اس کو بھی داخل کرنا بہتر ہوگا .

ص ۱۵۶ ـ ۱۵۸ (۱۶۱ ـ ۱۶۴) : اردو میں آریائی زبان کے لفظ اگر صرف چار پانچ سو ہی ہوتے اور عربی کے پچاس ہزار تو بھی اردو سامی زبان نہ قرار پاتی بلکہ آریائی ہی رہتی . کسی زبان کی صرف‌نحو اور اس کے ابتدائی لفظوں اور مادّوں کی نوعیت کی بنا پر فیصلہ کیا جاتا ہے کہ وہ زبانوں کے کس خاندان کی رکن ہے یا ہو سکتی ہے .

ص ۱۶۱ (۱۶۷) : « گوٹا » ، « باجا » وغیرہ کو کاتب نے « ہ » سے لکھا ہے . الف سے لکھنا چاہیے تھا . کتاب میں اور بھی بعض جگہ اس قسم کی اصلاح کی ضرورت ہے .

ص ۱۶۱ (۱۶۸) : « یکـّہ » کے متعلق عرض ہے کہ یہ فارسی ہے اور « فرید ، تنہا ، بےنظیر » کے مفہوم میں اردو میں بھی مختفی ہ سے لکھا جانا چاہیے . لیکن « اِکاّ » اردو ہے (ایک سے نہ کہ یک سے) = « ۱ » ایک گھوڑے والی

ہلکی گاڑی جو صرف شمالی ہند میں رائج ہے۔ (۲) گنجفے کا پتا جس پر ایک بندکی یا نشان ہو؛ (۳) ایک بتّی والی شمع یا فتیل‌سوز، (۴) ایک خاص قسم کا بازوبند جس پر (بخلاف جوشن یا نونگے کے) صرف ایک بڑانگ جڑا ہوتا ہے اور اس کے نیچے ڈبیا بنی ہوتی ہے جس میں عطر کی پھریری رکھ لی جاتی ہے۔ (یہ صرف ایک ہی اور اکثر بائیں بازو پر باندھا جاتا ہے)۔

ص ۱۶۲، اخیر سطر (۱۶۹، ۶): «زادِ راہ، ٹخنہ»۔ کی جگہ چاہیے تھا: «زادِ راہ۔ ٹخنا۔»

ص ۱۶۳، س ۹: «قصائی» میں ص صحیح نہیں۔ تفصیل ص ۶۵ (۷۰) کی تعلیق میں گذر چکی۔

ص ۱۶۴، س ۲ ن۔س۔ (۱۷۱، ۵) «دَین» کے بعد (دِین) کو بھی داخل کرنا چاہیے۔ اس کے معنی ویسے تو بہت سے ہیں مگر تین اہم ہیں اور انھیں تین معنوں کی جھلک باقی معنوں میں پائی جاتی ہے۔ (۱) حالت، نوعیت، عادت۔ (ان معنوں میں «دِین» ٹھیٹ عربی ہے)۔ (۲) عدل، حساب جو عدل کی غرض سے کیا جائے۔ «یوم‌الدین» اسی سے ہے اور اسی سے ہے «دیّان» = عدل کرنے والا، قاضی، خدا کا ایک نام، اس لیے کہ وہی حقیقی قاضی اور منصف ہے۔ (ان معنوں میں «دین» دخیل ہے اور آرامی سے جو ایک سامی زبان ہے، قدیم زمانے میں عربی میں آگیا تھا)۔ (۳) مذہب (اس معنے میں بھی «دین» دخیل ہے اور قدیم زمانے میں فارسی سے عربی میں آگیا تھا۔ فارسی میں اس کی «ے» مجہول تھی، تعریب کی بنا پر معروف ہوگئی)۔

ص ۱۷۱، س ۶ ن۔س (۱۷۸، ۱۰) «جرمنی»۔ یہ لفظ انگریزی سے اردو میں آیا ہے۔ مراد اس سے وہ ملک ہے جہاں «جرمن German» بستے ہیں۔ «جرمن» صفت ہے اور اس ملک کے باشندوں کی زبان کو اور وہاں کے باشندے کو بھی کہتے ہیں۔ اردو میں آکر «جرمنی» کی «ی» نے خلطِ مبحث پیدا کر دیا۔ لوگ سمجھے کہ یہ اردو یا فارسی کی نسبتی «ی» ہے اور یہ غلطی بعضے ان صاحبوں کی زبانوں پر بھی ہے جو انگریزی میں اچھی استعداد رکھتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ لاتینی میں اس ملک کے بسنے والوں کو «گِرماُنس» اور خود ملک کو گِرمانیا کہتے تھے۔ انگریزی میں آکر «جرمن» اور ملک کے لیے «جرمنی» ہوگیا۔

اردو میں یہی مناسب ہوگا کہ ملک کا نام «جرمانیا» ہو اور وہاں کے باشندے اور وہاں کی زبان وغیرہ کو «جِرمانی» کہیں. خود «جرمانیا» والے اپنے لیے اور اپنے ملک کے لیے یہ نام نہیں استعمال کرتے البتہ قدیم زمانے کے جرمانیوں کو «گرمانن» (واحد: «گرمان گ اور نٓ مجہول کسرے کے ساتھ) کہتے ہیں جن کو انگریزی میں Teuton یعنی («ٹیوتونی») کا نام دیا گیا ہے اور جن میں جرمانیوں کے علاوہ شمالی یورپ کی اور بہت سی قومیں: انگریز، ولندیزی، ڈینی وغیرہ شامل ہیں.

میری دانست میں بہتر ہے کہ ہم اردو میں Germany کے لیے «جرمانیا»، German کے لیے «جرمانی» اور Teuton اور Teutonic کے لیے «گرمانی» کہیں اور قدیم تیوتونیوں کا ذکر آئے تو ان کے ملک یا وطن کے لیے «گرمانیا» بولیں.

ص ۱۸۱، س ۲۰ (۱۸۹، ۷): «ستروان» کی جگہ «سَـتّرھواں» چاہیے (یعنی ۱۷واں) — اور سَـتّرواں = ۷۰واں.

ص ۱۸۲، س ۱۸ (۱۹۰، ۷): «معہ». «مع» بہتر ہوگا تاکہ «مع» اور «معہ» کا فرق اردو میں بھی عربی کی طرح نمایاں رہے.

ص ۱۸۵ (۱۹۳): اور آگے — مانا کہ کن وین شن اور اصطلاح کے لغوی معنے ایک ہی سے ہیں لیکن اس بات کو نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ جس مفہوم میں یہ دونوں لفظ یہاں استعمال ہوے ہیں اس کے لحاظ سے ان دونوں کی تعریفیں ان کے لغوی معنوں سے مختلف ہیں. امر زیر بحث میں جو لوگ کن وین شن سے پرہیز کرنا چاہتے ہیں ان کا مقصود اس لفظ کے برے معنے ہیں، یعنی اس طرز عمل سے جس کی بنیاد کسی اصول پر نہیں بلکہ محض قرار داد پر ہے اور اصطلاح کا یہ مفہوم نہیں کہ اس میں اصول کو دخل نہ ہو. کن وین شن کے بھی مدارج ہیں. فرض کیجیے کہ تین مختلف گروہ اصطلاحیں طے کریں: ایک گروہ یہ قرارداد کرلے کہ ہم نہ تو لغت کی پروا کریں گے نہ صرف نحو کی نہ حسنِ مذاق کی، بلکہ چند آوازوں کو ملا کر لفظ بنالیں گے اور اس کی ایک تعریف بنادیں گے. دوسرا گروہ کہے کہ ہم صرف نحو یا حسن مذاق کا لحاظ نہ کریں گے، جو لفظ زبان میں موجود ہیں انہیں میں سے بعض کو ملا جلا کے یا گھٹا بڑھا کے نئے لفظ پیدا کرلیں گے، عام اس سے کہ ان کی ترکیب صرف و اشتقاق کے مطابق ہو یا نہ ہو. تیسرا گروہ ایسے لفظ بنائے جن میں لغت صرف و اشتقاق، حُسن مذاق تینوں کا لحاظ امکان بھر رکھا گیا ہو پہلے گروہ کا کن وین شن

یقیناً معیوب ہے خواہ کتنے ہی بڑے بڑے علما و فضلا نے ایسی قرار داد کی ہو ، زبان ایسی چیز کو قبول نہیں کرسکتی ۔ اس کنوین‌شن سے پرہیز لازم ہے ۔ دوسرے گروہ کا کنوین‌شن بھی پہلے کے لگ بھگ ہے ۔ تیسرے گروہ کے طریقے میں کن‌وین‌شن کو بہت کم جگہ دی گئی ہے اس لیے وہ قابلِ عمل بھی ہے اور قابل قبول بھی ۔ میرے نزدیک تو اس بات میں شبہے کی مطلق گنجائش نہیں کہ اصطلاحوں کے وضع کرنے میں کن‌وین‌شن یا نری قرارداد سے جتنا کم کام لیا جائے گا اتنی ہی وہ اصطلاحیں زیادہ مناسب ہوں گی اور آسانی سے رائج ہوسکیں گی ۔

ص ۱۹۴ (۲۰۱) « لِس » (less) بالکسر ہے ۔ « anti » میں بڑا حرف (A) نہ چاہیے ۔ اسی طرح اور سابقوں اور لاحقوں میں بھی پہلا حرف بڑا نہ ہو ۔ سابقوں کے اخیر حرف کے معاً بعد اور لاحقوں سے پہلے ہائفن (hyphen) لگایا جائے ۔

ص ۱۹۵ (۲۰۳) انگریزی سابقے اس طرح لکھے جائیں :—

eph-, ep-, epi-, up-, super-, hyper-, over-

ص ۱۹۶ (۲۰۴) « All India National Congress » چاہیے ۔

ص ۱۹۷ ، س ۵ (۲۰۵ ، ۷) : « اسم » سے نیا جملہ شروع ہوتا ہے ؛ اس سے پہلے وقفے کا نشان چاہیے ۔

ص ۱۹۹ ، س ۱۲ (۲۰۷) : « باروسکوپ » چاہیے ۔

ص ۲۰۰ ، س ۱۲ (۲۰۸) : « بارپیما » اور « بارنگار » کے اشتقاق کی حاشیے میں تصریح کردی جائے ، ورنہ اکثر پڑھنے والوں کو دھوکا ہوگا کہ « بارومیٹر » کے « بار » (bar) کو لے کر اس کی جگہ اس کے فارسی ہم آواز « بار » سے کام لیا گیا ہے ۔ اسی طرح آگے ، ص ۲۰۶ (۲۱۵) میں یہ بتادینا ضروری ہے کہ فارسی میں بھی ایک لاحقہ « ــین » ہے ؛ جیسے « رنگین » ، «ریشمین» ، «خونین» ، « نمکین » وغیرہ میں ۔

ص ۲۰۱ (۲۰۹) « جراحی عملوں ... الخ ۔ » یہ تجویز تکلف سے خالی نہیں ۔ لاحقہ «چی» ہر جگہ مناسب نہیں ہوتا ۔ خود انگریزی میں زیر بحث لفظ (لاحقہ ist- کے ساتھ) شاذ ہے ۔

ص ۲۰۷ ، س ۳ : « کفورنا » ہوسکتا ہے تو پھر « کپورنا » میں کیا حرج

ہے ؟ میری دانست میں « کپورنا » بہتر ہوگا.

ص ۲۰۷، س ۷ (۲۱۶، ۵) : « الکٹروکیوٹ . . . بجلی سے پھانسی دینا [برقانسنا = (برق + پھانسی + نا)] . . . [برِقیرنا =) برق + چیرنا)] » .

اس تجویز سے مجھے سرِ مو اتفاق نہیں. (۱) ایکزیکیوٹ کے معنے حقیقت میں پھانسی دینا نہیں، بلکہ « حکم کی پوری تعمیل کرنا » ہے. کنایۃً سزائے موت کے حکم کی تعمیل کرنے کو کہتے ہیں، عام اس سے کہ وہ « گردن مارنا » ہو یا « پھانسی دے کر مارنا ». (۲) خود « پھانسی » سے اردو میں کوئی مفرد مصدر (یا فعل) موجود نہیں، بلکہ « پھانسی دینا »، « پھانسی پانا یا دیا جانا وغیرہ » بولتے ہیں اور « پھانسنا » میں یہ مفہوم ہے ہی نہیں. اگر برقی آلوں کی مدد سے پرندوں یا اور جانوروں کو زندہ پکڑ لینے یا جنگ میں دشمن کو اسیر کر لینے کے لیے « برقانسنا » تجویز کیا گیا ہوتا تو شاید زیادہ نامناسب نہ ہوتا. (۳) electrocute کوئی ایسی اہم اصطلاح نہیں جس کے لیے اردو میں ایک نئے لفظ کا بنانا لابدی ہو. (۴) اصطلاحوں کے بنانے میں تخفیف در تخفیف اور تصرف در تصرف سے بچنا ہر لحاظ سے مناسب بلکہ ضروری ہے. نحت کے اصول کو برتنے میں بہت احتیاط لازم ہے. « برقیرنا » بھی اچھا نہیں.

ص ۲۱۰ (۲۱۹) سے ۲۱۱ (۲۲۰) تک « اردو کے جدید مصادر » کے عنوان کے تحت جو لغات تجویز کیے گئے ہیں ان میں سے « تلفانا »، « درسانا »، « جلسانا »، « رقصانا »، « سرسمانا »، « کلسانا »، منظرانا »، « ہضمانا »، « ہندسانا »، « یرقانا » کو خارج کردینا بہتر ہوگا. «زلزلانا»، « طنطنانا » تو بولتے ہی ہیں، اور « نظرانا » بھی کوئی نئی چیز نہیں. « نظرائی دینا » (دکھائی دینا کے مفہوم میں) برابر بولا جاتا ہے ؛ اس امر کی طرف اشارہ (حاشیے میں) کردیا جائے تو مناسب ہوگا. اس سلسلے میں بعضے ایسے لفظ بھی ہیں جو شاید زیادہ مفید مطلب نہ ہوں. وہ بھی اگر حذف کردیے جائیں تو اچھا ہو.

ص ۲۱۳ (۲۲۲). « برق » کے عنوان سے جو نئے لفظ تجویز کیے گئے ہیں تقریباً چار صفحے ان سے پُر ہیں. ان میں سے کچھ ضرور کم کیے جاسکتے ہیں.

ص ۲۲۱، س ۲ (۲۳۰، ۱۱). « بقرعید » (اصل میں بکر + عید یا بکرا + عید)

(یعنی « بکرید ») تھا . غالباً ادیبوں نے اسے عربا کے « بقرعید » بنایا ہے .

ص ۲۲۱ (۲۳۱) « ہندی ـــ عربی کا ملاپ » یہاں « دودھ شریکا بھائی » کے بعد « دودھ شریکی بہن » بھی آنا چاہیے . اور « کھُن کھسوٹ » بھی .

ص ۲۲۱ ، اخیر سطر (۲۳۱ ، ۹) « دست خط » اب کون بولتا ہے ؟ اب تو « دسخط » ہے . « فارغخطی « سے « فارخطی » دکن میں بلا تکلف بولا جاتا ہے .

ص ۲۲۲ ، س ۳ (۲۳۱ ، ۳) « گرم مصالحہ » کے بجائے « گرم مسالا » چاہیے .

ص ۲۲۳ ، س ۱۳ (۲۳۳ ، ۱) « چھاپے خانہ » لکھنا چاہیے .

ص ۲۲۵ (۲۳۵) نشان (٦) کے متعلق عرض ہے کہ اس ذیل میں جو مثالیں دی گئی ہیں ان کی بنا زیادہ تر دو لفظوں کے اجتماع یعنی (« جکسٹا پوزِشن ») کے طریقے پر ہے اور ان مرکبوں کو « امتزاجی مرکب » کہنا زیادہ مناسب ہوگا . « اضافتِ مقلوب » تو حقیقت میں متاخرین کی « من گڑھت » ہے . ان بزرگوں نے یہ سمجھ لیا کہ فارسی میں اضافت کی ایک ہی صورت (یعنی کسرے کے ساتھ) تھی . اسی کو مقلوب اور کسرۂ اضافت کو حذف کرکے یہ دوسری صورت ہاتھ آئی ہے . مگر یہ صحیح نہیں . اصل یہ ہے کہ دونوں صورتیں قدیم ہیں چنانچہ قدیم فارسی اور پہلوی میں دونوں ترکیبیں دوش بدوش ملتی ہیں . خلاصہ یہ کہ نشان (٦) کے ذیل میں جو مثالیں ٹھیٹ فارسی مرکبوں کی بیان ہوئیں ان میں کسرۂ اضافت کا وجود کبھی تھا ہی نہیں .

ص ۲۲۸ ، س ۱۱ . « تِل چاولی » (یا « تِل چوری » جس میں لام ، رے سے بدلا ، الف ترکیب کی بنا پر گرگیا) .

ص ۲۲۸ (۲۳۸) نشان (۱۹ اور ۲۰) کے بارے میں عرض ہے کہ اگر اردو میں دو ایسے اسم استعمال ہوں جو مل کر ایک معنے دیں یا جن کا تعلق ایک دوسرے سے بہت گہرا ہو تو ان دونوں کے بیچ میں حرف عطف کا لانا نہ صرف غیر فصیح ہے بلکہ اکثر غلط ہوتا ہے . ملاحظہ ہو : ماں باپ ، بھائی بہن ، ہندو مسلمان ، باپ بیٹا ، جورو خصم ، جوتا ٹوپی ، انگیا کُرتی ، ہاتھ پاؤں ، آنکھ ناک ، ناک نقشا ، تانا بانا ، کھانا پینا ، لینا دینا ، کھیل کود ، رنگ روپ ، آنا جانا ، پیسنا کاتنا ، سینا پرونا ، پکانا راندھنا (یا ریندھنا) ، بھلا چنگا ، خاک دھول ، سمجھ بوجھ ، جانچ پرتال ، دیکھ بھال . اس قبیل کے سینکڑوں مرکب ہم دن رات بولتے ہیں .

البتہ ناشناس لکھنے والے اکثر غلطی کرتے ہیں اور بے محل حرف عطف لا کر اپنی عبارت کو خراب کرتے ہیں۔ چنانچہ اخباروں اور رسالوں میں اکثر اس قسم کی ترکیبیں دیکھنے میں آتی ہیں: «رنگ و روپ»، «کھیل و کود»۔ حرف عطف کو نہ لاکر عطف کے معنے لینا ہندوستان کی زبانوں کے لیے مخصوص ہے۔ فارسی، انگریزی وغیرہ میں یہ ممکن نہیں۔ مگر فارسی کے جو عطفی مرکب اردو میں زیادہ رائج ہوگئے ہیں ان کو بھی اردو نے اپنے جنتر پر کھینچ لیا ہے۔ جیسے «آب دانہ»، «آب ہوا»، «آمد رفت»، «خط کتابت»، «خدا رسول»، «عالم فاضل»، «عالم جاہل»، «امیر غریب»، «پیر پیمبر»، «پیر فقیر»۔ بخلاف اس کے فارسی کے جو مرکب ابھی تک اردو میں پوری طرح متمکن نہیں ہوئے ہیں عطف کا واو ان کا ایک اٹل جز ہے۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ جوں جوں یہ مرکب اردو میں زیادہ استعمال ہوتے جائیں گے اور ان کی غرابت کم ہوتی جائے گی، اردو صرف نحو ان پر اپنا سکہ بٹھاتی جائے گی۔ ہر زبان میں دخیل لفظوں کا یہی حال ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں ملاحظہ ہو ص ۲۴۱ (۲۵۱) نشان (۵)۔

ص ۲۳۳ (۲۴۲) سے ۲۳۶ (۲۴۶) تک جو فہرست مرکب لفظوں کی دی گئی ہے اس میں سے فارسی لفظوں کو چھانٹ دینا چاہیے۔ اس لیے کہ فارسی لفظوں کی مخفف صورتیں بجاے خود استعمال ہوسکتی ہیں اور ہوتی ہیں۔ یہ ترکیب کے جہت سے وجود میں نہیں آئی ہیں بخلاف ان کے اردو کے مرکبوں کے ٹکڑوں میں جہاں کہیں کوئی حرف گرا ہے ترکیب کی جہت سے گرا ہے۔

ص ۲۳۹، س ۱ (۲۴۸، ۱۸) «بُھس» (بالضم) یہاں کام نہیں دیتا۔ «بھساکو» زبر سے ہے۔ «بھس» (سنسکرت «بھسمن» سے اور اسی سے «بھسمنت») = راکھ۔ تمباکو بیچنے والے گھٹیا مال میں راکھ ملا کر وزن بڑھا لیتے ہیں۔ اس لیے «بھساکو» بُری قسم کے تمباکو کو کہتے ہیں۔

س ۲ «(رس + چاول) سے رساول»۔ یہ بھی درست نہیں۔ «ــَ اول» ایک ہندی لاحقہ ہے جسے آپ ص ۶۳، س اخیر (۶۸، ۳ ن س) لاحقوں میں شمار کرچکے ہیں اور «جڑاول اور ہریاول»، نیز «دساور» اس اشتقاق کی مثالوں میں دے چکے ہیں۔ پھر وہی لاحقہ «رساول» میں کیوں نہ مانا جائے؟ آگے «(کھڑا + پاؤں) سے کھڑاوں»، کا حال بھی ایسا ہی کچھ ہے جس میں دُہرا تصرف نمایاں

ہے (الف اور پ کا حذف). اس لفظ میں «پاوں» کو دخل نہیں. «کھڑاکا ، کھڑبڑ کھڑبڑاہٹ ، کھڑک ، کھڑمنڈل» وغیرہ پر نظر کیجیے تو یہاں حکایتِ صوت کی کارفرمائی صاف دکھائی دیتی ہے.

ص ۲۴۵ (۵۶، ۲۵۵) «اک» کو آپ نے نیم سابقہ قرار دے کریہاں داخل کیا ہے. یہ ٹھیک ہے. مگر «یک» کو سابقوں (ص ۴۸ = ۵۱ ـ ۵۲) میں کیوں شمار کیجیے ؟ «یک منہ» (یا بہتر «اک منہ») ہونا چاہیے.

«اِکلوتا» اور «اِکنگ» میں «اک» نہ سابقہ ہے نہ نیم سابقہ بلکہ مستقل لفظ ہے جس پر لاحقے لگائے گئے ہیں. میرے خیال میں «اِکلا» (= اکیلا) سے «اِکلوتھا» بنا (جو بعد کو «اکلوتا» ہو گیا) چنانچہ «چوتھا» «کوتھا ؟» «پہلوٹھی» یا «پہلونٹی» (جو اصل میں «پہلوتھی» تھا). «چوتھی» (ا ـ «چوتھا» کی تانیث ، ۲ ـ شادی میں ایک رسم). «اِکنگ» کو فارسی «یکنگ» سے اُردا لیا ہے. اس میں بھی «اک» اصل لفظ ہے اور «نگ» لاحقہ ہے جیسے «تفنگ» میں.

ص ۲۵۴ ، س ۱ (۲۶۴ ، ۷) اودھ کے علاقے میں دوسرا بیاہ کرنے والے مرد «کو «دُجہا» کہتے ہیں. (دو + جوے = جورو) یعنی «دو جویہا» کے کثی حرفِ علت ، ترکیب کی جہت سے گر کر «دُجہا» ہوگیا ، اور پھر اس سے تانیث «دجہی» (یعنی وہ عورت جس نے طلاق لے کے یا بیوہ ہو جانے کے بعد دوسرا نکاح کرلیا ہو).

ص ۲۶۴، س ۳ ـ ۴ (۲۷۴، ۱۳). «نو گزہ» ، «نو منزلہ» وغیرہ مجموعی حیثیت سے اردو لفظ ہیں. اس لیے ان کو «نو گزا ، نو منزلا» لکھنا زیادہ مناسب ہوگا. اسی طرح «تماہا» ، «نو ماسا» «نونگا» (بازو بند جس میں ۹ نگ جڑے ہوتے ہیں).

ص ۲۶۸ (۲۷۹). «پیشہ» سے پہلے «پیشانی» بھی چاہیے : «خندہ پیشانی ، کشادہ پیشانی».

ص ۲۶۹ (۲۸۱). «منہ چور» جھیپو کو کہتے ہیں ، اور «جھیپ» اور «حیاداری» میں فرق ہے.

ص ۲۷۰ (۲۸۱). «خاطر» کے بعد «خند» کے مرکب درج کیے جائیں : «زہر خند ، شکر خند ، ریش‌خند».

ص ۲۷۵ (۲۸۷). «صورت» کے ذیل میں «قبول صورت» (جس کی صورت بھلی ہو) بڑھایا جائے.

ص ۲۷۷ (۲۸۹). «گوش». «حلقہ بگوش» میں «گوش» لا حقہ یا نیم لا حقہ نہیں، مستقل لفظ ہے.

ص ۲۸۰ (۹۲ - ۲۹۱). «نامہ» کے ساتھ «پنج نامہ» نہیں دکھائی دیا. عام اصطلاح ہے.

ص ۲۹۱، س ۱۵ (۳۰۳، اخیر). «ہیولیٰ = (ہیئت + اولیٰ)». شہاب الدین احمد خفاجی (متوفی ۱۰۶۹ ھ) نے یہ لکھا تو ہے مگر پوری عبارت ہے: «وقیل ھو مخفف ھیئة أولی والصواب أنه لفظ یونانی . . . الخ» (شفاء الغلیل، طبع مصر ۱۲۸۲ ھ، ص ۲۳۴، نیز المُزھر للسیوطی، ج ۱، ص ۱۳۴). «ھیئة» عربی ہے، لیکن «ھیولی» کو اس سے کچھ واسطہ نہیں. «ھیولی» متکلمین کے دور میں یونانی اصطلاحوں کے ساتھ عربی میں آیا. اس لفظ کی بحث کو سراسر خارج فرمائیے.

ہاں صاحب، «نحت» کی بحث میں «کشاجم» کیسے چھوٹ گیا؟ یہ مثال بہت اہم ہے.

آخر میں یہ عرض ہے:

(۱) کتابت کی غلطیاں ان سے بہت زیادہ ہیں جن کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے. اگلی اشاعت کے وقت تصحیح کا اہتمام سخت ہونا چاہیے، خاص کر اس لیے کہ لغوی تصنیفوں میں ایک نقطے یا ایک حرکت کی بھی غلطی ہوجائے تو کتاب کی سودمندی میں بڑا خلل پڑجاتا ہے.

(۲) لفظوں کی ہر چھوٹی بڑی فہرست میں حروف تہجی کی ترتیب سے لفظ دیے جائیں تاکہ جب کوئی لفظ ڈھونڈا جائے، فوراً مل جائے،

(۳) سابقے، نیم سابقوں کے ساتھ اور لاحقے، نیم لاحقوں کے ساتھ کہیں کہیں خلط ملط ہوگئے ہیں. اس کی اصلاح کی جائے.

(۴) مجوزہ اصطلاحوں میں ہندی کا حصہ کم ہے. اس عنصر کو بڑھانے کی کوشش کی جائے.

(۵) آپ کو خوب معلوم ہے کہ میں آپ کی تجویزوں کے معاملے میں آپ کے ساتھ ہوں، اور یہ کچھ آج کی بات نہیں. مگر زبان کی توسیع اس طرح

کرنے میں جو خطرے اور خدشے ہیں وہ بھی میری نظر کے سامنے ہیں۔ چنانچہ بعض لوگوں نے جو آپ کے طریقے پر کاربند ہوئے ایسے لفظ بنانا شروع کیے جو صرف نحو اور حسن مذاق دونوں کے خلاف تھے اور آپ نے خود ان کو بارہا (وضع اصطلاحات کی مجلس میں) ناپسند کیا۔ پس اگر ہوسکے تو ایک ضمیمہ اضافہ کیا جائے جس میں بتایا جائے کہ اصطلاح بنانے میں صرف نحو کے کن اصول کو مدنظر رکھنا ضروری ہے؛ عربی اور فارسی زبانوں سے جن لفظوں کو لے کر ان سے اصطلاحیں بنائی جائیں، ان کے متعلق عربی یا فارسی نحو کے اصول کو کس حد تک مد نظر رکھنا چاہیے۔ اس کے بعد چند ایسی مثالیں دی جائیں جو ذوق سلیم کے لحاظ سے مسترد کرنے کے قابل ہوں۔ میں جانتا ہوں یہ مبحث بجائے خود ایک وسیع مضمون ہے لیکن اختصار سے کام لیا جائے تو پچاس ساٹھ صفحے میں اس بحث کے ضروری مطالب کا ایک خاکا بن جائے جس کی بنیاد پر، آگے چل کے بہت مفید کام ہوسکے گا۔

غلط نامہ اور استدراک

«وضع اصطلاحات» پہلی بار انجمن ترقی اردو (اورنگ آباد) نے مطبع انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ میں چھپوائی (۱۹۲۱ ع = ۱۳۳۹ ھ)، جس میں ایک ورق کا غلط نامہ تھا۔ وہ ناکافی ثابت ہوا تو مصنف نے کئی نسخوں میں اپنے قلم سے تصحیح کی، جن میں سے ایک نسخہ میرے پاس محفوظ ہے۔ اب دوسری بار ۱۹۵۴ ع میں ا۔ ت۔ اُ۔ پاکستان (کراچی) نے شائع کی۔ اس اشاعت کے کارپردازوں نے کچھ غلطیوں کی اصلاح کردی، لیکن کچھ نئی غلطیاں بھی در آئیں۔ مبحث کتاب کا ایسا کہ خفیف سے خفیف سہو بھی بڑا نقصان پیدا کرسکتا ہے۔ اس لیے یہ نیا غلط نامہ بنانا پڑا تاکہ اگلی اشاعت کے وقت بھی کام آئے۔ اس غلطنامے میں حوالہ دوسری اشاعت کے صفحوں کا دیا گیا ہے اور اختصار کی جہت سے یہ رموز مقرر کیے گئے ہیں:

ص: صفحہ، س: سطر، نس: سطریں نیچے سے گنو، غ: غلط، صح: صحیح، × : قلمزد کرو، مص: مصنف، * : پہلی اشاعت کے مطابق، † : آخری تصحیح مص کے قلم سے۔

استدراک کے تحت وہ اصطلاحیں درج ہیں جو تفصیل چاہتی تھیں۔ انگریزی لفظوں میں جو غلطیاں ہیں آسانی سے نظر میں آجاتی ہیں۔ ان سے تعرض نہیں کیا گیا۔

غلطنامه

دیباچه

	ص	س	غ	صح
†	۲	٦	نہیں آئے	نہ آتے
†	۵	اخیر	اور اس	اور جو اِس
†	٦	۳	اُصول	×

متنِ کتاب

	ص	س	غ	صح
	۱۱	٦نس	تمام	بہت سی
	۱۸	۴	اُندلسی	آندلسی (ل کو ضمه)
	۳۱	۲	پا افزا ۰۰ افشارا	پا افزار ۰۰ افشار
†	۴۲	۸	پھل	پہل
	«	۹	سر تا	سه‌تا
†	۴۳	۱۱	شش تار	شش تا
*	۵۰	۱۱	جلیس	جلوس
†	۵۳	۳ نس	دوڑ	دور
*	۵۴	۳	حرارت ۰۰ ہیں	×
	۵۸	۴	بِلا	بِلا (بِل کی تصغیر)
†	٦۲	٦نس	پاتار	پاافشار
*	٦۵	۷ «	میان	مَیان
	۸۰	۸ «	(خوشنویس	ـ رقم پرور (خوشنویس
	۸۴	٦	کی	کے
*	۸۵	۳نس	خیراد	خراد
	۹۴	۲	جانه	سلحخانه
*	۹٦	۵	روٹی	روئی

	ص	س	غ	صح
*	۹۶	۷	لیقه	لیفه
†	۹۸	اخیر	رَو	رُو
	۹۹	۳	بدرو	بدر رَو
†	۱۰۴	۵نس	گردستان	کردستان
	«	۴ «	سبستان	شبستان
†	۱۲۹	اخیر	گڑانت	گڑنت
†	۱۳۰	۱۱	خم نشین	جم نشین
*	۱۳۳	۴	اُنٹنی	اونٹنی
*	۱۳۶	۶	بکوان	بلوان
*	۱۴۱	۳-۴نس	تمھیں	تمھیں (۲ بار)
*	۱۴۳	۳نس	ایسٹیا	السیٹیا
	۱۴۵	اخیر	تیا	یتا
	۱۴۶	۱	بمیٹا	بمنیٹیا
	۱۴۸	۸نس	نیه	ینه
	۱۵۰	۱۱	چڑھایا	چڑھانا
	۱۵۳	۱۱	کھکھلانا	کھلکھلانا
†	۱۵۷	۸	۔گزرنا	گرمانا (گرم سے)۔گزرنا
	۱۶۰	۱	عطیدن	عطسیدن
	۱۶۶	۳ نس	شیر	شیر کے
†	۱۷۰	۶ «	ڈرنا	×
*	۱۸۴	۷ «	رسوم	رسوم سے اچھے
*	۱۸۸	۷ «	پر ختم ۔ اکلیل	اِکلیل ۔ اِکلیل
	۲۰۲	۳نس	(س)	×
	۲۰۴	۷	کل ہندی قوم	کُل ہند قومی
*	۲۰۷	۳	حرف	میں ِصرف

(۱) دیکھو نوراللغات، ج ۲، ص ۲۵-۳۲۴، نیز ۴۲۶ (چھوانی کا جم)

ص	س	غ	صح
۲۰۸		ایڈاسکوپی	انڈاسکوپی
۲۱۱	۶نس	خنیرگین	خنیزگین
»	۵»	شکررگین	شکرزگین
»	اخیر	سے شکرزسی	×
† ۲۱۲	۱	زمیت	نومیت
»	۳نس	(ط)	×
۲۱۳	۱۱	خارچنبہ	خارچینہ
»	۵نس	چھند کیا	چھبند کیا (ب مضموم)
* »	اخیر	پرمقازہ	پرقازہ
	»	پٹیا۔ٹپٹونجیا	پیٹا۔ٹپونجیا
	»	خبزا	خبرا
† ۲۱۵	۳نس	= شُرمانا(شورین سے) شریانا	= شُرنانا۔شورین سے شوریانا
† ۲۱۶	۱۱	تحت	نحت
† ۲۱۸	۶	بات	اِس بات
»	۱۰نس	مالیں	مانیں
† »	۲»	پاس	پاس پاس
۲۱۹	۱۱	تسمیہ	تسمہ
* ۲۲۰	۸	ہندسانا (ہندسہ غ .. غ .. عفیدو	ہَندسانا (ہَندسہ ع..ع..عفنیدو
* ۲۲۴	۶نس	برقیارہ	برقپارہ
۲۲۴	۴نس	جنگ٠٠ حاجز	چنگ ٠٠ خاطر
* ۲۲۵	۳	برق سیری	برق سیرتی
* ۲۳۱	۹	دودھ شریک	درد شریک
۲۳۶	۵نس	کم چھڑ	لم‌چھڑ
† ۲۳۷	۲	بڑھ پیٹو	بڑپیٹو
»	۷نس	مشبہ بھی	مشبہ

	ص	س	غ	صح
	۲۴۱	۶نس	بوت	بیونت
	۲۴۳	۵نس	ڑھمنھا	ڑِھمنھا
	۲۵۱	۷	مونھامنه	مونھا مُنه
†	۲۵۳	اخیر	زیرگاه	زیرکاه
	۲۵۶	۷	بادپردا	بادپروا
†	۲۵۸	۸	بڑمکھا	بڑأنکھا
	۲۶۸	۶	کلجھبا	کلجـّبھا
	۲۷۰	۳	غلط فہمی	غلط بیانی - غلط فہمی
†	۲۷۳	۸نس	گڈھی	گدھی
†	»	۷»	لم چھٹوا	لم ُچھوا
†	۲۷۴	۱	مہارانی	مہارنی
	۲۸۵	۱۰نس	فرشت	زشت
†	۲۸۶	۱	ارزاں	ارزن
	۲۹۳	۱	تل نظر	تل نظرا
†	۳۰۰	۱۰	بنایا	ایمیا بنایا
	۳۰۱	۶	نیوانیت	نیوائیت
	۳۰۲	اخیر	غداتش (غداتیشی-	ُغد ّا ِتش (ُغد ّ انیشی
	۳۰۶	۲	زالوتی	زالوئی
	۳۰۷	۲	فخمین	فحمین

غلطیاں اور بھی تھیں مگر سب کو یہاں لکھنا ممکن نہیں۔

استدراک

ص ۴ ، ۷ نس : « زرا شبہ » (پہلی اشاعت : « ذرا شبھ ») ۔ پہلے لفظ کی کتابت مختلف فیہ ہے ۔ مص نے « ذرا » لکھا ھے ، یہی چاہیے تھا ۔ « شبہہ » میں دو « ہ » ہیں : پہلی ظاہر ، دوسری مختفی ۔ ان میں سے کوئی گر نہیں سکتی ۔ اور « شبھ » تو غلط در غلط ہے ۔ عربی یا فارسی میں مخلوط « ھ » کا وجود نہیں ۔ ص ۴۷ ۔ ۲۷۳ میں « منھ » ۲۵ بار آیا ہے ، اور دونوں اشاعتوں میں « منھ » لکھا گیا ہے ۔ صحیح « مُنہ » ہے ۔

ص ۷ ، ۸ : « بزرگ واروں » ۔ مص نے « بزرگواروں » لکھا تھا اور یہی چاہیے تھا ، اسی طرح « دستیاب ، کامیاب ، کمیاب » وغیرہ (ص ۱۴۴) ۔

ص ۸ ، ۲ : « خد و خال » ۔ مص نے « خط و خال » لکھا ھے اور یہی صحیح ہے ، جو انگریزی لفظ features کے مفہوم کو پوری طرح ادا کرتا ہے ۔

ص ۴۵ ، ۲ : « لاجرم » (ج پر ضمہ) ۔صحیح : « ج » اور « ر » دونوں بالفتح ۔

ص ۵۰ ، ۷ : « عاشورہ » میں « ہ » غلط ہے ۔ صحیح صورتیں : (۱) « عاشور » (جیسا کہ مص نے لکھا تھا) ، (۲) « عاشورا » (یا عاشوراء) ، (۳) « عاشوریٰ » ، (۴) « عشوریٰ » ۔ فارسی اور اردو میں (۱) اور (۲) عموماً مستعمل ہیں ۔

ص ۶۴ ، ۶ : « پنیالہ » اور ص ۱۰۴ ، ۸ : « دھرم سالہ ، گئو سالہ » مگر ان لفظوں میں اخیر حرف الف ہے ۔ اسی طرح مص نے عربی اور فارسی لفظوں سے اردو کے طریق پر جو جدید اردو مصدر تجویز ے ہیں انھیں لازماً « نا » پر ختم ہونا چاہیے تھا ، مگر دوسری اشاعت کے کاتب نے بعضی جگہ « نہ » لکھا ہے جو غلط بلکہ مضحک ہے ، مثلاً « ذوقانہ ، زلزلانہ ، زمزمانہ ، زردانہ » (ص ۲۱۹) اور « غوغانہ ، کھلانہ ، کلفانہ » (ص ۲۲۰) ۔ سب ہیں ۔

ص ۹۴ ، ۵ : « خیارہ دار (... ہوں) » : مص نے قلمزد کردیا ہے ، اس بنا پر کہ « خیارہوار » میں « و » ہے ، اور یہاں بحث « دار » کے مرکبات سے ہے ۔

ص ۲۲۲ ، اخیر : « برق پزیر ، .. پزیرہ ، .. پزیری » ، نیز ص ۲۲۷ ، ۶ (دوبار) ۔ مص نے ان پانچوں جگہ « پذیر » وغیرہ « ذ » سے لکھا ھے ۔ نئی اشاعت کے کاتب نے « ذ » کو « ز » کردیا ۔ یہ بیجا ہے ۔

ص ۲۷۲، ۳ : « کہن کو (وہ رگ جسے عرق‌النسا کہتے ہیں)»۔ اس جملے کو مص نے قلمزد کردیا تھا، ظاہرا اس لیے کہ « کہنکو » کو « کہن » (پرانا) سے اصلا تعلق نہیں. اس لفظ کی ایک اور شکل « کہنگی » بھی ہے اور اب بھی ایران میں « کہنگو » اور « کہنگی » دونوں طرح بولتے ہیں. (دیکھو « فرہنگ بہارستان » تالیف محمد علی تبریزی « خیابانی » جسے خود مولف نے شعبان ۱۳۴۹ میں پہلی بار شائع کیا، ص ۱۳۴)۔ « برہان » نے لفظ « قوین » کی تشریح اس کے مرادف « کہنگو » سے کی ہے اور اسے فارسی بتایا ہے، مگر « قوین » کی اصل کا ذکر نہیں کیا، نہ « کہنگو » کو کاف کے باب میں درج کیا. البتہ ایک اور مرادف « کجوک » (بفتح اول و واو معروف) کے ذیل میں « کہنگو » لکھا ہے. « بہارستان » میں ایک اور شکل « کچوک » بھی بتائی ہے. فرہنگ رشیدی : « کچوک، بضمتیں، مرضی است کہ آنرا کہنگو نیز گویند ». اور یہ محقق ہے.

مکاتیب سلیم

(۱)

[خط مورخۂ ۲۲ مئی ۱۹۲۶ ع]

محسن و مکرم حضرت ڈاکٹر صاحب دام اقبالہ

السلام علیکم. عنایت نامہ حیدر آباد سے منتقل ہو کر میرے پاس بریلی پہنچا. میں آجکل بریلی میں مقیم ہوں اور امتحانات کے پرچے دیکھ رہا ہوں. لکھنؤ اور ملیح آباد ہو آیا ہوں. سندیلے کے چند آدمیوں سے آپ کی نسبت پوچھا. معلوم ہوا کہ آپ مکان پر نہیں ہیں. ورنہ میں سندیلے میں آپ سے ملکر یہاں آتا. میرے مکان یعنی پانی پت میں آجکل طاعون ہے. اسلیے ابھی وہاں نہیں گیا. وہاں کے لیے بچا کھچا اخیر وقت رکھا ہے. بشرطیکہ طاعون نہ رہے. «وضع اصطلاحات» پر آپ کے مکمل تبصرے کا سخت انتظار ہے اور مدت سے اسی انتظار میں ہوں. جلد بھیجکر ممنون فرمائیے.

اہل و عیال غالباً خیر و عافیت سے ہونگے. اللہ تعالےٰ اُن کو اور آپ کو صحیح و سلامت اور با عافیت رکھے. تبصرہ بھیجنے کے لیے پتہ یہ ہے.

وحید الدین سلیم

معرفت مولوی سید عبدالودود صاحب

نمبر (۶۸) ـ سول لائن ـ

بریلی

22 / 5/ 26

(۲)

[پوسٹ کارڈ مورخۂ ۱۴ جون ۱۹۲٦ ع]

مخدومی و محسنی جناب ڈاکٹر صاحب . السلام علیکم و رحمۃاللہ و برکاتہ

تبصرۂ گرامی بریلی سے منتقل ہوکر میرے پاس پانی پت پہنچا . میں نے اس کو سرسری نظر سے دیکھا . اصل کتاب یہاں نہیں ہے حیدر آباد پہنچ کر اس سے مقابلہ کرکے دیکھوں گا .

آپ کی اس کاوش و توجہ کا نہایت شکر گزار ہوں . بچوں کو بہت بہت پیار اور دعا . و السلام مع الاکرام

وحید الدین سلیم

پانی پت ۱۴ جون سنہ ۲٦ ع

[پتے والا رخ]

[پانی پت کی مہر : ۱۴ جون ۲٦]

جناب ڈاکٹر عبد الستار صاحب صدیقی بالقابہ زاد لطفہ

پروفیسر عربی ڈھاکہ یونیورسٹی

رمنا

ڈھاکہ

RAMNA
DECCA

وحید الدین سلیم
گلشن منزل - چراغ علی کی گلی } 24/11/26

مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب - تسلیم بعد تعظیم - مدت کے بعد گرامی نامہ وصول ہو کر باعث اعزاز ہوا - آپ کی عنایتوں اور محبتوں کا نقش ایسا نہیں ہے جیسے معمولی فراموشی اُتار سکے - حالانکہ فراموشی کی کوئی صورت آج تک پیش ہی نہیں آئی - میں آپ کا وہی خادم ہوں جو علی گڑھ میں تھا اور جو حیدرآباد میں رہا -

"وضع اصطلاحات" پر آپ نے تکلیف اُٹھا کر جو رائے دی اُس کا شکریہ میں کسی طرح ادا نہیں کر سکتا - آپ کے اِس تبصرہ کو اوّل سے آخر تک پڑھنے کے بعد کوئی خیال میرے دل میں بجز شکرگزاری اور احسانمندی کے پیدا نہیں ہوا - آپ نے جو کچھ لکھا اُس سے میری بہت سی رایوں کو تقویت حاصل ہوئی اور جہاں آپ کی نظر میں کوئی خامی تھی اُس کو بھی آپنے ظاہر کر دیا - آپ کی تنقید سے فائدہ اُٹھا کر میں نے "وضع اصطلاحات" کی ترمیم شروع کر دی تھی اور بہت سا کام ہو گیا تھا مگر ابھی مولوی عبدالحق صاحب اُس کے چھاپنے کے لیے تیار نہیں ہیں کیونکہ اور کام اُن کو درپیش ہیں اور اسلیے میرا کام ابھی ملتوی کر دیا گیا ہے - آپ ہرگز یہ خیال میری طرف سے اپنے دل میں نہ لائیں کہ میں آپ کی تنقید سے خدانخواستہ ناراض ہو گیا ہوں - معاذ اللہ - میں تو آپ کی اِس تکلیف فرمائی کا اسقدر شکرگزار ہوں کہ لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا - تمام ہندوستان میں صرف آپ ہی ہیں جو ایسے علمی کاموں میں میری مدد کر سکتے ہیں -

اور میری خاطر دیدہ ریزی کے ساتھ رائے دینے پر آمادہ ہیں۔ خدا آپ کو
صحت و عافیت کے ساتھ زندہ و سلامت رکھے اور آپ کے اہل و عیال کو
بھی۔ اس کو میری غفلت اور سہل انگاری کے سوا اور کسی بات پر
محمول نہ فرمائیے کہ میں نے وطن سے واپس آنے کے بعد کوئی عریضہ
آپ کی خدمت میں نہیں لکھا۔ امید ہے کہ میری اس خطا کو معاف
فرمائیں گے۔
"اصلاح سخن" کا ایک نسخہ کالج لائبریری کے لیے منگاؤں گا اور
بعض احباب کو بھی اس کتاب کے منگانے کی صلاح دوں گا۔
بچوں کو دعا۔ بیگم صاحبہ کی خدمت میں سلام نیاز۔

وحید الدین سلیم

کرشنا منزل۔ چراغ علی کی گلی
حیدرآباد دکن

(۳)

[خط مورخۂ ۲۴ نومبر ۱۹۲۶ ع]

وحید الدین سلیم
کرشنا منزل۔ چراغ علی کی گلی
24/11/26

مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب . تسلیم بصد تعظیم . مدت کے بعد گرامی نامہ وصول ہوکر باعث اعزاز ہوا . آپ کی عنایتوں اور محبتوں کا نشہ ایسا نہیں ہے جسے کوئی ترشی اُتار سکے . حالانکہ ترشی کی کوئی صورت آج تک پیش ہی نہیں آئی . میں آپ کا وہی خادم ہوں جو علی‌گڑھ میں تھا اور جو حیدر آباد میں رہا . « وضع اصطلاحات» پر آپ نے تکلیف اٹھاکر جو رائے دی اس کا شکریہ میں کسی طرح ادا نہیں کرسکتا . آپ کے اس تبصرہ کو اول سے آخر تک پڑھنے کے بعد بھی کوئی خیال میرے دل میں بجز شکرگزاری اور احسانمندی کے پیدا نہیں ہوا . آپ نے جو کچھ لکھا اس سے میری بہت سی رایوں کو تقویت حاصل ہوئی اور جہاں آپ کی نظر میں کوئی خامی تھی اس کو بھی آپ نے ظاہر کر دیا . آپ کی تنقید سے فائدہ اٹھاکر میں نے « وضع اصطلاحات » کی ترمیم شروع کر دی تھی اور بہت سا کام ہوگیا تھا مگر ابھی مولوی عبدالحق صاحب اس کے چھاپنے کے لیے تیار نہیں ہیں . کچھ اور کام ان کو در پیش ہیں اور اس لیے میرا کام ابھی ملتوی کر دیا گیا ہے . آپ بھولے سے یہ خیال میری طرف سے اپنے دل میں نہ لائیں کہ میں آپ کی تنقید سے خدا نخواستہ ناراض ہوگیا ہوں . معاذ اللہ . میں تو آپ کی اس تکلیف فرمائی کا اسقدر شکرگزار ہوں کہ لفظوں میں بیان نہیں کرسکتا . تمام ہندوستان میں صرف آپ ہی ہیں جو ایسے علمی کاموں میں میری مدد کر سکتے ہیں . اور میری خاطر دیدہ ریزی کے ساتھ رائے دینے پر آمادہ ہیں . خدا آپ کو صحت و عافیت کے ساتھ زندہ و سلامت رکھے اور آپ کے اہل و عیال کو بھی . اِس کو میری غفلت اور سہل انگاری کے سوا اور کسی بات پر محمول نہ فرمائیے

کہ میں نے وطن سے واپس آنے کے بعد کوئی عریضہ آپ کی خدمت میں نہیں لکھا . امید ہے کہ میری اس خطا کو معاف فرمائینگے .

« اصلاح سخن »[۱] کا ایک نسخہ کالج لائبریری کے لیے منگاؤں گا اور بعض احباب کو بھی اس کتاب کے منگانے کی صلاح دوں گا. بچوں کو دعا . بیگم صاحبہ کی خدمت میں سلام نیاز .

وحید الدین سلیم
کرشنا منزل چراغ علی کی گلی
حیدر آباد دکن

---

(۱) تالیف عبدالعلی ،، شوق،، سندیلوی (مرحوم) ، جو انھیں دنوں شائع ہوئی تھی.

تبصرے

حالی کا سیاسی شعور، از معین احسن جذبی، صفحات ۲۰۸،
قیمت چار روپے پچاس نئے پیسے، سول ایجنٹ: انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

مولانا حالی کا شمار سر سید کے اہم ترین رفقا اور مخلص ترین احباب میں ہوتا ہے۔ اسی بنا پر عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ مولانا حالی کے خیالات سر سید کے خیالات کی صدائے باز گشت ہیں۔ اس عام خیال کو تقویت دینے والی حالی کی مشہور قومی نظم مد و جزر اسلام (مسدس حالی) اور سر سید کی سوانح عمری (حیاتِ جاوید) ہے۔ ہماری زبان کے مشہور و مقبول شاعر معین احسن صاحب جذبی نے زیر نظر مقالہ (یا کتاب) میں اسی عام خیال یا نظریہ کی تردید کی کوشش کی ہے۔ ابتدائے کتاب میں تقریب اور تعارف کے عنوانات کے تحت علی الترتیب ڈاکٹر سید عابد حسین اور پروفیسر خلیق احمد نظامی کی مختصر تحریریں ہیں جن میں جذبی کی اس کوشش کو سراہا گیا ہے۔

جذبی نے مولانا حالی کے سیاسی شعور کی ابتدا بجا طور پر ان کے اور نواب شیفتہ کے تعلقات سے کی ہے۔ جس طرح حالی کو اپنے ادبی ذوق کے سنوارنے میں غالب سے نہیں بلکہ شیفتہ سے فائدہ پہنچا» اِسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ «شیفتہ جیسی ہستی کی صحبت میں حالی کے سیاسی افکار و میلانات نے ایک خاص رخ ضرور اختیار کیا ہوگا۔» جذبی کی یہ دلیل بھی اپنی جگہ پر معقول ہے کہ «یہ امر بعید از قیاس نہیں ہے کہ۔۔۔۔ حالی نے وہابی تحریک کا اثر قبول کیا ہو اور اس تحریک کی بنیاد انگریزی حکومت کی تخریب اور اسلامی حکومت کے قیام پر تھی۔» جذبی کا یہ قول بھی درست معلوم ہوتا ہے کہ حالی «جہاں حضرت شاہ ولی اللہ کے مذہبی افکار کے قائل تھے وہاں ان کے انقلاب آفریں تصورات سے بھی ضرور متاثر ہوئے ہوں گے۔» لیکن حالی کے سیاسی شعور کی جڑوں کا پتا اور صحیح پتہ لگانے کے ساتھ ہی جذبی فوراً انہیں سر سید کے زیر اثر کام کرتا ہوا بتا دیتے ہیں۔ اس سے قاری کو الجھن ہوسکتی ہے۔ حالی کے صنعتی شعور اور دور بینی کا بہت کچھ کھوج لگانے اور انہیں اجاگر کرنے کے بعد وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ «اسے ان کی مذہبی تربیت یا شیفتہ کی عالمانہ صحبتوں

کا نتیجہ سمجھیے یا سر سید کی تحریک کا اثر، بہر صورت مسلمانوں کی خدمت ان کی زندگی کا مقصد بن گئی۔»

اس سے اختلاف نہیں کیا جاسکتا کہ مصنف نے جس عام خیال کی تردید کی کوشش کی ہے وہ ایک حد تک صحیح ہے۔ حالی سر سید سے متاثر ہونے اور ان کے زیر اثر کام کرنے کے باوجود اپنی ذاتی رائے رکھتے تھے۔ ان کا سیاسی شعور بجا طور پر بیدار تھا اور ان کی آواز کو صرف سید کے خیالات کی صدائے باز گشت نہیں کہہ سکتے۔ حالی کو سید کے بعد ۱۶ سال کا زمانہ ملا تھا اور یہ وہ زمانہ تھا جس میں ہندوستانیوں میں سیاسی بیداری اور انگریزی حکومت کے خلاف نفرت و بغاوت کا جذبہ پیدا ہوچکا تھا۔ مصنف نے حالی کے صنعتی شعور کو عمدگی سے پیش کیا ہے۔ لیکن ان کے بہت سے بیانات نظر ثانی چاہتے ہیں، مثلاً ان کا یہ کہنا کہ «وفاداری کی رسن حالی کے نزدیک مجبوری اور مصلحت تھی۔» صحیح نہیں بلکہ یہ حقیقت میں سر سید کا اثر تھا۔ اسی طرح ان کا یہ لکھنا کہ «حالی کو قوم کی خوش حالی کی فکر سر سید سے کہیں زیادہ» تھی قابل بحث ہے۔

یہ کتاب حالی کے متعلق ایک نیا نقطۂ نگاہ پیش کرتی ہے اور غور و فکر کی دعوت دیتی ہے۔ اس طرح یہ «حالیات» میں ایک خوشگوار اضافہ ہے۔

غزل اور درس غزل از اختر انصاری صفحات ۱۴۵ دو روپے ملنے کا پتہ:

انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ

غزل اردو شاعری کی مقبول ترین صفت ہے۔ رشید احمد صدیقی اسے اردو شاعری کی آبرو کہتے ہیں۔ آج بھی جب کہ اردو کے گلستان سخن میں اور رنگوں کے بھی نہایت حسین پھول کھل چکے ہیں غزل کی مقبولیت اپنی جگہ پر مسلم ہے۔ لڑکے، جوان، بوڑھے سبھی اسے پڑھتے اور اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اوپر کے درجوں کی کوئی درسی کتاب غزلوں کے انتخاب سے خالی نہیں ہوتی اس لئے ضرورت ہے کہ ایسی اہم اور شگفتہ صفت شاعری کی تدریس ایسے نہج پر ہوکہ اس کے ذریعہ طلبہ میں ادبی ذوق اور گہری سوجھ بوجھ پیدا ہو۔ اختر انصاری

پروفیسر ٹرننگ کالج، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ نے یہ کتاب اسی نقطۂ نگاہ سے لکھی ہے۔

اختر انصاری ایک طرف اردو کے بلند پایہ ادیب ہیں اور دوسری طرف تعلیم کے پروفیسر۔ ان دونوں خوبیوں کی یکجائی نے کتاب کو دل چسپ بھی بنا دیا ہے اور مفید بھی۔ اختر انصاری اس بات کے قائل ہیں کہ غزل کو درسی کتابوں میں جگہ ملنی چاہئیے لیکن ان کی شمولیت کے لیے « ایک انتخابی اصول کی ضرورت ہے۔ » انہوں نے جو انتخابی اصول پیش کئے ہیں وہ اپنی جگہ پر بہت صحیح ہیں ان پر عمل کرنے کے بعد غزلوں کا جو انتخاب ہوگا وہ بلا جھجک لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کو پڑھایا جاسکتا ہے اور ان کے ذریعہ طلبہ میں ترقی یافتہ ادبی مذاق اور گہری سوجھ بوجھ پیدا ہوگی۔ مگر تدریس اور تدریسی طریق کار کے مسائل سے متعلق بحث کرتے ہوئے اختر انصاری نے غزل میں جذباتی یک رنگی یا کیفیاتی وحدت ثابت کرنے کی جو کوشش کی ہے اس سے اتفاق کرنا مشکل ہے۔ اس نقطۂ نظر سے تمہید سبق اور اعادۂ سبق سے متعلق جو کچھ انہوں نے لکھا ہے اس پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

یہ کتاب حقیقةً غزل سے نہیں بلکہ درس غزل سے متعلق ہے اور ٹریننگ کالج کے طلبہ یا مدرسہ کے اساتذہ جن کا مضمون اردو کی تدریس ہے اس سے استفادہ کرسکیں گے۔ اس نقطۂ نگاہ سے مصنف نے پانچ غزلوں کے منصوبے یا خاکے تیار کئے ہیں تاکہ ان کی روشنی میں طلبہ قدم بڑھا سکیں۔ یہ ایک ماہر استاد، بلند مذاق ادیب اور خوش گو شاعر کے تیار کئے ہوئے خاکے ہیں اس لئے یقیناً ٹریننگ کالج کے طلبہ کے لئے مفید ثابت ہوں گے۔

آخری باب چند غزل گو شعرا کے « نمائندہ انتخاب » کا حامل ہے۔ یہ انتخاب بقول مصنف اس اصول کی روشنی میں کیا گیا ہے جو دوسرے باب میں پیش کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ نہ دھبا باقی رہا نہ کپڑا۔ یہ انتخاب غزل کی روح یعنی تغزل سے یکسر خالی ہے۔

یہ کتاب اپنے موضوع پر پہلی کتاب ہونے کے علاوہ دل چسپ اور شگفتہ انداز بیان کی حامل ہے۔ امید ہے کہ ٹریننگ کالج کے طلبہ اور ہائی اسکولوں کے اردو کے اساتذہ ضرور اس سے مستفید ہوں گے۔

پاکستان میں ذہنی رجحانات مصنفہ عبیداللہ قدسی صفحات ۲۰۷ قیمت مجلد پانچ روپے.
ملنے کا پتہ: مشتاق بک ڈپو ، اردو بازار ، کراچی نمبر ۱

اس کتاب میں عبیداللہ قدسی نے اہل پاکستان کا ذہنی جائزہ لینے کی کوشش کی ہے. یہ جائزہ انھوں نے « زیادہ تر اردو زبان کی مطبوعات » کے ذریعہ لیا ہے کیوں کہ پاکستان کے « مسلمانوں کا سرمایۂ علم و ادب اسی زبان میں سب سے زیادہ رہا ہے اور اس وقت بھی اسے آئینہ داری کی حیثیت حاصل ہے. » کتاب پر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی (سابق وزیر تعلیم پاکستان) کا دو صفحہ کا پیش لفظ ہے - جس میں انھوں نے بعض اچھی باتیں کہی ہیں.

یورپ کے ترقی یافتہ ممالک میں اس قسم کی کوششیں مدت سے ہورہی ہیں کیونکہ یہ ادب یا دوسرے لفظوں میں قوم کی ذہنی ترقی کے لیے ضروری ہیں، لیکن اردو میں یہ اپنی نوع کی پہلی کوشش ہے. اس سے اردو ادب کو فائدہ پہنچیگا اور قوم کی ذہنی ترقی کی رفتار کو سمجھنے اور پھر اسے تیزتر کرنے میں مدد ملے گی. مصنف نے زندگی (یا ادب) کے تقریباً تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے. لیکن بعض جائزے ضرورت سے زیادہ مختصر ہیں، یہاں تک کہ بعض اہم باتیں کہنے سے رہ گئی ہیں مثلاً تنقید کا جائزہ لیتے ہوئے مولوی عبدالحق، سید عبداللہ وغیرہ جیسے مستند نقادوں کے کارناموں کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا. اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ قدسی صاحب نے جائزہ لیتے وقت عموماً تاریک گوشوں ہی پر نظر رکھی ہے. اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ یہ جائزہ بڑی حد تک یک طرفہ ہے.

ادب کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد مصنف نے پاکستان کے علمی و ادبی اداروں، ذخیروں اور قابل قدر کتابوں کا بھی مختصر طور پر ذکر کیا ہے، یہ معلومات نہ صرف دل چسپ ثابت ہوں گی، بلکہ نوجوان مصنفوں اور مضمون نگاروں کے لیے مفید اور ہمت آفریں ثابت ہوں گی.

کتاب مجموعی حیثیت سے پڑھنے والے کو دعوت غور و فکر دیتی ہے اور یہ ایک کتاب یا مصنف کی کامیابی کا ایک بڑا ثبوت ہے.

(ع - ر - ق)

مقالـــہ نمـا

مرتبین :

ڈاکٹر عالی جعفری

سید مجاہد حسین حسینی

عبد الستار دلوی

علاؤ الدین جینابڑے

فہرست عنوانات

۱	مذہبیات	۱
۲	تذکرہ و سیرت نگاری	۳
۳	تاریخ و سیاسیات	۷
۴	تنقید، ادب، لسانیات	۱۰
۵	معاشرتی حالات	۱۷
٦	متفرقات	۱۷
۷	آرٹ	۱۸

میرزا مظہر جان جاناںؒ

اور

ان کا اردو کلام

میرزا مظہر جان جاناں کے عہد کے سیاسی، معاشرتی، مذہبی حالات اور اردو شاعری کا جائزہ، ان کے سوانح حیات، ان کے خلفا و تلامذہ کے حالات، ان کے ملفوظات، ان کے فارسی و اردو کلام پر تبصرہ اور ان کے منتشر اردو کلام کی ترتیب

مرتبہ: عبد الرزاق قریشی، رفیق انجمن اردو رسرچ انسٹی ٹیوٹ، بمبئی

صفحات ۳۷۲ — قیمت ٦ روپے

ملنے کا پتہ: ادبی پبلشرز، شیفرڈ روڈ، بائیکلا، بمبئی

مذہبیات

۱ ابو محمد امام‌الدین رام نگری
نظریہ اوتار اور عقیدۂ رسالت
(زندگی رام پور ۶۰ء اکتوبر، نومبر، دسمبر)
عقیدۂ رسالت کے پیش نظر اوتار کے نظریہ کی وضاحت کی ہے۔ قسط ۱، ۲، ۳

۲ اصلاحی امین احسن
سفر حج — سفر کی پہلی منزل
(میثاق لاہور ۶۰ء نومبر ۴۰ ـ ۴۱ ـ ۴۸)
سفر حج کے سلسلے میں تیاری کا ذکر

۳ اصلاحی امین احسن
سفر حج — کراچی سے جدہ
(میثاق لاہور ۶۰ء دسمبر ۴۴ ـ ۵۱)
کراچی سے جدہ تک کے سفر کے حالات درج ہیں

۴ اصلاحی صدرالدین
عبادت کا اسلامی تصور
(زندگی رام پور ۶۰ء نومبر ۴۲ ـ ۵۶)
عبادت کے اسلامی تصور کی وضاحت کی ہے

۵ اصلاحی ضیاءالدین
خانہ کعبہ کی اہمیت کے اسباب
(میثاق لاہور ۶۰ء اکتوبر، نومبر، دسمبر)
خانہ کعبہ کی اہمیت کے اسباب بیان کئے ہیں۔ قسط ۳، ۴، ۵

۶ تنزیل‌الرحمن
اسلام کا نظام معدلت
(ثقافت ۶۰ء دسمبر ۳۱ ـ ۳۶)
اسلام کے نظام معدلت کا ایک خاکہ پیش کیا ہے

۷ خورشید احمد
اسلامی آئیڈیو لوجی
(چراغ راہ ۶۰ء دسمبر ۳۱ ـ ۷۵)
اسلامی نظریۂ زندگی و سیاست کی وضاحت کی ہے

۸ زرقاء مصطفےٰ احمد
مترجم: اصلاحی ضیاءالدین
اجتہـــاد
(معارف ۶۰ دسمبر ۴۳۴ ـ ۴۵۰)
دسمبر ۱۹۵۷ء کے آخر اور جنوری ۱۹۵۸ء کے شروع میں ہونے والی اسلامی بین‌الاقوامی کانفرنس (لاہور، پاکستان) میں پڑھے جانیوالے ایک مقالہ کا ترجمہ درج ہے۔ مقالہ عربی میں ڈاکٹر مصطفےٰ احمد زرقاء کا لکھا ہوا ہے

۹ شیخ عبدالحق محدث دہلوی
مترجم قادری سید احمد
دین نصیحت ہے
(زندگی رام پور ۶۰ء اکتوبر ۱۹ ـ ۲۵)
رسول اکرم کی متعلقہ حدیث کی

عبدالحق محدث دہلوی نے تشریح کی جس کا ترجمہ یہاں درج ہے

۱۰ صدیقی مظہرالدین

اسلامی تحریک پر تصوف کا اثر

(ثقافت ۶۰ء اکتوبر ۶۸ ـ ۷۲)

ابتداءً تصوف نے مسلمانوں پر اچھا اثر ڈالا لیکن عرب سے باہر نکل کر خود اس کی نوعیت بدل گئی ـ چنانچہ بعد میں اس کا اثر اچھا نہیں پڑا

۱۱ صدیقی مظہرالدین

انسانیت اسلام سے پہلے

(ثقافت ۶۰ء نومبر ۳۱ ـ ۴۶)

اسلام سے قبل کی مذہبی، سیاسی، اقتصادی اور تمدنی ماحول کا جائزہ پیش کیا ہے

۱۲ عبدالحئی

اسلامی فکر میں وحدۃالوجود کا نظریہ

(معارف ۶۰ء اکتوبر ۳۰۱ ۳۰۵)

۲ ـ (معارف ۶۰ء اگست سے مسلسل) دوسری قسط درج ہے

۱۳ عبدالغفار حسن

غربت اسلام کے اسباب

(میثاق لاہور ۶۰ء اکتوبر ۲۳ ـ ۳۰)

غربت اسلام کے اسباب کی تفصیل درج ہے

۱۴ عتیق الرحمن سنبھلی

تعداد ازدواج

(الفرقان ۶۰ء اکتوبر ۴۹ ـ ۶۲)

مولانا شاہ محمد جعفر ندوی پھلواروی کی مرتبہ کتاب «مسئلہ تعداد ازدواج» پر تبصرہ کیا ہے

۱۵ عثمانی ظفر احمد

مقتدی اور سورۂ فاتحہ کی قرأت

(فاران ۶۰ء نومبر ـ دسمبر)

۱ ـ مقتدی اور سورۂ فاتحہ کی قرأت کے سلسلے میں کتاب و سنت کی روشنی میں حنفی مذہب کا موقف بیان کرنے کی کوشش کی ہے ـ قسط ۱ ـ ۲

۱۶ عمری جلال الدین انصر

اسلام کا شورائی نظام

(میثاق لاہور ۶۰ء اکتوبر، نومبر، دسمبر)

اسلام کے نظام شوریٰ پر تفصیلی بحث قسط ۲، ۳، ۴

۱۷ عمری جلال الدین انصر

زندگی کی وسعتوں پر خدا کی حکمرانی

(زندگی رام پور ۶۰ء اکتوبر ۳۹ ـ ۴۷)

خدا کا تصور زندگی بسر کرنے کا ایک سسٹم عطا کرتا ہے اور زندگی کے سارے پہلوؤں کو محیط ہے

۱۸ قریشی اعجاز حسین

اسلام کا تاریخی رول

(چراغ راہ ۶۰ء دسمبر ۹۷ ـ ۱۰۴)

اسلام نے تاریخ انسانیت کی تشکیل میں ایک منفرد کردار ادا کیا ہے

۱۹ محمد ناصر و سعید رمضان

مترجم: حامدی خلیل

اسلام اور تھیا کریسی

(چراغ راہ ۶۰ء دسمبر ۹۰، ۹۲ و ۹۳، ۹۶)

«اسلامی حکومت» سے خوفزدہ ہونا غلط ہے۔ دوسری مذہبی حکومتوں سے اس کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ اسلامی حکومت انسانی فطرت کے مطابق ہے۔

۲۰ محمود احمد شیخ

اسلام کا نظریۂ سود اور بنک کاری

(ثقافت ۶۰ء اکتوبر ۲۲ ـ ۳۱)

قرآن و احادیث کی روشنی میں سود اور بنک کاری سے متعلق اسلامی نظریہ بیان کیا ہے

۲۱ مرزا احمد علی

شریعت اسلام اور منافع بینک

(ثقافت ۶۰ نومبر ۵۸ـ۷۲)

منافع بینک پر اسلامی نقطۂ نگاہ سے بحث کی ہے۔

۲۲ مودودی ابوالاعلیٰ

منصب نبوت ــــ صحیح اور غلط تصور کا فرق

(ترجمان القرآن ۶۰ نومبر ۹۷ـ۱۲۰)

۲ـ دوسری قسط درج ہے۔

۲۳ مودودی ابوالاعلیٰ

سنت کے متعلق چند مزید سوالات

(ترجمان القرآن ۶۰ دسمبر ۴۵ـ۶۲)

سنت کے متعلق ڈاکٹر عبدالودود کے چند مزید سوالات کے جوابات درج ہیں۔

۲۴ ندوی حافظ مجیب اللہ

اسلامی قانون اور عرف و عادت

(معارف ۶۰ اکتوبر ۲۴۵ـ۲۶۳)

۲ـ دوسری قسط درج ہے۔

۲۵ وحیدالدین خاں

سورہء مزمل

(زندگی رام پور ۶۰ اکتوبر ۹ـ۱۸)

مطالعۂ قرآن کے تحت سورۂ مزمل کا مطالعہ پیش کیا ہے۔

۲۶ وحیدالدین خاں

سورۂ عصر

(زندگی رام پور ۶۰ نومبر ۹ـ۱۰)

مطالعۂ قرآن کے سلسلے میں سورۂ عصر کا مطالعہ پیش کیا ہے۔

۲۷ وحیدالدین خاں

گوشت خوری کا مسئلہ

(زندگی رام پور ۶۰ نومبر ۲۲ـ۴۱)

گوشت خوری یا جانوروں کے سلسلے میں اسلامی قوانین صحیح اور فطری ہیں۔ ان پر اعتراض کرنا بالکل غلط ہے۔

تذکرہ و سیرت نگاری

۲۸ آغا محمد اشرف

آزاد کا سفرِ ترکستان

(ماہ نو ۶۰ اکتوبر ۲۸ـ۲۹)

ڈاکٹر صادق کے مضمون « سفرِ ایران مطبوعہ ماہِ نو جنوری ۱۹۵۸ کی تردید میں لکھا ہے۔

۲۹ ادارہ

حضرت ثوبان

(فیض الاسلام راولپنڈی ۶۰ نومبر ۲۳-۲۴)

مشہور صحابی حضرت ثوبان کا مختصر تذکرہ درج ہے۔

۳۰ ادارہ

مولانا رشید احمد گنگوہی

(فیض الاسلام راولپنڈی ۶۰ نومبر ۲۵،۲۸)

مکاتیب کی روشنی میں مولانا رشید احمد گنگوہی کے خیالات اور قلبی کیفیات بیان کی ہیں۔

۳۱ ادارہ

مولانا رشید احمد گنگوہی

(فیض الاسلام راولپنڈی ۶۰ دسمبر ۲۵،۲۸)

حضورِ قلب، انکسار، چشتیۂ زمان، غایت انکسار، فن خبیث، خطرات نفس حدیث نفس اور ذات باری تعالیٰ کے عنوانات کے تحت مولانا رشید احمد گنگوہی کی شخصیت کی کیفیت اور ان کے خیالات پیش کئے ہیں۔

۳۲ بدرالدین احمد بدر

مولانا ابوالکلام آزاد اور البنچ

(اشارہ پٹنہ ۶۰ نومبر ۹،۱۲)

ہفتہ وار البنچ پٹنہ سے مولانا ابوالکلام آزاد کے تعلق کا تذکرہ کیا ہے۔

۳۳ برہم ناتھ دت

چنگیز خاں

(فیض الاسلام راولپنڈی ۶۰ دسمبر ۴۹-۵۶)

۱- چنگیز کے حالات کی پہلی قسط درج ہے۔

۳۴ جاوید عصمت اللہ

قرۃالعین سر زمین ایران کی قلو بطرہ

(نگار ۶۰ نومبر ۲۶-۳۴)

مسلک بابی کی حسین و جمیل ہیروئن قرۃالعین کی داستانِ حیات پیش کی ہے۔

۳۵ خلیق انجم

مرزا مظہر جانجاناں کے خطوط

(برہان ۶۰ اکتوبر ۳۲-۳۸)

ضروری تمہید کے بعد مرزا کے دو خط درج کئے ہیں جن مرزا کے خاندان اور اس زمانہ کے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔

۳۶ خلیق انجم

مرزا مظہر جانجاناں

(برہان ۶۰ نومبر ۴۹-۵۴)

۲- اس قسط میں مختلف لوگوں کے نام چار خط ہیں جو جانجاناں کی شخصیت اور زمانہ پر روشنی ڈالتے ہیں۔

۳۷ خلیق انجم

مرزا مظہر جانجاناں کے خطوط

(برہان ۶۰ دسمبر ۴۸،۵۷)

۳- اس قسط میں تین خط درج ہیں جو مرزا کے عہد و شخصیت پر روشنی ڈالتے ہیں

۳۸ دسنوی عبدالقوی

مولانا ابوالکلام آزاد اور حیات جاوید

(قومی زبان ۶۰ اکتوبر)

مولانا ابوالکلام آزاد اور حیات جاوید پر ان کی آراء کا بیان ہے۔

۳۹ صابر مٹھیالوی
تذکرۂ بزرگانِ اسلام
(عارف لاہور ۶۰ اکتوبر ۱۳ـ۱۸)
حضرت خواجہ فقیر محمد نقشبندی رح کے سوانح حیات بیان کئے ہیں.

۴۰ صابر مٹھیالوی
تذکرۂ بزرگان اسلام
(عارف لاہور ۶۰ نومبر ۱۱ـ۱۳)
حضرت محمد رمضان صاحب شہید رح کے مختصر سوانح حیات بیان کئے ہیں.

۴۱ صابر مٹھیالوی
تذکرہ بزرگان اسلام
(عارف ، لاہور .۶ دسمبر ۱۳ـ۱۶)
حضرت ابوالحسن نور رح کے سوانح حیات بیان کئے ہیں.

۴۲ فائق کلب علی خان :
انجام : نواب عمدۃالملک امیر خاں
(اورینٹل کالج میگزین ۶۰ نومبر ۱ـ۳۳)
نواب عمدۃ الملک امیر خان انجام کے حالات پیش کئے ہیں.

۴۳ فریدی نسیم احمد :
تجلیات مجدد الف ثانی مکتوبات کے آئینے میں
(الفرقان لکھنؤ ۶۰ اکتوبر ۲۹ـ۳۴)
شیخ مودود سرھندی ، خانخاناں، شیخ فرید بخاری، ملا احمد برکی، میرزا داراب ابن خانخاناں کے نام چھ خطوں کا ترجمہ و تلخیص درج ہے جن میں مذہبی امور سے متعلق مجدد الف ثانی کے خیالات و تاثرات ملتے ہیں.

۴۴ فریدی نسیم احمد
تجلیات مجدد الف ثانی ـ مکتوبات کے آئینے میں
(الفرقان الکھنؤ ۶۰ نومبر و دسمبر ۱۷ـ۲۴)
مولانا محمد اشرف ، مولانا محمد طاہر لاہوری ، شیخ بدیع الدین سہارنپوری اور خواجہ محمد سعید سرہندی کے نام کے خطوں کا ترجمہ و تلخیص درج ہے جن میں مذہبی امور سے متعلق مجدد الف ثانی کے خیالات ملتے ہیں.

۴۵ محمد ایوب کیپٹن
مطالعۂ آزاد
(العلم ، کراچی ۶۰ جولائی تا دسمبر ۹۸ـ۱۱۴)
مولانا آزاد کی تصانیف اور مضامین کا تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد مولانا کی سوانح حیات اوو ذہنی کاوشوں سے متعلق بعض ایسے بیانات پیش کئے ہیں جو متضاد ہیں یا محلِ نظر.

۴۶ محمد صادق
راہے کہ من رفتم (ایک خط)
(ماہ نو ۶۰ دسمبر ۱۰ـ۱۴)
ڈاکٹر آغا اشرف کے اعتراض پر کہ آزاد کا سفر ترکستان تھا اور ڈاکٹر موصوف نے اسے سفر ایران لکھا ہے، جو اباً «ڈاکٹر صادق نے اپنے مضمون مطبوعہ ماہِ نو جولائی ۱۹۵۸ ء کی وضاحت کی ہے.

۴۷ محمد عتیق صدیقی
سر سید کا ایک مخالف اخبار
(جامعہ، دہلی ۶۰ دسمبر ۷۸-۹۱)
دہلی کے قدیم مٹیو میموریل گزٹ کا تذکرہ ہے۔

۴۸ محمد عزیز،
مولوی نذیر احمد کے لکچر
(فکر و نظر، علی گڑھ ۶۰ اکتوبر ۳۰-۵۷)
مولوی نذیر احمد کا بحیثیت مقرر تعارف کراتے ہوئے ان کی تقریروں کی خصوصیات کا خاکہ پیش کیا ہے۔

۴۹ محمد علی
شائع کنندہ جعفری رئیس احمد
مولانا محمد علی مرحوم کا ایک غیر مطبوعہ تاریخی خط
(ثقافت ۶۰ اکتوبر ۳۲-۳۸)
غلام بھیک نیرنگ کے نام اس خط میں ۱۹۲۵ء کی قریب کی عام سیاسی فضا اور مسلمانوں کی کیفیت سے متعلق مولانا محمد علی کے تاثرات درج ہیں۔

۵۰ محمد مسعود احمد
جمال الدین احمد ہانسوی الخطیب
(برہان ۶۰ نومبر دسمبر، ۵-۲۲)
مشہور صوفی و شاعر جمال الدین احمد ہانسوی الخطیب کی حیات و شخصیت اور شاعری کا تعارف پیش کیا ہے۔ قسط ۱ - ۲۔

۵۱ محی الدین قادری زرو
جیون خان
(سب رس، حیدر آباد ۶۰ نومبر ۴-۵)
محمد جیون خان قعلہ دار گولکنڈہ کی سوانح حیات کا ایک قلمی نسخہ ادارۂ ادبیات اردو کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ مضمون نگار نے اسی کا تعارف کرایا ہے۔

۵۲ مختار الدین احمد
مکاتیب سر سید
(فکر و نظر، علی گڑھ، ۶۰ اکتوبر ۱۳۵-۱۳۸)
مکاتیبِ سر سید کی تیسری قسط ہے جس میں دو خطوں کی نقل اور ایک خط کا عکس ہے۔

۵۳ ندوی سید سلیمان
مکاتیب ... بنام مولوی ابوالکمال سید عبدالحکیم صاحب دسنوی
(معارف ۶۰ اکتوبر ۳۰۶-۳۱۰)
۲ دوسری قسط ہے۔ اس میں چار خط ہیں جن میں کانگریس و خلافت، جدہ کا سفر (ابن سعود اور شریفیوں کی جنگ کے وقت) بنگلور میں قادیانیوں کی شکست (۱۹۲۵ء) وغیرہ سے متعلق گفتگو کی ہے۔

۵۴ ندوی سید سلیمان
مکاتیب ... بنام مولوی ابوالکمال سید عبدالحکیم صاحب مرحوم دسنوی
(معارف ۶۰ دسمبر ۴۵۹)
۳ اس قسط میں دس خط درج ہیں

جن میں نجی حالات کے ساتھ دارالمصنفین اور مولانا کی تصنیف و تالیف وغیرہ سے متعلق چند باتیں ملتی ہیں .

۵۵ ہاشمی نصیر الدین

سیرت النبی کی ایک اہم اور اردو کتاب یعنی فوائد بدریہ

(برہان ۶۰ اکتوبر ۳۹-۴۵)

قاضی بدرالدولہ (ارکاٹ) المتوفی ۱۲۸۰ ھ کی فوائد بدریہ کا تعارف کرایا ہے .

تاریخ و سیاسیات

۵۶ ابصار عالم :

پاکستان ــ تاریخ کے پس منظر میں

(چراغ راہ ۶۰ دسمبر ۱۲۱-۱۹۳)

مسلمانوں نے ہمیشہ اپنے قومی، تمدنی اور تہذیبی انفرادیت کو برقرار رکھنے کے لئے جدوجہد کی ہے اور پاکستان اسی سلسلے کی ایک کڑی کی حیثیت سے وجود میں آیا .

۵۷ ادارہ

حضرت عمرو بن عبسہ

(فیض الاسلام راولپنڈی ۶۰ دسمبر ۲۳-۲۴)

عمرو بن عبسہ کے حالات، قبول اسلام اور شجاعت وغیرہ کا مختصر تذکرہ درج ہے .

۵۸ اسمتھ، ڈبلیو، سی

ترجمہ : عبدالرحمٰن

پاکستان کی اسلامی ریاست

(چراغ راہ ۶۰ دسمبر ۷۷-۲۹۴)

ولفریڈ کانٹول اسمتھ کی کتاب « اسلام تاریخ جدید میں » کے پاکستان سے متعلق باب کی تلخیص و ترجمہ درج ہے . ساتھ ہی مسٹر اسمتھ کے تسامحات بھی ادارہ چراغ راہ نے استدراک کے عنوان کے ساتھ بیان کئے ہیں .

۵۹ انصاری ظفر احمد

پاکستان ماضی، حال اور مستقبل

(چراغ راہ ۶۰ دسمبر ۲۰۷-۲۱۷)

پاکستان کے ماضی، حال اور مستقبل کے سلسلے میں اپنے خیالات اور تاثرات بیان کئے ہیں .

۶۰ انصاری ظفر احمد

نظریۂ پاکستان اور علما

(چراغ راہ ۶۰ دسمبر ۲۲۸-۲۴۸)

نظریۂ پاکستان کی تشکیل اور پاکستان کی تعمیر و ترقی میں علماء نے جو حصہ لیا ہے اس کی صراحت کی ہے .

۶۱ بیدار عابد رضا

تحریک ندوۃالعلماء

(ثقافت ۶۰ دسمبر ۵۸-۶۲)

تحریک ندوۃالعلما سے متعلق ایک دستاویز درج ہے .

۶۲ ثمینہ شوکت
جنگ آزادی کا اولین مجاہد
(نوای ادب ، بمبئی ۶۰ اکتوبر ۱۷-۲۹)
آصف جاہی شہزادہ میر گوہر علی خان مبارز الدولہ اردو کا شاعر اور جنگ آزادی کا اولین مجاہد تھا . اس نے مہاراجہ چندو لعل اور انگریزوں کی دست برد کے خلاف بغاوت کی تھی .

۶۳ حامدی خلیل
عالم اسلام اور نظریۂ پاکستان — دستوری اثرات کا ایک جائزہ
(چراغ راہ ۶۰ دسمبر ۳۰۵-۳۲۲)
عالم اسلام کے دستوروں پر نظریۂ پاکستان کے اثرات کا جائزہ پیش کیا ہے .

۶۴ حسن ریاض
قرارداد پاکستان کا منظر و پس منظر
(چراغ راہ ۶۰ دسمبر ۱۹۴-۲۰۶)
مقالہ نگار نے ان سیاسی رجحانات اور واقعات کا جائزہ لیا ہے جن کے نتیجہ کے طور پر قرارداد پاکستان پیش کی گئی تھی . نیز مارچ ۱۹۴۰ء کے اجلاس کی مختصر روداد بھی پیش فرمائی ہے .

۶۵ خالد بن سعید
مترجم : نظمی ، وحید اللہ
پاکستان کے ۱۲ سال — ایک جائزہ
(چراغ راہ ۶۰ دسمبر ۲۴۹-۲۶۵)
قیام پاکستان سے لے کر اب تک کے حالات کا جائزہ پیش کیا ہے .

۶۶ خان جی . ایم
ہمارے خیالات
(ہندوستانی ادب. حیدرآباد ۶۰ اکتوبر - نومبر ۳-۱۶)
رسالۂ ہندوستانی ادب ، کی اشاعت کی ۲۰ سالہ تاریخ پیش کی ہے .

۶۷ خلیق احمد نظامی
نفائس المآثر
(فکر و نظر ، علی گڑھ ۶۰ اکتوبر ۱۳۱-۱۴۲)
عہدِ اکبری کے ایک مشہور ادیب و مورخ علاء الدین کامی قزوینی کی تالیف نفائس المآثر کا قدیم ترین نسخہ مسلم یونیورسٹی کے کتب خانہ میں موجود ہے ، مضمون نگار نے مؤلف اور اس کی تالیف کا تعارف کرایا ہے .

۶۸ خورشید احمد
پاکستان : تاریخی دستاویزات
(چراغ راہ ۶۰ دسمبر ۴۴۵-۵۴۳)
پاکستان کے نظریہ اور قیام کے سلسلے میں تاریخی اہمیت کے مالک بیانات اور تحریریں درج ہیں .

۶۹ خورشید مصطفےٰ رضوی
تحریک ۱۸۵۷ء کا ایک ماخذ
(نگار ۶۰ اکتوبر ۱۲-۲۶)
تحریک آزادی سے متعلق آر . سی . مجمدار کی کتاب پر تنقیدی روشنی ڈالی ہے .

۷۰ رشید الدین
قلعۂ دولت آباد

(آجکل ٦٠ دسمبر ۱۹)

مرہٹواڑہ کے قدیم اور مستحکم تاریخی قلعہ «قلعۂ دولت آباد» کی تاریخی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔

۷۱ ز. زبیری

قتل شیر افگن اور معاشقۂ جہانگیر و نور جہاں

(نگار ٦٠ دسمبر ۳۵-۳۸)

قتلِ شیر افگن اور معاشقۂ جہانگیر و نور جہاں کو تاریخ کی صحیح روشنی میں پیش کیا ہے۔

۷۲ صباح الدین عبد الرحمان

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تہوار

(معارف ٦٠ نومبر، دسمبر)

عیـــد الفطر، عید اضحیٰ اور جشن نوروز کا ذکر ہے قسط ۱-۲

۷۳ ضیاء الحسن فاروقی

ترکی اٹھارہویں انیسویں صدی میں

(جامعہ دہلی ٦٠ دسمبر ٦٤-۷۷)

پہلی جنگ عظیم کے بعد مصطفے کمال کی قیادت میں انقلاب ترکی کے پس منظر کو اجاگر کیا ہے۔

۷۴ فارق خورشید احمد

تاریخ الـردة

(برہان ٦٠ اکتوبر، نومبر)

تیرہویں اور چودہویں قسط درج ہے۔

۷۵ قاضی اطہر مبارکپوری

قاضی رشید بن زبیر عنسانی اسوانی مصری متوفی محرم ٥٦٣ ھ

(معارف ٦٠ دسمبر ٤٥١-٤٥٨)

الذخائر والتحف (عربی) کے مقدمہ میں قاضی رشید بن زبیر عنسانی اسوانی مصری سے متعلق مقدمہ نگار ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے سہو پر تنقید و تحقیق کی ہے۔

۷٦ کیانی ایم. آر. وغیرہ

مذاکرہ — پاکستان اور اسلامی نظریہ

(چراغ راہ ٦٠ دسمبر ۳۳۹-٤٤٠)

پاکستان اور اسلامی نظریہ کے سلسلے میں مختلف لوگوں کے خیالات اور تاثرات درج ہیں۔

۷۷ محمد عاصم

ارض القرآن کا سفر

(ترجمان القرآن ٦٠ دسمبر ۳۱-٤٤)

٦- چھٹی قسط درج ہے۔

۷۸ مصطفی السباعی

مترجم: حسینی سید محمد

اسلامی تاریخ میں اوقاف اور رفاہ عام کے ادارے

(الفرقان لکھنؤ ٦٠ نومبر و دسمبر ۷۹-۸٦)

مسلمانوں کے اوقاف اور رفاہ عام کے اداروں کی نوعیت و کیفیت بیاں کی ہے۔

۷۹ مقیت الحسن سید

سرجادوناتھ سرکار کا محفوظۂ مخطوطات

(معارف ٦٠ نومبر ۳۷٤-۳۸۸)

۱۔ سر جادو ناتھ سرکار کے انتقال (۱۹۵۸ء) کے بعد (۱۹۵۹ء) ان کے مخطوطوں وغیرہ کو نیشنل لائبریری میں منتقل کردیا گیا۔ موجودہ مقالہ اس مخطوطہ کی کتابوں کے مختصر تعارف پر مشتمل ہے (باقی)۔

۸۰ مودودی ابو الاعلیٰ

اسلامی ریاست کے بنیادی اصول

(چراغ راہ ۶۰ دسمبر ۷۶۔۸۹)

اسلامی نظریۂ سیاست کی توضیح کرتے ہوئے اس کے بنیادی اصول مع تشریح بیان کئے ہیں۔

۸۱ ندوی ابو الحسن علی

طوفان سے ساحل تک

(الفرقان لکھنؤ ۶۰ اکتوبر ۸۔۲۸)

جرمن نو مسلم لیوپولڈ محمد اسد کی «روڈ ٹو مکہ» کے اردو ترجمہ «طوفان سے ساحل تک» کا مقدمہ درج ہے جو خود کتاب کا نچوڑ ہے۔

۸۲ نذیر احمد

سلاطین گجرات کی ایک نادر تاریخ

(فکر و نظر، علی گڑھ ۶۰ اکتوبر ۷۲۔۸۵)

تاریخ گجرات کے ایک قلمی نسخے کا تعارف کرایا ہے جس کا ذکر مقالہ نگار کے خیال میں فرشتہ نے طبقات محمود شاہی کے نام سے کیا ہے۔

تنقید ادب، لسانیات

۸۳ اجمل خان

بھارت کی زبانوں میں عربی فارسی کے الفاظ

(اجکل ۶۰ دسمبر ۴۔۱۲)

بھارت کی زبانوں خصوصاً گجراتی اور کشمیری میں عربی فارسی کے الفاظ کے استعمال پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ایک طویل فہرست دی ہے۔

۸۴ احسن فاروقی

تخلیق و تنقید

(قومی زبان نومبر دسمبر ۶۰)

تخلیق میں تنقیدی شعور کی اہمیت کو پیش کیا ہے۔

۸۵ اختر انصاری

ہندوستانی ڈراما اور انارکلی،

(ہندوستانی ادب، حیدرآباد ۶۰ اکتوبر، نومبر، دسمبر)

اردو ڈراما نگاری کا تاریخی و تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے، انارکلی، کا درجہ متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ قسط ۱۔ ۲۔

۸۶ انجم فاطمی

غالب ــ اس کا عہد اور شاعری

(شاعر، بمبئی، ۶۰ نومبر ۱۵۔۱۸)

غالب کی زندگی میں تہذیب و تمدن کے اعتبار سے ایک دور ختم ہوکر دوسرے دور کا آغاز ہورہا تھا اسی لئے غالب کے کلام میں روایت اور جدت پسندی

باہم گلے مل رہی ہیں۔

۸۷ انصار اللہ نظر

فوق بن ذوق

(نگار ۶۰ دسمبر ۲۰-۲۳)

ذوق کے لڑکے فوق سے متعلق مختلف تذکروں کی روشنی میں معلومات فراہم کی ہیں۔

۸۸ ایک پروفیسر

مصحفی کی انفرادیت اور شخصیت

(نگار ۶۰ نومبر ۶-۱۵)

مصحفی کی شخصیت اور شاعری میں اس کے انفرادی رنگ پر سیر حاصل ناقدانہ تبصرہ کیا ہے۔

۸۹ بیدار عابد رضا

جوئے کہستان کی موج رواں اقبال کے کچھ غیر مرتب نوادر

(برہان ۶۰ دسمبر ۵۲-۵۷)

اقبال کی ایک فارسی غزل، ایک فارسی نظم، اور حسن نظامی، سر اکبر حیدری، مسعود عالم ندوی، اور ڈاکٹر رام باہو سکسینہ کے نام چار خط درج ہیں۔ ان سے متعلق ضروری تصریحات بھی دی ہیں۔

۹۰ بیدار عابد رضا

رفتار ادب

(قومی زبان ۶۰ کتوبر ۱۶ نومبر دسمبر)

ہمارے ادب کی رفتار سے متعلق اپنے خیالات پیش کئے ہیں۔

۹۱ بیدار عابد رضا

ایک جوئے کہستان کی موج رواں

(ماہ نو ۶۰ نومبر ۱۷-۲۰)

اقبال کے چند نایاب پاروں کو پیش کیا ہے۔

۹۲ حفظ الکبیر قریشی

واجدہ تبسم

(شاعر بمبئی، ۶۰ دسمبر ۱۸-۲٤)

ایک ابھرتی ہوئی افسانہ نگار، واجدہ تبسم کی شخصیت کا مطالعہ پیش کیا ہے۔

۹۳ حمیدالدین شاہد

لچھمی نارائن شفیق اور ان کی مثنوی «تصویر جاناں»

(ہندوستانی ادب، حیدرآباد، ۶۰ اکتوبر نومبر ۲۵-۳۲)

لچھمی نارائن شفیق کا تعارف کراتے ہوئے ان کی مثنوی تصویر جاناں، سے اقتباسات پیش کئے ہیں۔

۹۴ خلیفہ عبدالحکیم

افادات رومی

(ثقافت ۶۰ دسمبر ۳۷-۴۳)

مولانا روم کی «فیہ مافیہ» (نثری کتاب) کے بعض حصوں کا خلاصہ درج کیا ہے۔

۹۵ راشد آذر

ساحر کا شعور

(صبا ۶۰ نومبر دسمبر ۳۳)

ساحر لدھیانوی کی شاعری کے بنیادی عناصر اور اس کے شعور پر روشنی ڈالی ہے۔

۹۶ رشید احمد صدیقی

تیری یاد کا عالم

(فکر و نظر ، علی گڑھ ۶۰ اکتوبر ۱۱۶-۱۳۴)

جگر مرحوم سے متعلق ایک تاثر پیش کیا ہے۔

۹۷ رفیق خاور

نغمہ ہے اور صدا نہیں

(ماہ نو ۶۰ نومبر ۱۱-۱۶)

جگر کی شاعری اور اس کے محرکات پر روشنی ڈالی ہے۔

۹۸ زار راج نرائن

منور اور مذہب

(نگار ۶۰ دسمبر ۱۲-۱۶)

علامہ بشیشور پرشاد منور اور ان کے مذہب پر سیر حاصل روشنی ڈالی ہے۔

۹۹ سخاوت مرزا

ابوالمعرفت شاہ زین الدین کنج نشین بیدری رح

(نوای ادب ، بمبئی ، ۶۰ اکتوبر ۴۱-۶۱)

شاہ زین الدین سجادہ بیدری رح کا تفصیلی تعارف ، حالاتِ زندگی اور کلام کا نمونہ پیش کیا ہے۔

۱۰۰ سخاوت مرزا

صراط المستقیم کیا وجہی کی تصنیف ہے ؟

(اورئینٹل کالج میگزین ۶۰ نومبر ۴۵-۶۴)

صراط المستقیم اور اس کے مصنف سے متعلق معلومات پیش کی ہیں۔

۱۰۱ سروش عسکری طبا طبائی

حبیب احمد صدیقی کی غزل گوئی

(آجکل ۶۰ نومبر ۳-۱۱)

حبیب احمد صدیقی جدید اردو غزل گویوں مین ممتاز شخصیت کے مالک ہیں ، مضمون نگار نے ان کی غزل گوئی پر مفصل اظہار خیال کیا ہے۔

۱۰۲ سعید احمد اکبرآبادی

حضرت جگر مرادآبادی

(برہان ۶۰ اکتوبر ۲-۴)

جگر مرادآبادی کی وفات پر اظہار افسوس کے بعد ان کی شخصیت اور شاعری کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۰۳ سعید احمد رفیق

ام الفضائل ـــ خودی

(ثقافت ۶۰ اکتوبر ۴۳-۶۷)

(اقبال کے نقطۂ نظر سے) خودی کے مفہوم و مطالب اور نوعیت و کیفیت بیان کی ہے۔

۱۰۴ سماک رامح

حضرت جوش ملیح آبادی کی نظم «بھری برسات»

(نگار ۶۰ اکتوبر ۳۵-۳۸)

جوش کی نظم بھری برسات پر ناقدانہ اظہار خیال کیا ہے۔

۱۰۵ شجاعت علی سندیلوی

حالی کی سیاسی شاعری

(فروغ اردو ، لکھنؤ ۶۰ نومبر ۶-۱۹)

واضح کیا گیا ہے حالی میں کافی سیاسی شعور موجود تھا اور انہوں نے سب سے پہلے اردو نظم میں انگریزوں کی سیاست کا پردہ چاک کیا۔

۱۰۶ شرما امین چند

رباعیات امجد

(الفرقان لکھنؤ ۶۰ نومبر و دسمبر ۸۷-۹۶)

امجد حیدر آبادی کی رباعیات پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۰۷ شکیل الرحمان

نیاز فتحپوری کے افسانے

(صبا ۶۰ نومبر ، دسمبر ۲۳-۲۸)

نیاز فتحپوری کے افسانوں پر اظہار خیال کیا ہے۔

۱۰۸ شعیب راہی

شکیلہ اختر بہ حیثیت افسانہ نگار

(اشارہ پٹنہ ۶۰ دسمبر ۱۵-۲۳)

مشہور خاتون افسانہ نگار شکیلہ اختر صاحبہ کی افسانہ نگاری کی خصوصیات سے بحث کی ہے۔

۱۰۹ شمس تبریز خاں

جگر کا اسلوب غزل

(فروغ اردو لکھنؤ ۶۰ اکتوبر ۵-۱۷)

جگر مراد آبادی کی غزل گوئی کا جائزہ لیتے ہوئے ثابت کیا گیا ہے کہ ان کی غزلیں زندگی کی صحیح آئینہ دار ہیں۔

۱۱۰ شمس تبریز خاں

حسرت کا اردوئے معلیٰ

(فروغ اردو لکھنؤ ۶۰ دسمبر ۴۱-۵۶)

حسرت موہانی کے ادبی جریدے «اردوئے معلیٰ» کے آغاز ، ترتیب اور مقبولیت کا ذکر ہے۔

۱۱۱ صالحہ عابد حسین

میر انیس

(جامعہ دہلی ۶۰ دسمبر ۹۲-۹۹)

میر ببر علی انیس کی مرثیہ گوئی پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۱۲ صوفی نذیر احمد

اقبال و رومی کا دین و عمرانی مقام

(برہان ۶۰ دسمبر ۱۹-۴۷)

اقبال و رومی کے مابین مشابہت و اختلاف کو بیان کرتے ہوئے ان کے دین و عمرانی مقام پر بحث کی ہے۔

۱۱۳ ظ . انصاری

پریم چند

(شاعر ۶۰ دسمبر ۱۵-۱۷)

پریم چند کے ادبی شعور کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔

۱۱۴ ظفر احمد

آتش اور ان کی شاعری

(شاعر ، بمبئی ۶۰ دسمبر ۲۵-۲۷)

آتش نے لکھنؤ کی فرسودہ و مبالغہ آمیز شاعری سے ہٹ کر نئے انداز سے سوچا اور نئی قدروں کو ابھارا۔

۱۱۵ عبد الصمد سربازی

ناطق مکرانی

(ماہ نو ۶۰ اکتوبر ۳۹-۴۳)

غالب کے ہم عصر ناطق مکرانی کا تعارف پیش کیا ہے۔

۱۱۶ عبد القوی دریابادی

اردو کے چار مشاہیر کی بعض مشترک چیزیں

(فروغ اردو، لکھنؤ ۶۰ دسمبر ۹-۱۶)

محمد حسین آزاد، نذیر احمد، مولانا شبلی اور حالی کی مشترکہ صفات ذاتی پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۱۷ فاضل زیدی

مثنوی فریاد داغ کی شان نزول

(سب رس حیدرآباد ۶۰ دسمبر ۴-۶)

مثنوی فریاد داغ کی شان نزول، حجاب کے حیدر آباد آنے اور اختر جان کے ملازمت سے ہٹائے جانے کے متعلق حضرت داغ کی آغوشی دختر محترمہ لاڈلی بیگم کی توجیہات بیان کی ہیں۔

۱۱۸ فرمان فتحپوری

اردو کی ایک گمنام مثنوی

(قومی زبان ۶۰ نومبر)

غلام علی مہری بمبئی کے مشہور اردو گو شعرا میں سے تھے، مضمون نگار نے ان کی مثنوی «سعد و سلمی» کا تعارف پیش کیا ہے۔

۱۱۹ قاضی عبد الستار

خواجہ میر درد کی شاعری

(ادب لطیف، لاہور ۶۰ اکتوبر ۷-۱۴)

خواجہ میر درد کی شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ وہ محض تصوف کے شاعر نہیں ہیں. ان کی شاعری میں توازن اور ہمواری پائی جاتی ہے اور زندگی سے شدید محبت کی پرچھائیاں ملتی ہیں۔

۱۲۰ قاضی عبد الودود

بہار

(اشارہ، پٹنہ ۶۰ نومبر ۵-۸)

گلدستہ بہار کے تاریخی ماخذ پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۲۱ قاضی عبد الودود

غمگین دہلوی

(برہان ۶۰ اکتوبر ۴۶-۵۱)

خود غمگین اور غالب کے نام ان کے خطوط سے متعلق برہان میں شائع شدہ مقالوں کے سلسلے میں چند گفتنی باتیں ملتی ہیں جن کی صراحت مطلوب ہے۔

۱۲۲ قاضی عبد الودود

کچھ سودا کے بارے میں

(سب رس. حیدرآباد ۶۰ نومبر ۶-۱۰)

سودا کے سوانح حیات کے بارے میں کچھ تحقیقی نکات پیش کئے ہیں۔

۱۲۳ قاضی عبد الودود

دیوانِ نوعی

(فکر و نظر، علی گڑھ ۶۰ اکتوبر ۵۸-۷۱)

اکبری دور کے ایک فارسی شاعر نوعی کے دیوان کا ایک ناقص نسخہ کتابخانۂ

خدا بخش میں موجود ھے ، مقالہ نگار نے اُسی کا تعارف کرایا ھے ۔

۱۲۴ قریشی اللہ بخش

اقبال کا تصور حسن و عشق

(فیض الاسلام ، راولپنڈی ۶۰ نومبر ۴۱-۴۸)

اقبال کے تصور حسن و عشق کی وضاحت کی ہے ۔

۱۲۵ قیسی الفاروقی

جگر و کلام جگر

(نگار ۶۰ نومبر ۱۶ ۔ ۲۱)

جگر کی شخصیت اور شاعری پر روشنی ڈالی ہے ۔

۱۲۶ گوپی چند نارنگ

رفتارِ ادب

(سب رس ، حیدرآباد ۶۰ دسمبر ۷ ۔ ۹)

اردو ادب کی موجودہ رفتارِ ترقی کا جائزہ لیا ہے ۔

۱۲۷ لطیف الرحمٰن

نساخ اور اس کے کارنامے

(نوائے ادب ، بمبئی ۶۰ اکتوبر ۳۰ ۔ ۴۰)

مولوی عبدالغفور نساخ اور ان کی جملہ اٹھارہ کتابوں کا تعارف کرایا ہے

۱۲۸ ماہرالقادری

رجال اقبال ۔ کلام اقبال میں کردار نگاری

(فاران ۶۰ نومبر ۳۰ ۔ ۳۹)

کلام اقبال میں مختلف اشخاص کا ذکر ملتا ہے جو موقع محل سے ان کے کردار کے بعض پہلوؤں کو اجاگر کر دیتا ہے ۔

۱۲۹ ماہرالقادری

جگر مراد آبادی مرحوم

(فاران ۶۰ نومبر ۲۷ ۔ ۴۶)

اپنے مشاہدات و تاثرات کی روشنی میں جگر کی شخصیت بیان کی ہے ۔

۱۳۰ محمد علی صدیقی

انگریزی ناول ۔ دوجنگوں کے درمیان

(۱۹۶۰ اکتوبر ۱۱ ۔ ۱۴)

انگریزی ناول کی تکنک پر جنگ عظیم کے رد عمل کا جائزہ لیا ہے ۔

۱۳۱ محمد یٰسین

کلام اقبال کا سیاسی پس منظر

(نگار ۶۰ اکتوبر ۶ ۔ ۱۱)

اقبال کی شاعری کے سیاسی پس منظر پر اظہار خیال کیا ہے ۔

۱۳۲ محی الدین قادری زور

ناوک گلشن آبادی

(سب رس ، حیدرآباد ۶۰ اکتوبر ۳ ۔ ۵)

دکن کے ایک گمنام شاعر ، احمدحسین ناوک کے بارے میں تحقیقی مقالہ ہے ۔

۱۳۳ مسعود احمد

خواجۂ خورد اور ان کی فارسی رباعیات

(معارف ۶۰ اکتوبر ، نومبر)

محمد عبداللہ نام ، خواجۂ خورد لقب اور تخلص احمد ہے ۔ ولادت ۱۰۱۰ھ بمقام دہلی ہوئی ۔ علوم ظاہری و باطنی میں مہارت و کمال حاصل کیا ۔ نغزگو شاعر تھے ۔ قسط ۱ ، ۲ ۔

۱۳۴ مشرف، ڈاکٹر

ادب عربی کا فقیدالمثال شاعر

(عارف، لاہور ۶۰ نومبر ۱۵ ـ ۱۷)

عربی شاعر متنبی کی قادرالکلامی کا تعارف کرایا ہے۔

۱۳۵ مشہود مفتی

رات کے پرستارو! ــ ایک شاہکار نظم

(شاعر، بمبئی ۶۰ نومبر ۲۳ ـ ۳۰)

رات کے پرستارو! نازش پرتابگڈھی کی ایک شاہکار نظم اردو کی حمایت مین ہے۔ مضمون نگار نے اُس پر تبصرہ کیا ہے

۱۳۶ منظر نقوی

جگر کی عشقیہ شاعری

(سب رس، حیدرآباد ۶۰ نومبر ۱۱ ـ ۲۰)

جگر کی عشقیہ شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا ہے کہ اُس میں ایک شائستگی تہذیب اور پاکیزگی ہے

۱۳۷ نجیب اشرف ندوی

بمبئی سے متعلق دو قدیم مثنویاں

(نوائے ادب، بمبئی ۶۰ اکتوبر ۵ ـ ۱۶)

بابو میاں فقیہ کوکنی کی دو مثنویاں تعارف کے ساتھ پیش کی ہیں۔

۱۳۸ ندوی وحید قیصر

مشرقی پاکستان کی اردو صحافت

(ثقافت ۶۰ دسمبر ۶۳ـ۶۹)

مشرقی پاکستان کی صحافتی سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے۔

۱۳۹ نذیر احمد

ہندی کے چند مسلمان شعراء

(معارف ۶۰ دسمبر ۴۰۵ـ ۴۲۱)

رسالۂ نیا دور لکھنؤ ۶۰ اگست میں شائع شدہ مضمون «ہندی کے مسلمان شاعر» از سرسوتی‌سرن کیف کی کوتاہیوں کے پیش نظر اس مقالہ میں جامعیت سے کام لینے کی کوشش کی ہے۔ (مسلسل)

۱۴۰ نصیر احمد صدیقی

عبدالماجد دریابادی کی طنزیہ شاعری

(فروغ اردو لکھنؤ، ۶۰ اکتوبر ۲۷ ـ ۳۵)

طنز نگاری پر فنی اور تاریخی بحث کرتے ہوئے مولانا عبدالماجد کی طنز نگاری پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۴۱ نظیر حسین زیدی

«سوانح غالب تاریخی اعتبار سے

(العلم، کراچی، ۶۰ جولائی تا ستمبر ۶۶ـ ۹۱)

غالب کے سوانح حیات بقید تاریخ و سال تفصیل کے ساتھ درج کئے ہیں۔

۱۴۲ نیرنگ نیازی

فانی اور غم دوراں

(مہر نیمروز ۶۰ دسمبر ۱۵)

فانی کی شاعری اور اسمیں غم دوراں کی حقیقت پر اظہار خیال کیا ہے۔

۱۴۳ وقار احمد رضوی

رباعی، فارسی سے اردو تک

(صبا ۶۰ نومبر، دسمبر ۲۹ـ ۳۲)

فارسی سے اردو تک رباعی کے ارتقاء

پر سیر حاصل روشنی ڈالی ہے۔

۱۴۴ ویریندر پرشاد سکسینہ

منشی جگن ناتھ خوشتر لکھنوی

(فروغ اردو لکھنؤ ۶۰ نومبر ۲۷-۳۰)

نواب واجد علی شاہ تاجدار اودھ کے دور کے ایک انشاء پرداز اور شاعر خوشتر لکھنوی کا تعارف کرایا گیا ہے۔

۱۴۵ یوسف بخاری

بھول بھلیّاں

(ماہ نو ۶۰ دسمبر ۱۷)

اصناف شاعری میں پہیلی کی اہمیت اور ہئیت پر اظہار خیال کیا ہے اور اردو میں پہیلیوں کے ارتقا پر روشنی ڈالی ہے۔

معاشرتی حالات

۱۴۶ حتی فلپ۔ کے

مترجم ارشد رشید احمد

امریکہ میں مشرقی علوم کی اشاعت

(ثقافت ۶۰ نومبر ۴۷-۵۷)

امریکہ میں مشرقی علوم کی اشاعت سے متعلق معلومات فراہم کی ہیں۔

۱۴۷ حمید اللہ ڈاکٹر

مستشرقین عالم کا پچیسواں اجلاس ماسکو

(معارف ۶۰ نومبر ۳۸۹-۳۹۷)

تمہید و تاریخ کے ساتھ، ماسکو کے اجلاس سے متعلق معلومات فراہم کی ہیں۔

۱۴۸ سید عبداللہ

پاکستان میں عربی و فارسی کی تعلیم کا مستقبل

(اورینٹل کالج میگزین ۶۰ نومبر ۳۳-۴۴)

پاکستان میں عربی و فارسی کی تعلیم کے مستقبل سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

متفرقات

۱۴۹ خلیفہ عبدالحکیم

آزادی کی نفسیات

(ثقافت ۶۰ نومبر ۵-۱۱)

حقیقی آزادی ورزش عشق اور مشق عدل کا ثمرہ ہے۔

۱۵۰ خواجہ عبدالرشید

علم النفسیات کا ایک افادی پہلو

(برہان ۶۰ اکتوبر ۵-۲۳)

علم نفسیات کی روشنی میں ذکر کی فضیلت اور ماہیت بیان کی ہے (برہان ۶۰ مئی سے مسلسل)۔

۱۵۱ طالب نواب محمد عباس

صوفی فلاسفہ

(نگار ۶۰ اکتوبر ۹-۴۱)

ابن العربی کی شخصیت اور فلسفہ پر روشنی ڈالی ہے۔

١٥٢ طالب نواب محمد عباس

عصر جدید کے فلاسفہ

(نگار ٦٠ نومبر ٢٢-٢٥)

عصر جدید کے فلاسفہ پر اپنے تاثرات پیش کئے ہیں،

١٥٣ غوری شبیر احمد خاں

فارابی کے سیاسی افکار

(ثقافت ٦٠ اکتوبر نومبر دسمبر)

فارابی کے حالات زندگی اور اس کی تصانیف کا تذکرہ۔ قسط ١،٢،٣ .(باقی)

آرٹ

١٥٥ صابر شاہ آبادی

رومانیات اور جمالیات

(شاعر، بمبئی، ٦٠ نومبر ٢١-٢٢)

رومانیات اور جمالیات کا فرق بتاتے ہوئے رائے ظاہر کی ہے کہ رومانیت جوشِ سیاست ہے اور جمالیاتی قدروں کی حفاظت ضروری ہے۔

١٥٦ اختر انصاری

ہندستانی ڈراما اور انارکلی

(ہندوستانی ادب، حیدرآباد، ٦٠ دسمبر ٩-١٤)

مضمون کی دوسری اور آخری قسط ہے۔

١٥٧ غوری شبیر احمد خاں

البیرونی کی یادگار جلد پر ایک نظر

(معارف ٦٠ اکتوبر ٢٦٤-٢٨٤)

٣- تیسری قسط درج ہے۔

١٥٨ غوری شبیر احمد خاں

البیرونی کی یاد گار جلد پر ایک نظر

(معارف ٦٠ نومبر ٣٤١-٣٥٨)

٤- چوتھی قسط ہے۔

١٥٩ محمد مسعود احمد

خواجہ خورد اور ان کی فارسی رباعیات

(معارف ٦٠ نومبر ٣٥٩-٣٧٣)

٢- دوسری قسط درج ہے۔

١٦٠ عابد رضا بیدار

ادب کی رفتار

(قومی زبان ٦٠ نومبر دسمبر)

ہمارے ادب کی رفتار پر اپنی معلومات پیش کی ہیں۔

١٦١ عابد رضا بیدار

ادب کی رفتار

(قومی زبان ٦٠ نومبر)

ادب کی رفتار ترقی کو پیش کیا ہے۔

ایڈیٹر: نجیب اشرف ندوی

پرنٹر پبلشر حامد اللہ ندوی نے ادبی پرنٹنگ پریس، ٨ شیفرڈ روڈ، بمبئی ٨ میں چھپواکر انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ٩٢ دادا بھائی نوروجی روڈ بمبئی ١ سے شائع کیا۔

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کا

سہ ماہی رسالہ

نوائے ادب

ناشر

ادبی پبلشرس (شعبۂ اشاعت انجمن اسلام) ممبئی ۸

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

(ممبئی یونیورسٹی سے ملحق)

کے

اغراض و مقاصد

۱. ایم اے کی تعلیم کا انتظام
۲. پی، ایچ، ڈی اور دوسرے تحقیقاتی کام کرنے والوں کی اعانت۔
۳. تحقیقاتی کام کرنے والے اداروں اور جامعوں سے تعاون۔
۴. ایک جامع کتب خانہ کا قیام۔
۵. مختلف کتب خانوں کے اردو کے مخطوطات کی فہرست کی ترتیب۔
۶. نایاب مخطوطات و مطبوعات کی اشاعت۔
۷. اردو سے متعلق ایک علمی و تحقیقاتی سہ ماہی رسالہ کا اجراء۔

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کے

سہ ماہی رسالہ نوائے ادب کی خصوصیات

۱. اردو زبان و ادب سے متعلق مختلف پہلوؤں پر بحث و تحقیق۔
۲. گجرات و دکن کی غیر مطبوعہ اردو تصانیف کی اشاعت
۳. اردو سے متعلق تحقیقاتی کاموں کی اطلاع۔
۴. اردو کے علمی و ادبی رسائل کے مضامین کی تلخیص و اشاعت۔

رسالہ سال میں چار بار شائع ہوگا

جنوری اپریل جولائی اکتوبر

چندہ سالانہ:- چار روپے مع محصول ڈاک
ششماہی:- دو روپے
فی پرچہ:- ایک روپیہ

ایڈیٹر: نجیب اشرف ندوی

ترسیل مضامین و خط و کتابت

ڈائرکٹر

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

۹۲. دادا بھائی نوروجی روڈ

بمبئی ۱

خریداری و ترسیل زر

ہندوستان میں:-

ادبی پبلشرز

۸ شیفرڈ روڈ، بمبئی ۸

نوائے ادب بمبئی

جلد ۱۲	جولائی ۱۹۶۱ ع	شمارہ ۳

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	شذرات	پروفیسر نجیب اشرف ندوی	۲
۲	رباعیات امجد	پروفیسر امین چند شرما ، جبل پور	۵
۳	اٹھارہویں صدی عیسوی کے انگریزی ڈراموں میں اردو گانوں اور الفاظ کا استعمال	ڈاکٹر اے . اے . نامی ، بمبئی	۱۶
۴	مثنوی مراۃالحشر	محمد سخاوت مرزا ، حیدر آباد دکن	۲۶
۵	مسلم صوفی کا ہندی کلام ـ اللہ نامہ	لال چند بسمل پیشاوری ، بمبئی	۴۵
۶	اردو نظم اور ہیئت	سیدہ جعفر ، حیدر آباد دکن	۵۰
۷	کلیات سودا کا خطی نسخہ	قاضی عبدالودود ، پٹنہ	۵۹
۸	تبصرے		٦٦
۹	مقالہ نما (ضمیمہ)	ڈاکٹر عالی جعفری و دیگر مرتبین	۱ ـ ۲۸

شذرات

ہندوستان میں زبان کے مسئلہ نے جو اہمیت اختیار کرلی ہے اور اس سلسلہ میں جس افسوسناک تعصب کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے وہ ہم کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ ایسے صوبوں میں جہاں صرف ایک زبان ہے اور کسی موثر اقلیت کی دوسری زبان نہیں ہے، دو زبانوں کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن جہاں ایک موثر اقلیت کی دوسری زبان ہے وہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے اور اگر حکومت اس کو ہمدردانہ اور مدبرانہ طریقہ سے حل کرنے کی کوشش نہ کرے تو اس کا نتیجہ خوشگوار نہیں ہوتا اس لئے ایسی حکومتوں کو چاہئے جہاں تک کسی ریاست میں اقلیتوں کا سوال ہے وہ ایسی حکمت عملی اختیار کریں جس سے لسانی اقلیت مطمئن ہو جائے ورنہ ریاستی حکومت کا بہت وقت اسی مسئلہ کے سلجھانے میں بے کار گزرے گا۔ اس سلسلہ میں مغربی بنگال کے وزیراعلی نے کچھ تجویزیں پیش کی ہیں لیکن ہمارے خیال میں وہ اس مرض کی دوا نہیں ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ زبان کے مسئلہ پر مرکزی حکومت موجودہ حالات کی روشنی میں ایک مرتبہ پھر غور کرے اور لسانی اقلیتوں کے لئے ایسی سہولتیں مہیا کرے کہ تعلیمی اور دفتری حیثیت سے اقلیت کو کوئی شکایت نہ رہے۔ لیکن جیسا کہ ہم نے ہمیشہ کہا ہے کہ اگر اردو کو صرف باقی ہی نہیں بلکہ ترقی پذیر رکھنا ہے تو ہم کو خود اس سلسلہ میں سب کچھ کرنا چاہئے۔ اردو کو اس ملک کی ایک اہم زبان اور ایک قیمتی و سیع ادب کی مالک ہونے کی عزت حاصل ہے اس لئے ایک طرف تو ہم کو اردو زبان کے مقبول عام اور ہر دلعزیز بنانے کی کوشش کرنا چاہئے اور دوسری طرف اس کی ادبی تخلیقات میں تنوع اور و سعت پیدا کرنا چاہئے۔ پہلی صورت کے لئے ضروری ہے کہ ہم نہ صرف بچوں کے لئے بلکہ بڑوں کے لئے بھی اردو کے ابتدائی مدارس کھولیں، ایسی مجلسیں منعقد کریں جن میں اردو سیکھنے کے شائقین شریک ہو سکیں اور ایسی آسان کتابیں شائع کریں جن کو وہ دلچسپی سے پڑھ سکیں، تقسیم سے پہلے تعلیم بالغان کے سلسلہ میں اس قسم کی مختلف کوششیں کی گئی تھیں لیکن اس کے بعد یہ سلسلہ ختم سا ہو گیا ہے۔ اردو زبان سے غیر اردو دانوں میں جو دلچسپی بڑھتی جاتی ہے اس کی روشنی میں اس اقدام کی سخت ضرورت ہے۔

ادبی حیثیت سے بھی اس سلسلہ میں ہم کو بہت کچھ کام کرنا ہے ، دارالمصنفین ، ندوۃالمصنفین ، ادارۂ ادبیات اردو وغیرہ ایسے ادارے ہیں جن سے مفید کتابیں شائع ہوتی رہتی ہیں ، لیکن ضرورت ہے کہ اس کی رفتار کو تیز تر کیا جائے اور ایسے مضامین پر کتابیں لکھی جائیں جن پر ہمارے یہاں کتابیں نہیں ہیں ، ہمارے یہاں علوم کو تو جانے دیجئے کہ ان کے متعلق کتابیں ہیں ہی نہیں بلکہ فنون میں بھی ہم بڑی حد تک تہی دامن ہیں . جغرافیہ میں ہم اسکول کی درسی کتابوں سے آگے نہیں بڑھے ہیں . تاریخ میں ہمارے پاس یورپ ، امریکہ ، ایشیاء کے دوسرے ممالک سے متعلق کیا ہے ؟ مولانا ذکاءاللہ کی تاریخ کے علاوہ ہمارے پاس ہندوستان کی کوئی مستند و مفصل تاریخ ہے ؟ اقتصادیات کا کیا حال ہے ؟ اور جہاں تک بچوں کے ادب کا تعلق ہے اس پر بھی ہم نے اچھی طرح غور نہیں کیا ہے کہ بچوں کو ان کے سن اور سمجھ کے مطابق ، کس قسم کی اور کس طرح کی کتابیں ان کے ہاتھ میں دینا چاہئے .

لسانیات ، قواعد وغیرہ پر بھی ہمارے یہاں زیادہ کام نہیں ہوا ہے ، اس لئے ضرورت ہے کہ جو اردو دوست جہاں بھی ہو اور جو ادارہ اردو سے متعلق کام کر رہا ہو ان چیزوں کو بھی پیش نظر رکھے ، ادارۂ فروغ اردو اس سلسلہ میں قابل ذکر کام کررہا ہے اور اس کے ارباب کار کو اس طرف بھی متوجہ ہونا چاہیے .

اس سلسلہ کی دوسری کڑی اردو کا دفتری استعمال اور اسکی تصانیف کی اشاعت بھی ہے ، اگرچہ طباعت کے سلسلہ میں ٹائپ کو رفتہ رفتہ کامیابی حاصل ہو رہی ہے پھر بھی اس کے مکمل اور حسین بنانے اور طباعت کی مزید سہولتیں پیدا کرنے کی کوشش کو جاری رکھنا چاہئے . اسی طرح اردو کے ٹائپ رائٹر کو بھی آسان سے آسان تر بنایا جائے . امید کہ ہماری معروضات پر غور کیا جائے گا .

اس سہ ماہی میں ہمارے ادبی رفقاء میں سے دو ، ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو گئے . تمکین کاظمی مرحوم حیدر آباد کے ایک علم دوست خاندان سے

متعلق تھے ۔ شعر و شاعری سے بھی شغف تھا ، تمام عمر کچھ نہ کچھ لکھتے رہے ۔ انھوں نے ریختی کی تاریخ لکھی ہے ۔ آسکروائلڈ کے ڈرامہ کا جمیل کے نام سے ترجمہ کیا ہے ، علمی زندگی ان کی ایک تصنیف ہے لیکن سب سے اہم اور سب سے آخری کتاب داغ سے متعلق تھی ، اگرچہ ان کی صحت خراب تھی لیکن انھوں ہمت نہ ہاری اور وظیفہ یاب ہونے کے بعد سے وہ مستقل طور سے ادبیات اردو کے ادارہ میں تحقیقی کاموں میں مصروف تھے ۔ دوسرے خواجہ دل محمد تھے جن کے یہاں علم و فن کا حسین امتزاج تھا ، وہ ریاضی کے استاد تھے لیکن ان کا کلام ان کے شاعرانہ ریاض کی غمازی کرتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے آغوش رحمت میں جگہ دے ۔ آمین

خوشی کی بات ہے کہ اتر پردیش کی نئی وزارت نے اردو کی طرف توجہ کی ہے اور اس سلسلہ میں ایک کمیٹی مقرر کی ہے جو اردو سے متعلق تمام شکایتوں کی تحقیقات کر کے ان کے دور کرنے کا حل بتائے گی ۔ امید ہے کہ اس کمیٹی کی سفارشات نہ صرف اتر پردیش میں ہمارے درد کا مداوا ثابت ہوں گی بلکہ دوسرے صوبوں کے لئے بھی شمع ہدایت کا کام دیں گی ۔

ادھر ملک کے بعض جامعوں ، کالجوں اور اہل تحقیق حضرات نے اپنے اپنے یہاں اردو کے تحقیقاتی کام کے لئے ادارے قائم کئے ہیں ۔ اس سلسلہ میں ہم پٹنہ کے ادارۂ تحقیقات اردو کا تذکرہ کرچکے ہیں جامعہ دہلی کا شعبہ اردو بھی اپنے پر جوش و عملی صدر کے ماتحت نہ صرف تعلیمی حیثیت سے بھی بلکہ تحقیقاتی حیثیت بھی بہت وسیع ہو گیا ہے ۔ اس کا اپنا شش ماہی رسالہ ہے ، پھر وہ اردو کی قدیم کتابوں کو بھی اڈٹ کر کے شائع کر رہا ہے اس شعبہ میں متعدد اشخاص تحقیقاتی کاموں میں مصروف ہیں ۔ اسی سلسلہ کی ایک مسرت بخش خبر یہ ہے کہ کشمیر میں بھی ایک اردو اکیڈمی کی داغ بیل ڈال دی گئی ہے ، اورحیدر آباد میں پروفیسر عبدالقادر سروری نے بھی ایک ادارہ قائم کیا ہے

* از پروفیسر امین چند شرما

رباعیات امجد

دنیائے ادب میں کوئی فیصلہ قطعی نہیں کہا جاسکتا. مگر یہ قطعی فیصلہ ہے کہ اردو کے رباعی گو شعراء میں حضرت امجد کو خاص اہمیت حاصل ہے. یہاں شخصی حکومت نہیں. جمہوریت ہے. عوام نے حضرت امجد کی رباعیات کو قبولیت کی آنکھوں میں جگہ دی. جتنی قبولیت اور شہرت ان کی رباعیات نے حاصل کیں، اتنا ہی عجز و انکسار شاعر کی طبیعت میں پایا جاتا ہے. اس عجز و انکسار کا اظہار شاعر کی زبانی سنیئے.

« دیکھنے والے ہم کو رباعیات امجد کا مصنف معلوم کرکے نہایت حیرت سے دیکھتے اور ہماری صورت اور کلام میں کوئی مطابقت نہیں پاتے ہیں. شاید رباعی کی طرح ہماری وضع اور لباس میں بھی کوئی خاص موزونیت تلاش کرتے ہیں. یا ہماری کتابوں کی طباعت اور کتابت کی طرح ہماری صورت میں بھی کسی دلفریب نظارے کے طالب رہتے ہیں. شوق دید میں آنے والے اصحاب ہماری کتاب ہستی کو کسی سنہری روپہلی جلد سے مجلّد نہ پاکر « نام بڑا درشن تھوڑے » کہتے ہوئے منھ پھیر خفا ہوکر چلے جاتے ہیں اور ہم کہتے جاتے ہیں:

ارے او جانے والے دم نکلنے تک ذرا دم لے » [1]

مذکورہ بالا اقتباس سے ایک صوفی منش. سادہ مزاج، پیرانہ سال، بزرگ صورت پاکیزہ سیرت، متیں و سنجیدہ، خاموش و حلیم انسان کی شکل تصور کی نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے جس کی زندگی میں ایک خاص وضع اور موزونیت ہے. جس کی کتاب زندگی کا ظاہر و باطن دونوں صاف ہیں، اور یہ پاکیزگی کہتی ہے.

دل شاد اگر نہیں تو ناشاد سہی　　لب پہ نغمہ نہیں تو فریاد سہی

---

(۱) حج امجد صفحہ ۱۰۸ جمال امجد صفحہ ۱۹۶

* پروفیسر امین چند شرما، صدر شعبۂ اردو و فارسی، مہاکوشل مہاویدیالیہ جبل پور

مجھ سے دامن چھڑاکے جانیوالے جا ، جا ، گر تو نہیں تیری یاد سہی [1]

حضرت امجد کے کلام میں وہ تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں . جو ایک باکمال شاعر کے لئے ضروری ہیں . قدرت نے فیاضی کے ساتھ شاعرانہ احساسات ان کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھر دئے ہیں . ان کا کلام حقائق سے لبریز اور فطرت کے قریب ہے . وہ ایک حقیقی شاعر ہیں اور اس وقت تک شعر نہیں کہتے . جب تک کوئی کیفیت ان کے دل و دماغ پر طاری نہ ہو .

کیف و سرور کی سرشاری میں ان کے دلی جذبات الفاظ کا جامہ پہن کر صفحۂ قرطاس پر جلوہ فگن ہوجاتے ہیں . ان کے اشعار پر « از دل خیزد بردل ریزد » والی مثال صادق آتی ہے . دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے اشعار پڑھنے والے کے دل کو متاثر کرتے ہیں سچ ہے ، دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے .

امجد کا کلام اردو ادب کے اربابِ نظر سے خراجِ تحسین حاصل کرچکا ہے . ان آراء میں چند کا ذکر کیا جاتا ہے . مولوی وحیدالدین سلیم نے امجد کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے . کہ : « امجد صاحب قدرتی شاعر ہیں . مبصرین کی رائے میں اس وقت ہندوستان میں ان کی ٹکر کا رباعی کہنے والا کوئی شاعر نہیں ہے » [2]

جس خصوصیت نے امجد کو یہ انفرادیت بخشی ہے . وہ ان کی دقت نظر اور خیال کی رفعت ہے . ایک بلند خیال ان کے تصوّر کے افق کے سامنے رہتا ہے . وہ ان شاعروں میں نہیں ہیں . جو لفظی بازیگری اور محاورہ بندی کی الجھنوں میں گرفتار ہیں . ان کے خیالات الفاظ کے تابع ہوجاتے ہیں . مگر امجد کے یہاں دوسری شان پائی جاتی ہے . الفاظ ان کے خیالات کے تابع ہیں . ان کے کلام میں ایک بجلی کی چمک ہے کوند ہے . جو اہلِ بصیرت کے قلب و نظر کو حیراں بنا دیتی ہے .

امجد کی رباعیات ان کی قادر الکلامی اور فن کے کمال اور پختگی کی شاہد ہیں . خود فرماتے ہیں :

---

(۱) گلستان امجد صفحہ ۱۶۲ (۲) جمال امجد صفحہ ۱۸۳

گیسو میں ہے بل کہ میرے خم کو دیکھو رخ ہنستا ہے کہ اس ستم کو دیکھو
اظہار کمال میں ہر اک کامل ہے سب کی یہی خواہش ہے کہ ہم کو دیکھو [1]

دوسری جگہ کہتے ہیں۔ کہ:

ہم توڑ کے تارے آسماں سے لائے مضمون بلند لا مکاں سے لائے [2]

«لا مکانی مضامین» نے ان کو کشورِ رباعی کا خسرو بنا دیا ہے۔ منشی تلوک چند محروم فرماتے ہیں۔

اے نازشِ جوہر رباعی امجد لعل سرِ افسرِ رباعی امجد
ہے چار سوئے ہند میں شہرت تیری اے خسرو کشور رباعی امجد [3]

امجد کی رباعیات اور شاعری کے متعلق سید احتشام حسین کی رائے بھی ملاحظہ کیجئے۔ «حضرت امجد ایک بلند پایہ اور حقیقی شاعر ہیں۔ انہوں نے فلسفیانہ بصیرت سے اسرار حیات کے فاش کرنے اور جذباتی انداز سے زندگی کے گہرے نقوش کو ابھارنے کی جو سعی کی ہے اس سے اردو ادب کا دامن وسیع ہوا ہے۔ زبان و بیان پر قدرت اور پاکیزگی خیال نے ان کی رباعیات میں کلاسکی عظمت پیدا کی ہے اور جذبات کی گرمی نے ایک خاص قسم کی رومانیت کو جنم دیا ہے۔ موصوف کی شاعرانہ خدمات کا اعتراف اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم اپنے ان فنکاروں کی طرف متوجہ ہورہے ہیں جن کی خاموش کاوشوں سے ادب کے خزانے میں لازوال اضافے ہوتے ہیں میری دعا ہے کہ موصوف بہت دنوں تک اردو زبان و ادب کی آبیاری کے لئے زندہ اور تندرست رہیں» [4]

رباعیاتِ امجد ــ رباعیاتِ امجد کے تین حصے ہیں:

حصہ اول	ــ	اردو رباعیات	۶۸
حصہ دوم	ــ	»	۹۶
حصہ سوم	ــ	»	۸۲

حصہ اول میں ۳۲ فارسی رباعیات، حصہ دوم میں ۴ فارسی رباعیات اور حصہ سوم میں چند قطعات ہیں۔ سنہ ۱۳۲۶ ھ میں رود موسیٰ کی طغیانی میں امجد کا تمام سرمایہ رباعیات۔ کلام اور خاندان کے افراد نذرِ طوفان ہوگئے۔

(۱) رباعیات امجد حصہ دوم صفحہ ۶۵ (۲) رباعیات امجد حصہ سوم صفحہ ۸۱
(۳) پیامات ارمغان امجد صفحہ ۸۷ (۴) پیامات ارمغان امجد صفہ ۸۸-۸۷

سنہ ۱۳۵۲ ھ میں رباعیات کا ایک نسخہ شائع ہوا تھا. سنہ ۱۳۷۲ ھ میں اس بربادی کے بعد نئی رباعیات لکھیں.

ان رباعیات کا موضوع قرآنی آیات اور احادیث ہے. ہر رباعی کسی آیت یا حدیث کی شرح ہے. ان رباعیات میں انسانی زندگی کے حقائق و اسرار ملتے ہیں. اگر شاعری صحیح معنوں میں انسانی حیات کے مختلف پہلوؤں کی تصویر کشی ہے، تو بلاشبہہ ان کی ہر رباعی زندگی کے کسی نہ کسی پہلو کی جیتی جاگتی تصویر ہے.

سلوک و معرفت کے اسرار و غوامض پر ان کی نظر گہری ہے. ایک سالک و عارف کی حیثیت سے تصوف کے پیچیدہ مسائل کے حل نہایت چابکدستی سے رباعیات میں پیش کئے ہیں. اور ان کو سریع الفہم بنا دیا ہے.

آپ نے شاعری کو اسلامی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت کا ذریعہ و آلہ بناکر اس سے مفید دینی خدمت انجام دی ہے. ان کی کثیر التعداد رباعیات اسلامی تعلیم کی حامل ہیں. مختصر یہ کہ اگر ان رباعیات کو کلام پاک کی تفسیر کے نام سے موسوم کیا جائے تو بیجا نہ ہوگا.

حضرت امجد کا کلام پر تاثیر ہے. وہ سلیس اور عام فہم ہونے کے علاوہ وجد آفرین ہے لوگ ان اشعار کو سن کر وجد کرتے ہیں. سر دھنتے ہیں. جب وہ رباعیاں سناتے ہیں تو ان کا انداز بیان زبان حال سے کہتا ہے.

باتیں ہماری غور سے سنئے پھر ایسی باتیں نہ سنیے گا
پڑھتے کسو کو سنئے گا تو دیر تلک سر دھنیے گا　(میر)

ان کے لہجہ کی متانت سازندوں کے انداز اور بجتی ہوئی آواز کی ترنم ریزیوں سے بے نیاز کردیتی ہے. لفظی و معنوی خوبیاں آپ کے کلام کی خصوصیات ہیں. کلام میں سادگی اور روانی بدرجۂ اتم موجود ہیں. آپ کا کلام تصوف کی چاشنی سے بھرا ہوا ہے. فلسفہ اس کا خاص جوہر ہے درد و غم کے سوز نے کلام کو دوآتشہ بنادیا ہے.

پند و نصائح کے بیان سے معلوم ہوتا ہے. کہ امجد عصر حاضر کے سعدی ہیں. مذکورہ بالا خصوصیات نے ان کے کلام کو دوام بخش دیا ہے. مولوی سلیم نے لکھا ہے کہ:

«ان کی رباعیاں یقیناً زندہ رہیں گی اور اردو ادب کا اہم عنصر خیال کی جائیں گی»[1]

---

(۱) ارمغان امجد صفحہ ۷۰

امجد کے اشعار میں ایک پیغام ہے . ایک ہدایت کا درس ہے . ہر خاص و عام ان کے کلام سے لطف اٹھاتا ہے . ذیل کی رباعیات سے امجد کے عام انداز فکر پر روشنی پڑتی ہے .

قانون قدرت ہے کہ عیش کے عالم میں انسان سرمستی و غفلت کے عالم میں رہتا ہے. محفل عیش برہم ہونے کے بعد کیف و سرور کی جگہ افسردگی اور حزن لے لیتے ہیں. آرزو کی جگہ حسرت اور آس کی جگہ یاس چھا جاتی ہے .

ہر محفل سے بحال خستہ نکلا ہر بزم طرب سے دل شکستہ نکلا
منزل ہی نہیں یہاں مسافر کے لئے سمجھا تھا جسے مقام رستہ نکلا[۱]۔

دل خانۂ خدا ہے . دل کا توڑنا خانۂ خدا کو مسمار کرنا ہے . جو گناہ کبیرہ میں محسوب کیا جاتا ہے .

مغموم کے قلب مضمحل کو توڑا یا منزل فیض متصل کو توڑا
کعبہ ڈھاتا تو پھر بنا بھی لیتے رونا تو یہ ہے کہ تونے دل کو توڑا[۲]۔

تخلیق عالم کا بیان مختلف شعراء نے مختلف پیرایہ میں کیا ہے اور اس کثرت سے بیان کیا گیا ہے کہ اس میں جدت کی گنجائش نہیں. لیکن امجد کی قادر الکلامی نے اس پامال مضمون میں بھی ایک اچھوتا انداز پیدا کرلیا ہے . کمال شوخی سے کہتے ہیں . کہ :

اس سینہ میں کائنات رکھ لی میں نے کیا ذکر صفات، ذات رکھ لی میں نے
ظالم سہی، جاہل سہی، نادان سہی سب کچھ سہی، تیری بات رکھ لی میں نے[۳]۔

دیکھیے . انسان کی بے بسی اور آزادی کا نقشہ کس خوبی سے کھینچا ہے .

دم بند کیا قید نفس میں رکھ کر بے بس کیا مجھ کو اپنے بس میں رکھ کر
صیاد کی صید پروری تو دیکھو گلزار دکھاتا ہے قفس میں رکھ کر[۴]۔

«صیاد کی صید پروری» کتنا لطیف طنز ہے اور صید پروری کا کیا انوکھا انداز ہے،

ع گلزار دکھاتا ہے قفس میں رکھ کر

حضرت امجد کے یہاں تمثیلی انداز بھی پایا جاتا ہے . ان کا حکیمانہ استدلال

---

(۱) رباعیات امجد حصۂ دوم صفحۂ ۴۸
(۲) رباعیات امجد حصۂ سوم صفحۂ ۴۴
(۳) رباعیات امجد حصۂ اول صفحۂ ۶۱
(۴) رباعیات امجد حصۂ سوم صفحۂ ۵۹

قابل داد ہے۔ وہ جس بات کو بیان کرتے ہیں اس کے ثبوت کا خوب حق ادا کرتے ہیں۔

ہر چیز کا کھونا بھی بڑی دولت ہے بے فکری سے سونا بڑی بڑی دولت ہے
افلاس نے سخت موت آساں کردی دولت کا نہونا بھی بڑی دولت ہے[1]

دنیا امید پر قائم ہے۔ مایوسی کے سیاہ بادل میں امید کی کرن جھلکتی ہے۔

میں چھوڑ کے تیرا در کہاں جاؤں گا اپنا مقصود پھر کہاں پاؤں گا
اے میری نہ سننے والے اتنا سن رکھ محروم گیا آج، تو کل آؤں گا[2]

مذکورہ بالا رباعی میں بندہ اپنے رب سے مایوس نہیں۔ اس کے در کے سواء اس کا کوئی آسرا نہیں۔ کیا خوب تکرار ہے۔

اے میری نہ سننے والے اتنا سن رکھ محروم گیا آج، تو کل آؤں گا

غالب نے سعی لاحاصل کی لذت کا ذکر کیا ہے۔ امجد اس کو نہایت مؤثر پیرایہ میں بیان کرتے ہیں۔

اس دشت میں سینکڑوں کے جی چھوٹ گئے پتھر بھی حباب کی طرح پھوٹ گئے
اس دام کا ایک عقدہ بھی کھل نہ سکا بیجا کوشش میں بال و پر ٹوٹ گئے[3]

ذات خداوندی حیؔ و قیوم ہے۔ وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔ کائنات کا سارا سلسلہ فنا انجام ہے۔ صرف خدائے قدوس کی ذات کو بقائے دوام حاصل ہے۔

واجب ہی کو ہے دوام باقی فانی قیوم کو ہے قیام باقی فانی
کہنے کو زمین و آسمان سب کچھ ہے باقی ہے اسی کا نام باقی فانی[4]

روز عمل انسان کا دفتر عمل خدا کے سامنے پیش ہوگا۔ غافل انسان کو منصف حقیقی کے سامنے نیک اعمال پیش کرنے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ نیک اعمال ہمارے پاس نہیں۔ ان کی عدم موجودگی میں ہمیں شرمساری ہوگی۔ اقبال نے تو کہا ہے کہ ذاتِ باری کو بھی شرمساری ہوگی امجد کہتے ہیں۔

ضائع فرما نہ سر فروشی کو مری مٹی میں ملا نہ گرم جوشی کو مری
آیا ہوں کفن پہن کے اے رب غفور دھبہ نہ لگے سپید پوشی کو مری[5]

(۱) رباعیات امجد حصہ دوم صفحہ ۷۰
(۲) رباعیات امجد حصہ سوم صفحہ ۳
(۳) رباعیات امجد حصہ سوم صفحہ ۱۲
(۴) رباعیات امجد حصہ اول صفحہ ۵
(۵) راعیات امجد حصہ اول صفحہ ۷

آدمی اور اس کے دل کے درمیان اللہ ہے۔ اس امر کا سراغ دل کی آہٹ سے ملتا ہے۔

کچھ اپنا پتہ اس نے بتایا تو نہیں اب تک اس کا سراغ پایا تو نہیں
ملتی ہوئی ہے دل کی کھٹک آہٹ سے دیکھو دیکھو، کہیں وہ آیا تو نہیں[1]۔

دیکھو دیکھو کا انداز دیکھیئے!

اللہ کارساز ہے۔ مولانا روم نے کہا ہے ع فکر ما در کارِ ما آزارِ ما۔ امجد اس آزار سے کس طرح نجات حاصل کرتے ہیں۔

ناحق پھر پھر کے سر پھرایا میں نے اپنی کوشش سے کچھ نہ پایا میں نے
طوفان میں ہے کشتیٔ امید مری لے توہی سنبھال، ہاتھ اٹھایا میں نے[2]۔

«لے توہی سنبھال» کے تیور دیکھیئے۔ سپردگی کا کیا انداز ہے۔ اور نیازمندی میں کیا ناز ہے! سبحان اللہ

حضرت امجد درگاہ حبیب میں اپنی کم مائیگی کا اعتراف انتہائی سادگی اور معصومیت سے کرتے ہیں۔

بیکس ہوں نہ مال ہے نہ سرمایا ہے مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لایا ہے
یارب تری رحمت کے بھروسے امجد بند آنکھ کئے یوں ہی چلا آیا ہے[3]۔

مظاہر قدرت سے خدا کی شان کا بیان ہر شاعر کے یہاں ملتا ہے۔ کسی کو برگ درختان سبز میں معرفتِ حق کے دفتر نظر آئے۔ کسی کو ذرہ ذرہ میں جمال کبریائی کی جھلک دکھائی دی۔ امجد کہتے ہیں کہ باغ وراغ، زمین و آسمان کے مشاہدہ سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ مخلوق کا مطالعہ خالقِ کی صفت کی معراج کو ثابت کرے گا۔ قرآن کی گہرائیوں میں اتر کر قاری کو خالق کے وجود کا علم ہوسکے گا۔

ہر وقت فضائے دلکشا دیکھتے ہو صحرا و چمن، ارض و سما دیکھتے ہو
مخلوق میں نیرنگی خالق دیکھو قرآن پڑھو، جلد کو کیا دیکھتے ہو[4]۔

غالب کے یہاں اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہیں۔ شاعر حیران ہے کہ پھر مشاہدۂ کس شمار میں ہے۔ زبان خاموش ہے۔ حضرت امجد کس بے باکی سے اظہار کرتے ہیں۔

---

(۱) رباعیات امجد حصہ اول صفحۂ ۹ (۲) رباعیات امجد حصہ اول صفحہ ۱۰
(۳) رباعیات امجد حصہ اول صفحۂ ۳۲ (۴) رباعیات امجد حصہ دوم صفحہ ۱۶

ہیں مستِ مئے شہود ۔ تو بھی میں بھی ہیں مدعی نمود ۔ تو بھی میں بھی
یا تو ہی نہیں جہان میں یا میں ہی نہیں ممکن نہیں دو وجود تو بھی میں بھی[1] ۔

وحدت الشہود کا مسئلہ تصوف کا خاص مسئلہ ہے۔ امجد نے اس کی تشریح بڑی خوبی سے بیان کی ہے۔ اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہیں ۔ فرماتے ہیں :۔

میں قلزم ذخار ہوں منبع تو ہے میں مہر جہانتاب ہوں مطلع تو ہے
ہے فرق بہت لطیف ہم دونوں میں مانند ضمیر میں ہوں مرجع تو ہے[2] ۔

کائنات کی ہر شے کا مرجع ذاتِ الہی ھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

خدا کی جناب میں صرف خلوص قلب و نظر کی قدر ہے۔ زردار خدا کے نام پر زر و سیم دیتے ہیں۔ بے نوا غریب خلوص نیت سے رکوع و سجود کے ہدیے پیش کرتے ہیں۔

خالق نے جنہیں دیا ہے زر دیتے ہیں زر کیا ہے خدا کی راہ میں گھر دیتے ہیں
اپنا سرمایہ ہے رکوع و سجدہ سامان نہیں رکھتے ہیں سر دیتے ہیں[3] ۔

عشق اردو فارسی ادب کا سرمایۂ ہے۔ صوفی شعراء اسے تخلیق کائنات کا باعث قرار دیتے ہیں۔ حضرت امجد نے اس کی داستان بے پایاں کو چار مصرعوں میں سمونے کی کوشش کی ہے۔

دریائے محبت ہے سفینہ میرا ہے حسن کی خاتم پہ نگینہ میرا
روشن ہے چراغِ عشق سے کعبۂ دل معمور ہے نور سے مدینہ میرا[4]

جبر و قدر کا مسئلہ ہمارے شعراء کا خاص موضوع سخن رہا ہے۔ انسان پورے طور پر قدرت کے آئین و قوانین کے تحت ہے۔ میر خدائے سخن فرماتے ہیں :۔

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

امجد کا مسلک ملاحظہ کیجئے۔ فرماتے ہیں کہ تقدیر کا شکوہ عبث ہے۔ جو کچھ ہوا، ہوتا ہے اور ہوگا اس میں خدا کی رضا شامل ہے۔

تقدیر سے کیا گلا خدا کی مرضی جو کچھ بھی ہوا ہوا، خدا کی مرضی
امجد! ہر بات میں کہاں تک کیوں کیوں ہر کیوں کی ہے انتہا خدا کی مرضی[5] ۔

---

(۱) رباعیات امجد حصۂ اول صفحہ ۶۹
(۲) رباعیات امجد حصۂ دوم صفحہ ۴۰
(۳) رباعیات امجد حصۂ اول صفحہ ۲۵
(۴) رباعیات امجد حصۂ اول صفحہ ۳۵
(۵) رباعیات امجد حصۂ دوم صفحہ ۷۳

امجد کے یہاں شوخی، سادگی اور پرکاری ہے۔ ان خصوصیات نے کلام کو بے حد دلچسپ بنادیا ہے۔ حضرت امجد اپنے خالق حقیقی کے حضور اعتراف گنہ کس عجز اور شوخی سے کرتے ہیں۔

میں گنہ گار اور تو رب کریم کوہ سے کس طرح ہو کاہ بڑا
گو بڑا ہی گناہ گار ہوں میں تو بڑا یا میرا گناہ بڑا [1]

اللہ کی ذات بزرگ و برتر ھے، گنہ کی کیا بساط۔ انسان کے گناہ کتنے ھی بڑے ہوں، ذاتِ آمرزگار ان سے بہت بڑی ہے۔

امجد کا کلام تاثیر سے لبریز ہے۔ اس میں سادگی اور روانی ہے۔ نہایت سلیس عام فہم اور وجد آفریں ہے۔ اس میں لفظی اور معنوی خوبیاں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں۔ نہایت چابک دستی سے تشبیہات اور استعارات کو اپنے کلام میں لاتے ہیں، لیکن وہ عین فطری معلوم ہوتے ہیں، قوانین فطرت سے متجاوز نہیں ہونے پاتے۔ ان کے کلام میں کہیں فلسفہ کی جھلک ہے، کہیں تصوف کی چاشنی، کہیں درد و غم کا سوز اور کہیں پند و نصائح کا بیان۔ عام شعراء کے مانند وہ صرف قافیہ پیمائی نہیں کرتے۔ بلکہ ان کا ہر شعر اہل دنیا کے لئے ایک درسِ ہدایت اور پیغام عمل ہے۔ مگر ع گوشِ سخن شنو کجا! دیدۂ اعتبار کو [2] نخوت اور غرور کی تمثیل کی تباہ کاری کو کتنے عمدہ پیرایہ میں بیان کیا ہے۔

سمجھو، کہ زمانہ تمھیں سمجھاتا ہے آغاز میں انجام نظر آتا ہے
ہے نخوت و سر کشی تباہی کا پیام دیکھو شعلہ بھڑک کے بجھ جاتا ہے [3]

جس ظرف مین وسعت نہیں ہوتی۔ وہ سیم و زر کی فراوانی سے اتراتا ہے۔ فخر کرتا ہے۔ کم مایہ کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ اس کی توضیح تمثیل کے انداز میں ملاحظہ کیجئے۔

کم ظرف اگر دولت و زر پاتا ہے مانند حباب ابھر کے اتراتا ہے
کرتے ہیں ذرا سی بات میں فخر خسیس تنکا تھوڑی ہوا سے اڑ جاتا ہے [4]

ایماندار اور پر خلوص اہل قلم نے مذہب کے اجارہ داروں کا مذاق اڑایا ہے۔ امجد کی رباعیات میں اس کی اکثر مثالیں ملتی ہیں۔

---

(۱) گلستان امجد صفحۂ ۵۱ (۲) دیوان حافظ صفحۂ ۴۲۷
(۳) گلستان امجد صفحۂ ۲۳۷ (۴) رباعیات امجد حصہ اول صفحہ ۴۴

ایک جگہ داغ سجود کا خاکہ یوں اڑایا ہے :

دیکھی نہ کبھی ذرا تباہی دل کی پرداخت نہ کی تونے کماحقہ دل کی
پیشانی سے ظاہر ہے سیاہی دل کی[1] اے زاہد خود بیں یہ نہیں داغ سجود

انسان اپنے بداعمال اور گناہوں پر شرمندہ ہوتا اور ندامت کا اظہار کرتا ہے. جب ہمارے افعالِ بد کی قبیح شکلیں ہماری آنکھوں کے سامنے آتی ہیں تو ہم غیرت کے مارے زمین میں گڑجاتے ہیں. کردہ گناہوں کی یاد یا تصور ہمیں عرق انفعال میں غرق کردیتا ہے. عرقِ انفعال کے قطرے انسان کو خود اپنی نظر میں سبک بنا دیتے ہیں. حضرت امجد نے اس شرمساری کا جو نقشہ کھینچا ہے، ملاحظہ کیجئے.

قطـــرہ سا زمین میں سما جاتا ہوں خود اپنی نگاہوں سے گرا جاتا ہوں
میں شرم گنہ سے خود گڑا جاتا ہوں[2] احباب مرے دفن کی کیوں فکر میں ہیں

متوسط طبقہ کا ہر آدمی تفریق سے متاثر ہے. وہ غلام اور آقا کے دل شکن فرق کو مٹا کر محمود و ایاز کو معاشرت کی ایک صف میں جلوہ گر دیکھنا چاہتا ہے.

حضرت امجد ایک متوسط طبقہ کی پیداوار ہیں. اس کے پروردہ اور تربیت یافتہ ہیں. اس ماحول نے جو نقوش ان کے ذہن پر چھوڑے ہیں. ان سے متاثر ہوکر لوٹنے والے طبقہ کے مظالم کے خلاف ان کے قلم سے ذیل کے مصرعے نکل جاتے ہیں :

افلاس کے یہ نقیب جیتے کیوں ہیں دنیا میں یہ بدنصیب جیتے کیوں ہیں
معلوم نہیں غریب جیتے کیوں ہیں[3] ہے پیٹ کو ٹکڑا نہ بدن پر کپڑا

غرض یہ ہے کہ حضرت امجد ریاض شعر کے گل سرسبد ہیں. آپ کے کلام میں انسانی فطرت کی بو قلمونیوں، جبر و قدر کی چیرہ دستیاں، حقائق و معارف کی موشگافیاں اس لطیف انداز میں جھلکتی ہیں کہ باید و شاید.

آپ کے کلام کی صحت مند قدروں سے متاثر ہوکر قاری زندگی سے فرار اختیار کرنے کے بجائے ایک ایسی اونچی سطح پر پہنچ کر اس سے نبیڑنے کے لئے آمادہ و سرگرم نظر آتا ہے. جہاں اس کے لئے زندگی کے نشیب و فراز زندگی

---

(۱) گلستان امجد صفحہ ۸۱ (۲) رباعیات امجد حصۂ اول صفحہ ۶۵
(۳) گلستان امجد صفحہ ۸۹

کے نشیب و فراز نہیں رہتے.

ان کے کلام کے غائر مطالعہ اور تاثر انگیزی سے قاری کے دل میں خود اعتمادی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے. یہ جذبہ جارحانہ تیور نہیں سکھاتا وہ مصالحت اور آشتی کی تعلیم دیتا ہے. وہ دوستوں کے ساتھ تلطف اور دشمنوں کے ساتھ «مدارا» کی تعلیم دیتا ہے. حافظ نے کہا ہے. کہ:

آسایش دو گیتی تفسیر این دو حرف ست   با دوستان تلطف با دشمنان مدارا [1]

---

(۱) دیوان حافظ صفحہ ٤

ہے ، چارلس اسمتھ کی تصنیف ہے . چارلس دربار مغلیہ کا مصور بیان کیا گیا ہے . اس میں ایک طویل دیباچہ ہے . یہ ڈراما سر جان میکفرسن کے نام معنون ہے .

اس مختصر ڈرامے میں مندرجہ ذیل اردو الفاظ آتے ہیں :

« خدمتگار ، مشعلچی ، حرام زادہ ، سلام ، سورمرانی ، علی ، بجرا ، چھتری ، ٹپائی ، حقه ، پنکھا ، دربان ، سرکار ، برآمده ، لالشربت ، چھکڑی ، جھوٹ ، پینے کا پانی ، بہادر ، چوبدار ، صاحب لوگ آتا ہے خبردار ہو جاؤ ، »

چارلس اسمتھ[1] اسکاٹ لینڈ کے ایک جزیرہ آرکنیے[2] کا رہنے والا تھا اور غالباً سنه ۱۷۴۹ ع (سنه ۶۳-۱۱۶۲ ھ) میں پیدا ہوا تھا . اس نے ایک آرٹسٹ کی حیثیت سے کام شروع کیا تھا . پہلے لندن میں ، پھر ایڈنبرگ (سنه ۱۷۹۳ ع مطابق سنه ۸-۱۲۰۷ ھ) میں اس کے بعد ہندوستان آیا . ہندوستان کی دولت و عظمت کے قصے اس نے اس قدر سنے تھے کہ وہ اپنی آنکھ سے سب کچھ دیکھنا اور شہنشاہ مغلیہ کی تصویریں اتارنا چاہتا تھا .

چارلس ۱۱ مارچ سنه ۱۷۸۳ ع کو بندرگاہ ڈاؤنس[3] سے ہندوستان[4] کے لئے بذریعہ جہاز بلمانٹ[5] روانہ ہوا . یہ وہ زمانہ تھا جب دولت خداداد حکومت مغلیہ کا آفتاب عالمتاب غروب ہورہا تھا . سلطنت مختلف حصوں میں بٹ چکی تھی اور بقوم لارڈ وےلنشیا[6] آگرہ کا سفر خطرہ سے خالی نہیں تھا .

ضعیف اور نابینا شاہ عالم اس وقت سندھیا کے قبضہ اقتدار میں تھا . سندھیا کی وفات کے بعد نانا فرنویس نے بھی شہنشاہ ہند کی عزت و عظمت میں فرق نہ آنے دیا لیکن سیاسی افراط و تفریط اور ملکی بدحالی میں یہ ممکن ہے کہ چارلس جان پر کھیل کر دہلی گیا ہو اور شہنشاہ کی تصویریں بنائی ہوں . چارلس نے اپنے دوران قیام ہند میں کس قدر تصویریں بنائیں اور ان میں سے اب کس قدر دستیاب ہوسکتی ہیں اس کا جواب اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے . وہ سنه ۱۷۹۶ ع

---

1. Charles Smith. (Ref. Good Old Days of the Hon'ble John Company. Carey Vol. II Page 257.
2. Orkney Isles. Scotland.
3. Downs.
4. For the Coast and Bay.
5. Bellmont. 758 Tons. Captain, William Dick Gamage.
6. Lord Valentia.

ہے ، چارلس اسمتھ کی تصنیف ہے . چارلس دربار مغلیہ کا مصور بیان کیا گیا ہے . اس میں ایک طویل دیباچہ ہے . یہ ڈراما سر جان میکفرسن کے نام معنون ہے .

اس مختصر ڈرامے میں مندرجہ ذیل اردو الفاظ آتے ہیں :

« خدمتگار ، مشعلچی ، حرام زادہ ، سلام ، سورمرانی ، علی ، بجرا ، چھتری ، ٹپائی ، حقہ ، پنکھا ، دربان ، سرکار ، برآمدہ ، لالشربت ، چھکڑی ، جھوٹ ، پینے کا پانی ، بہادر ، چوبدار ، صاحب لوگ آتا ہے خبردار ہو جاؤ ، »

چارلس اسمتھ[1] اسکاٹ لینڈ کے ایک جزیرہ آرکنے[2] کا رہنے والا تھا اور غالباً سنہ ۱۷۴۹ ع (سنہ ۶۳-۱۱۶۲ ھ) میں پیدا ہوا تھا . اس نے ایک آرٹسٹ کی حیثیت سے کام شروع کیا تھا . پہلے لندن میں ، پھر ایڈنبرگ (سنہ ۱۷۹۳ ع مطابق سنہ ۸-۱۲۰۷ ھ) میں اس کے بعد ہندوستان آیا . ہندوستان کی دولت و عظمت کے قصے اس نے اس قدر سنے تھے کہ وہ اپنی آنکھ سے سب کچھ دیکھنا اور شہنشاہ مغلیہ کی تصویریں اتارنا چاہتا تھا .

چارلس ۱۱ مارچ سنہ ۱۷۸۳ ع کو بندرگاہ ڈاؤنس[3] سے ہندوستان[4] کے لئے بذریعہ جہاز بلمانٹ[5] روانہ ہوا . یہ وہ زمانہ تھا جب دولت خداداد حکومت مغلیہ کا آفتاب عالمتاب غروب ہورہا تھا . سلطنت مختلف حصوں میں بٹ چکی تھی اور بقوم لارڈ وےلنشیا[6] آگرہ کا سفر خطرہ سے خالی نہیں تھا .

ضعیف اور نابینا شاہ عالم اس وقت سندھیا کے قبضہ اقتدار میں تھا . سندھیا کی وفات کے بعد نانا فرنویس نے بھی شہنشاہ ہند کی عزت و عظمت میں فرق نہ آنے دیا لیکن سیاسی افراط و تفریط اور ملکی بدحالی میں یہ ممکن ہے کہ چارلس جان پر کھیل کر دہلی گیا ہو اور شہنشاہ کی تصویریں بنائی ہوں . چارلس نے اپنے دوران قیام ہند میں کس قدر تصویریں بنائیں اور ان میں سے اب کس قدر دستیاب ہوسکتی ہیں اس کا جواب اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے . وہ سنہ ۱۷۹۶ ع

1. Charles Smith. (Ref. Good Old Days of the Hon'ble John Company. Carey Vol. II Page 257.
2. Orkney Isles. Scotland.
3. Downs.
4. For the Coast and Bay.
5. Bellmont. 758 Tons. Captain, William Dick Gamage.
6. Lord Valentia.

میں وطن واپس گیا. روانگی سے قبل ہی اس نے ڈراما لکھا ہوگا جو سنہ ۱۸۰۲ ع (مطابق سنہ ۱۷-۱۲۱۶ ھ) لندن میں شائع ہوا. وہ سنہ ۱۸۲۴ ع (سنہ ۴۰-۱۲۳۹ ھ) میں زندگی کے پچھتر سال گذار کر اس جہان فانی سے رخصت ہوا اور بمقام لیتھ[1] سپرد خاک ہوا.

چارلس اسمتھ کے متعلق ایک مختصر مضمون بعنوان «دربار لکھنؤ کے یورپین آرٹسٹ» روز نامہ پانیر مورخہ ۲۹ مارچ سنہ ۱۹۱۹ ع میں شائع ہوا تھا. اس مضمون سے اس کی زندگی کے بعض تشنہ پہلو بھی روشنی میں آجاتے ہیں اور پتہ چلتا ہے کہ وہ سر جوشوا رینالڈز کا گہرا دوست تھا اور سنہ ۱۷۷۶ ع (سنہ ۹۰-۱۱۸۹) سے سنہ ۱۷۹۷ ع (سنہ ۱۲-۱۲۱۱ ھ) تک انگلستان کی مختلف گیلریوں میں اس نے اپنی سولہ تصویریں نمائش کے لئے پیش کی تھیں.

یہاں اس کے مختصر ڈرامے «بنگال کا سفر» سے متعلق جو ضروری معلومات دستیاب ہو سکیں وہ درج کی جاتی ہیں. یہ کتابچہ اب بھی برٹش میوزیم لائبریری میں محفوظ ہے. باون صفحات پر مشتمل اور مجلد ہے. اس کے صفحہ اول پر مندرجہ ذیل عبارت تحریر ہے.

سفر بنگال

ایک نغماتی ڈراما

دو ایکٹ کا

مصنفہ چارلس اسمتھ

لندن

مطبوعہ اورینٹل پریس[2]

منجانب ولسن اینڈ کمپنی، وائیلڈ کورٹ، لنکنس اینس فیلڈس

برائے ایس ریڈوے اینڈ پلیک اینڈ پیری

سنہ ۱۸۰۲

اس کے ساتھ چارلس اسمتھ کی تصویر بھی ہے جو ایس، دبلیو، رینالڈس[3]

---

1. Leith
2. London: Printed at the Oriental Press by Wilson & Co. Wild-Court, Lincolns Inns Fields for S. Ridway and plack and Parry.
3. S. W. Reynolds.

نے انگریو کی تھی. تصویر کے نیچے تحریر ہے. «پینٹر ٹو گریٹ مغل.»[۱]

چارلس نے یہ ڈراما سر جان میکفرسن، بیرونٹ، گورنر جنرل اور برطانوی باشندگاں مقیم مدراس کے نام معنون کیا ہے جن کی مہمان نوازی اور تواضع کا وہ بیحد مداح ہے. معلوم ہوتا ہے کہ سر جان میکفرسن نے اپنی کمائی سے اس کی کافی مدد کی ہوگی. کیونکہ وہ سنہ ۱۷۸۵ ع (سنہ ۱۲۰۰-۱۱۹۹ ھ) سے سنہ ۱۷۸۶ ع (سنہ ۱-۱۲۰۰ ھ) تک بنگال کا گورنر اور فورٹ ولیم کی کونسل کا سینیر ممبر رہا تھا اس لئے کہ وارن ہسٹنگز کی روانگی اور لارڈ کارنوالس کی آمد تک یعنی کم و بیش ۲۰ ماہ اس نے گورنر جنرلی کی تھی اور کافی روپیہ کمایا تھا اور بڑے ٹھاٹھہ باٹ سے زندگی بسر کرتا تھا اور حقیقی معنوں میں «نواب» کہلانے کا مستحق تھا. وہ لارڈ مینس فیلڈ کے پرسر کی حیثیت سے سنہ ۱۷۶۷ ع (سنہ ۱-۱۱۸۰ ھ)[۲] میں مدراس آیا تھا اور تین سال کے اندر ہی فورٹ سینٹ جارج میں ملازم ہوگیا تھا.

یہ وہ پرآشوب زمانہ تھا جب ملازمین سرکاری کی بدترین اور اخلاق سے گری ہوئی حرکتیں بھی نظر انداز کردی جاتی تھیں کیونکہ این خانہ ہمہ آفتاب است والا مضمون تھا. جب تک کے ڈائرکٹران کمپنی اپنے ملازمین کے خلاف کوئی قدم اٹھاتے وہ لاکھوں کی دولت سمیٹ کر لندن پہنچ جاتا اور پارلمینٹ کا ممبر بن جاتا تھا اور وہ غیرارادی طور پر اس سے خوفزدہ رہنے لگتے تھے.

چنانچہ جب جان میکفرسن والا جاہ نواب کرناٹک کے یہاں پہنچا تو اس نے پانچ چھ سال میں اس قدر دولت پیدا کرلی کہ سنہ ۱۷۷۶ ع (۹۰-۱۱۸۹ ھ) میں انگلستان جا کر اور پارلمینٹ کی ایک نشست خرید کر نہ صرف پارلمینٹ کا ممبر بن گیا بلکہ بیرونٹ بھی بن گیا اور پرنس ریجنٹ کا دوست اور محرم راز بھی سمجھا جانے لگا[۳].

چارلس اسمتھ نے «ڈیڈی کیشن» کے بعد ایک خوبصورت «دیباچہ بھی لکھا ہے جس پر یکم جنوری سنہ ۱۸۰۳ ع (مطابق ٦ رمضان سنہ ۱۲۱۷ ھ) درج ہے.

---

1. Charles Smith, Painter to Great Mogul, ipse pinxt. S. W. Reynold Sculpt.
2. Purser of the Lord Mansfield India man, 499 tons.

(۳) لارڈ کارنوالس نے اس کے متعلق بہت ہی خراب رائے ظاہر کی ہے۔ ملاحظہ ہو
Calcutta, Old and New, Page 120 and 121.

اس دیباچہ میں اس نے اپنے ناظرین کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ اس نے انگریزوں اور ہندوستانیوں کی زندگی کا صحیح نقشہ پیش کیا ہے۔

چارلس اسمتھ کے ڈرامے کے کردار حسب ذیل ہیں۔

ذکور ۱ گورنر جنرل آف بنگال
۲ رسل
۳ ہارٹلے
۴ کیپٹن فز پیٹرک
۵ خدمت گار

اناث ۱ لیڈی گورنر جنرل
۲ میریا (رسل)
۳ فینی (فرینک) بحری افسر کی پوشاک میں۔
۴ خادمائیں

پالکی بردار ۔ مشعلچی ۔ گانے اور ناچنے والی لڑکیاں ۔ سازندے اور ملاح

منظر کلکتہ اور مضافات

وقت ۲۴ گھنٹے کے اندر

یہ ڈراما دو ایکٹ اور چھ مناظر پر مشتمل ہے۔ اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

ایکٹ اول ۔ منظر اول

دریائے ہگلی کا ساحل ... دور ... بہت دور کلکتہ نظر آ رہا ہے۔ دوسری طرف چھتری (مندر کی محرابیں) نظر آ رہی ہے۔ رات کا وقت ہے۔ قدرتی شمعیں دھیمی دھیمی روشنی پھیلا رہی ہیں۔ برق و باراں کا سلسلہ جاری ہے۔ ایک بجرا آتا ہوا دکھلائی دیتا ہے، بارہ ملاح کھے رہے ہیں، آواز سنائی دیتی ہے۔ علی! علی!! علی! علی!!

مرد چلے چلو ۔ چلے چلو ۔
اس جگہ ٹھہرنا خطرہ سے خالی نہیں ہے ۔
یہاں سانپ اور چیتوں کی کثرت ہے۔

عورتیں بادل گرج رہے ہیں ۔

طوفان کی چیخیں سنائی دے رہی ہیں۔
لہریں آسمان سے باتیں کرتی اور ساحل
سے ٹکرا رہی ہیں۔
چلے چلو! چلے چلو!!
ساحل قریب ہے۔

ساحل آ جاتا ہے۔ ملاح کود پڑتے ہیں اور بجرے کو رسی کے ذریعے ایک کھمبے سے باندھ دیتے ہیں۔ ملاح ...... ہارڈلے، فڑ پیٹرک، فینی (جو ابھی تک جہازی افسر کے لباس میں ہے) اور میریا کو چھتریوں کے سایہ میں کشتی سے اتارتے ہیں۔ سب مندر میں پناہ لیتے ہیں، ہارڈلے پانچ ماہ کی مسافرت کے بعد بنگال آنے پر میریا کو خوش آمدید کہتا ہے۔

فینی: (بحری افسر کے لباس میں) کم بخت طوفان کو بھی اسی وقت آنا تھا جب کہ کلکتہ صرف ایک میل رہ گیا ہے[1]۔

ہارڈلے: تند و تیز لہریں ابھی تک ہمارا پیچھا کر رہی ہیں۔

* * *

فرینک: میرا خیال ہے کہ ہم اُس وقت تک یہاں ٹھہریں جب تک کہ طوفان ختم نہ ہوجائے اس کے بعد چار ناٹ کی رفتار سے روانہ ہوکر نصف گھنٹے میں کلکتہ پہنچ جائیں۔

ہارڈلے کو کچھ فاصلہ پر ایک وسیع بنگلہ نظر آتا ہے۔ وہ وہاں جاتا اور واپسی پر بتلاتا ہے کہ وہ گورنر جنرل کا بنگلہ ہے۔ وہ اور فڑ پیٹرک بنگلہ کی طرف جاتے ہیں۔ عورتیں باتیں کرتی ہیں۔ میریا کے باپ رسل کا بھی ذکر آجاتا ہے۔

رسل نے بنگال میں کافی دولت پیدا کی تھی اور بارہ ماہ قبل یورپ کے لئے روانہ ہوا تھا لیکن اس کے جہاز کا پتہ ماریشس سے آگے نہیں چلا۔ فینی نے یہ بھی بتلایا کہ گورنر کی لیڈی اسکول کے زمانے میں اس کی بہترین دوست تھی۔

(۱) اس وقت دریائے ہگلی کی خصوصیت یہ تھی کہ پانی سترہ میل کی رفتار سے شہر کی طرف بڑھتا تھا اور سولہ سے اٹھارہ فیٹ کی بلندی تک اس کی لہریں اٹھتی تھیں جس سے بڑی جہاز تو بچ جاتے تھے لیکن کشتیاں غرق آب ہوجاتی تھیں۔

Caunter's Oriental Annual for 1834, Page, 258.

دونوں مرد واپس آتے ہیں ۔ پالکیاں ان کے ساتھ ہیں ۔ ایک پالکی میں میریا بیٹھ جاتی ہے اور دوسری میں ہارٹلے اور فرینک ۔ فٹز پیٹرک ایک چھوٹی سی پالکی میں سب سے آگے جانے کی کوشش کرتا ہے لیکن ملاحوں اور مشعلچیوں کے درمیان گر پڑتا ہے ۔

ایکٹ اول ۔ منظر دوم

ایک وسیع کمرہ جس میں ٹپائی پر رکھی ہوئی مشعلیں روشن ہیں ۔ گورنر جنرل ایک صوفہ پر بیٹھا ہوا حقہ پی رہا ہے ۔ لیڈی گورنر برابر بیٹھی ہوئی ہے ۔ اس کے ہاتھ میں ایک خط ہے ۔ ملازمین پنکھا جھل رہے ہیں ۔ ایک چوبدار ہاتھ میں شمع لئے ہوئے حاضر ہوتا ہے ۔

دربان مہمانوں کے آنے کی اطلاع دیتا ہے ۔ ہرکارہ اعلان دہراتا ہے ۔ « صاحب لوگ آتا ہے ۔ خبردار ہوجاؤ » ۔ ہارٹلے ، فٹز پیٹرک ، میریا اور فینی (جو ابھی تک فرینک کے لباس میں ہے) داخل ہوتے ہیں ۔ گورنر جنرل ان کو خوش آمدید کہتا ہے ۔ مہمانوں کو ان کی جائے قیام پر پہنچا دیا جاتا ہے ۔ فٹز پیٹرک باہر رہ جاتا اور خدمت گاروں سے مذاق کرتا ہے جو اینگلو انڈین رسم و رواج سے اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں ۔

فٹز پیٹرک کہتا ہے : یہ کس قسم کی غریب ، سیاہ حبشی مخلوق ہے اور کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ وہ ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں گویا ہماری طرح وہ انسان ہی نہیں ہیں ۔ اگر میں گورنر ہوتا تو ان کو موزے ، جوتے اور ٹوپی پہناتا ۔

ایک بڑی بوتل میں لال شربت لایا جاتا ہے ۔ سب پیتے ہیں ۔ فٹز پیٹرک اور فرینک میں مصنوعی جنگ ہوتی ہے ۔ ہارٹلے فٹز پیٹرک کی پستول سے گولیاں نکال لیتا ہے ۔

ایکٹ دوم ۔ منظر اول

گورنر جنرل کی کوٹھی کا برآمدہ ، کھمبوں کے درمیان سے کلکتہ کا ٹینک اسکوائر نظر آتا ہے فٹز پیٹرک اور ہارٹلے بھی گورنر جنرل کے ہم جلیس ہیں ۔

ایکٹ دوم ۔ منظر دوم

ایک شاندار بڑا کمرہ ، گورنر اپنے حبشی ملازمین کے ہمراہ آتا ہے ، لوگ

باریابی حاصل کرنے اور شرف ملاقات کے لئے اسٹیج کے ایک کونہ میں چلے جاتے ہیں. ہارٹلے اور فٹز پیٹرک بھی گورنر جنرل کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں فٹز درخواست کرتا ہے کہ اسے دربار لکھنؤ میں کوئی عہدہ دلوایا جائے. گورنر جنرل وعدہ کرتا ہے کہ وہ مغل اعظم سے اس کی سفارش کرادے گا اور اس کو بیک وقت «امیر» اور «جنرل» بنادیا جائے گا. گورنر اس کو بتلاتا ہے کہ نواب اودھ کا وکیل کلکتہ میں رہتا ہے جس کو اس کے مالک نے جملہ حقوق تفویض کردئے ہیں.

گورنر جنرل کی بیوی آتی ہے. میریا اس کے ساتھ ہے. ہارٹلے اور میریا میں جذباتی گفتگو ہوتی ہے. ہرکارہ داخل ہوتا اور ایک مہمان کے آنے کی اطلاع دیتا ہے. رسل آتا اور اپنے سفر کے حالات بیان کرتا ہے.

وہ بتلاتا ہے کہ ماریشس سے روانگی کے بعد وہ کس طرح طوفان میں گھر گیا اور بہت سے مصائب کے بعد افریقی ساحل پر پہنچا. چونکہ اس کا جہاز تباہ ہوگیا تھا اس لئے وہ کیپ جانے پر مجبور ہوگیا اور وہ اس وقت وہاں پہنچا جب «ہندستان» کو روانہ ہوئے چوبیس گھنٹے گذر چکے تھے. وہ بعجلت تمام بنگال پہنچنا چاہتا تھا اس لئے اولین جہاز سے روانہ ہوگیا اور «ایس. ایس. ہندستان» کے پہنچنے کے چند گھنٹے کے بعد ہی یہاں پہنچ گیا.

جب رسل کو معلوم ہوا کہ میریا اپنے چچا زاد بھائی ہارٹلے کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہے تو اس نے اجازت دینے سے انکار کردیا کیونکہ ہارٹلے کے باپ ہی نے اسے ہندستان جانے کا مشورہ دیا تھا لیکن گورنر جنرل کی مداخلت سے ہرطرف خاموشی چھاگئی. سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے.

ایکٹ دوم ـ منظر سوم

ایک سڑک ـ فٹزپیٹرک اور خدمتگار ہاتھی سے اترتے ہیں. ہاتھی اور حبشی غلام واپس بھیج دئے جاتے ہیں. مصنوعی وکیل سے ضروری سلام و پیام کی باتیں ہوچکی ہیں. فٹزپیٹرک خدمتگار سے دریافت کرتا ہے کہ اس کو کن خطابات سے نوازا گیا ہے. خدمتگار ایک کاغذ نکال کر پڑھتا اور اس کا ترجمہ سناتا ہے.

«حرام زادہ ـ سور مرانی ـ جھوٹ الدولہ بہادر».

چوبدار داخل ہوتا ہے۔ ایک چھکڑی اس کے ہمراہ ہے۔ وہ فڑپیٹرک کو ایک خط اور خدمتگار کو ایک پلندہ دیتا ہے۔ فڑپیٹرک خدمتگار کو خط دیتا ہے جو اسے بلند آواز سے پڑھتا ہے۔ «بنام ہز ہائی نس حرام زادہ ۔ سور مرانی جھوٹ الدولہ بہادر» اور اطلاع دیتا ہے کہ بیگم صاحبہ نے یہ خط بھیجا ہے اور اس کو در دولت پر طلب کیا ہے لیکن ساتھ ہی درخواست کی ہے کہ وہ عورتوں کے لباس میں آئے۔ وہ بتلاتا ہے کہ اس پر کسی جمنا بیگم کے دستخط ہیں۔ وہ خدمتگار کے ساتھ چھکڑی میں بیٹھ جاتا ہے۔ چھکری روانہ ہوجاتی ہے۔

ایکٹ دوم ۔ منظر چہارم

زنان خانہ ایک کمرہ۔ محراب پر باریک پردہ پڑا ہوا ہے۔ ہندستانی ساز بج رہے ہیں۔ گانے اور ناچنے والی لڑکیاں اسٹیج کے ایک کونہ میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ فڑپیٹرک دوسرے راستے سے داخل ہوتا ہے۔ لیڈی گورنر جنرل جو برقعہ میں ہے اسے اپنے ہمراہ لے جاتی ہے۔ وہ ایک مسند پر بیٹھ جاتا ہے۔ حقہ اور عطر پان پیش کئے جاتے ہیں۔ رقص شروع ہوتا ہے۔ اسی وقت فینی ہندستانی ڈریس میں پردے کے پیچھے آتی ہے۔ فڑپیٹرک بیگم صاحبہ کو آداب بجا لاتا ہے۔ فینی اشارہ کرتی ہے۔ لیڈی گورنر جنرل گاتی ہے۔

او دل ناداں! لے آ میرے من ناداں ۔ لے آ
میں کیا کروں اے لوگو دل ناداں! لے آ
او دل ناداں! لے آ میرے من ناداں ۔ لے آ
ارے ان کے در پر کوئل بیٹھی کرتی ہی ۔ ہی
ارے ایک تم بولیں اس سے سکھی لو اسکے قربان میں
ارے اس گلی میں وہ تو گیا تھا دیکھنا ۔ ارے ۔ لے آ ۔

گورنر جنرل کی لیڈی ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں فڑپیٹرک سے باتیں کرتی اور اس سے وعدہ لیتی ہے کہ وہ بیگم صاحبہ سے ہر قیمت پر شادی کرے گا اور شادی کے دن نئی نویلی دلہن کو ایک لاکھ روپیہ دے گا۔

گورنر جنرل ۔ رسل ۔ ہارٹلے اور میریا داخل ہوتے ہیں۔ منظر میں سنجیدگی

پیدا ہوجاتی ہے۔ لیکن ۰۰۰۰ پھر ۰۰۰۰ قہقہے بلند ہونے لگتے ہیں۔ میریا اعلان کرتی ہے کہ اس کے والد نے ہارٹلے کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت دیدی ہے۔

اس مسرور کن اعلان سے ہر طرف مسرت کی لہریں دوڑ جاتی ہیں۔

پردہ گرتا ہے

* * *

انگریزی زبان میں اس قسم کے کتنے ڈرامے ہوں گے جن میں اس کثرت سے اردو کے الفاظ استعمال ہوئے ہوں؟ یہ جاننا ہمارے نوجوان محققین کا کام ہے۔

«بنگال کا سفر» سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اٹھارھویں صدی عیسوی میں انگریز اکر باقاعدہ اردو سیکھنے نہیں لگے تھے، تو اردو سمجھتے اور بولتے ضرور تھے۔ انسان روز مرہ زندگی میں جو کچھ بولتا ہے وہ ہی اسٹیج پر پیش کرتا ہے۔

* از محمد سخاوت مرزا

مثنوی مراۃ الحشر

مصنفہ سید محمد فراقی بیجا پوری رح

(نوٹ: مولوی نصیرالدین ہاشمی صاحب کا ایک سرسری مضمون رسالہ برہان دہلی سنہ ۵۶ میں شائع ہوا ہے. ہم نے چھ سات سال قبل یہ مضمون سنہ ۱۹۵۰ ع میں لکھا تھا اور بعض تذکروں سے کچھ مصنف کے حالات کا پتہ چلایا تھا، مزید تحقیق میں یو نہی پڑا رہا جو اب ہدیہ ناظرین ہے. چونکہ مولوی ہاشمی صاحب کو مصنف کے حالات کا پتہ نہیں چلا ہے. اس لئے اس کی اشاعت بحیثیت ایک قدیم مصنف اور تصنیف کے ضروری خیال کی جائے گی)

سید محمد فراقی بیجا پوری رح | سلاطین عادل شاہیہ کے عہد میں فراقی تخلص کے دو شاعر گزرے ہیں. ایک تو ملاحسین فراقی یا فراغی جو شاہ صبغۃ اللہ [1] نائب رسول کے خلفا میں سے تھے. دوسرے فراقی [2] سید محمد ہیں جو شاہ صاحب مذکور کے برادر زادہ، میران سید محمد مدرس بیجاپوری المتوفی سنہ ۱۰۸۰ هجری معاصر علی عادل شاہ ثانی ۱۰۶۷ - ۱۰۸۳ ھ کے نبیرہ ہوتے ہیں. مثنوی مراۃ الحشر [3] دکھنی کی داخلی شہادتوں نیز بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ اس کے مصنف آخرالذکر فراقی ہی ہیں. مصنف مراۃ الحشر کے حالات کمیاب ہیں. مولف بساتین السلاطین [4] نے دوسرے شعراء اہل کمال بیجا پور مثلاً نصرتی اور مرزا مرثیہ گو کے ضمن میں ایاغی اور فراقی کے متعلق صرف اتنا اشارہ کیا ہے «وغیر ازینہا شعرائے ہندی گو دیگر بسیار بودہ اند کہ ذکر ایشان تطویلی پذیرد چنانچہ ایاغی و فراقی و فدوی کہ کلام ایشان مشہور انام است» گویا فراقی کا بھی شمار بیجا پور کے مشہور شعراء میں تھا. تاریخ اولیاء رایچور مطبوعہ

(۱) تذکرہ اولیاء دکن موانہ ملکا پوری جلد ۱ (۲) تذکرہ اولیاء رایچور مطبوعہ
(۳) تذکرہ اولیاء دکن ملکا پوری (٤) بساتین السلاطین قلمی موجودہ احقر

* محمد سخاوت مرزا بی.ای ، ایل ایل بی ، حیدرآباد دکن.

مولفہ روشن علی میں بھی صرف فراقی کا نام اور آپ کی تصنیف مراۃ الحشر کا ذکر موجود ہے اور کوئی حالات نہیں البتہ ترجمہ روضۂ اولیاء بیجا پور میں ضمیمہ کے طور پر مولوی سیف اللہ مدراسی نے مختصر و جامع حالات اس خاندان کے تحریر کئے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ فراقی کے ایک پوتے سید شاہ حسین پیر رح بیجا پور سے رایچور بزمانہ صوبہ داری نواب [1] بسالت جنگ (۱۱۷۶ ھ) گئے تھے چونکہ نواب صاحب ممدوح بیجا پور کے بھی صوبہ دار تھے اسی لئے نواب صاحب کے حسن عقیدت کی وجہ سے اس خاندان نے رایچور میں مستقل سکونت اختیار کرلی اور چند مواضعات بھی بطور نذر دئے گئے چنانچہ مواضعات دمنی وینور، خانہ پور، جمل دنی، ننگن خان دوڈی و کٹکنور اور کوٹ گڈھ ان کی جاگیر میں شامل تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اب بھی اس خاندان کے لوگ بیجا پور، رایچور، نیلور، اور مدراس میں موجود ہیں. چنانچہ موضع دومتی (ضلع رایچور) تو خود نواب آصفجاہ اول (وفات ۱۱۶۱ ھ) نے حسب تحریر و سفارش جگت استاد مولانا سید شاہ عبدالرحیم بیجا پوری رح المتوفی (۱۱۶۸ ھ) سید محمد فراقی کو ضلع رایچور صوبہ بیجا پور میں بطور تنخواہ عطا فرمایا تھا. ملاحظہ ہو مکتوب آصفجاہ بنام سید عبدالرحیم بیجا پوری: جو بوجہ نایابی بجنسہ یہاں نقل کیا جاتا ہے

فضیلت و کمالات دستگاہا، حقایق و معارف آگاہ (سیدعبدالرحیم بیجا پوری رح) مکتوب مرغوب بہجت خاطر وصول بخشید، موضع دومتی پر گنہ کوتال، سرکار رایچور، صوبہ دارالظفر بیجا پور بسیادت و نقابت پناہ سید محمد بیجا پوری تنخواہ نمودہ شد برائے دوام فتح و نصرت و مقہوری اعدائے دین و دولت و حصول مقاصد دارین و توفیق حسنات این جانب و فرزندان عزیز در مکان استجابت بدعا متوجہ باید بود والسلام» (ماثر نظامی مولفہ منسارام پدر شفیق اورنگ‌آبادی صـــ ۱۴۲ مخطوطہ آصفیہ)

---

(۱) میر محمد شریف خان شجاع الملک بسالت جنگ امیر الامرا فرزند پنجم آصفجاہ اول (۱۱۴۹ - ۱۱۹۵ ھ) - نواب صلابت جنگ نے آپ کو امیرالامرا خطاب دیا سنہ ۱۱۶۷ ھ میں بیجا پور کے صوبہ دار تھے سنہ ۱۱۷۶ ھ میں آصفجاہ ثانی نے ان کو ادھونی اور رایچور کا صوبہ دار مقرر کیا. نواب عالیجاہ آپ کے داماد تھے. بسالت جنگ ادھونی (کرناٹک) میں آسودہ ہیں. آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادی محمد میر خان دارا جاہ مہابت جنگ ذوالفقارالدولہ جانشین ہوئے. وفات سنہ ۱۲۱۷ غفران ماب کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگر بیدری بیگم و نقشبندی بیگم آپ سے منسوب تھیں جن کے مزار بیدر میں حضرت ابوالفیض رح کی درگاہ میں موجود ہیں. (ماثر الامرا)

فراقی کے پدر بزرگوار فراقی کے پدر بزرگوار سید کریم محمد قدس سرہ بھی بڑے اہل کمال تھے جن کا مختصر حال محمد ابراہیم زبیری نے اپنے تذکرہ اولیاء بیجا پور میں اس طرح کیا ہے[1] :

« حضرت سید کریم محمد قدس سرہ ذات ہما یونش خلف صغیر سید محمد مدرس قدس سرہ است . فضائل کمال والد بزرگوار خود را جامع بود ، و مرید و خلیفہ والد خویش است و متصل گنبد عبد الرحمن در گنبد علحدہ آسودہ است و عرس ایشان در بست و چہارم جمادی الثانی است و سال و صالش ہزار و یک صد و پنج است » .

گویا فراقی کے والد اپنے والد ماجد ہی کے خلیفہ تھے اور سنہ ۱۱۰۵ ھ میں وفات پائی اور وہیں اپنے خوبصورت گنبد میں دفن ہیں[2] ۔

اولاد سید کریم محمد قدس سرہ | مولانا سید کریم محمد کے چار صاحبزادے تھے . ایک تو سید عبد القادر قادری خلیفہ و جانشین والد بزرگوار (مدفن بیجاپور) . دوسرے صاحبزادے مولانا حافظ سید محمد فراقی جو اپنے برادر بزرگ کی وفات کے بعد جانشین ہوئے (یعنی صاحب زیر ترجمہ) تیسرے صاحبزادے حافظ سید عزیز اللہ قادری المتوفی ۱۱۴۶ھ (مدفن بیجا پور) . « حافظ کلام اللہ » مادہ وفات ہے . داماد مولانا سید شاہ عبد الرحمان قادری رح ابن سید محمد مدرس بیجاپوری رح چوتھے صاحبزادے سید شاہ قاسم حسینی رح داماد سید علی محمد حسینی . وفات سنہ ۱۱۹۶ ھ بیان کی جاتی ہے مگر مادۂ وصال « سید قاسم قلندر قادری » سے ۱۲۰۶ ھ برآمد ہوتے ہیں . مدفن ساتگڈہ مدراس ، (ترجمہ روضۂ اولیاء بیجا پور مطبوعہ) .

فراقی بیجا پور ہی میں پیدا ہوئے اور وہیں واصل بحق ہوئے . فراقی نے اپنے دادا علامہ سید میران محمد مدرس قادری شہر استاد بیجا پور المتوفی سنہ ۱۰۸۰ ھ[3] ۔

(۱) روضۃ الاولیا بیجا پور موافہ محمد ابراہیم مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن

(۲) گنبد سید محمد قادری نہایت خوبصورت ہے اندرونی حصہ میں سیپ کا کام ہے (سروی آف انڈیا حصہ بیجاپور موافہ کزنس مطبوعہ)

(۳) میران سید محمد مدرس ابن عبد الرحمان چشتی وصال ۱۰۸۰ ھ برادر زادہ شاہ صبغۃ اللہ نائب رسول اللہ نو دس سال بیجا پور میں درس و تدریس علوم ظاہری و باطنی میں مشغول رہے اس کے بعد مدینہ میں ہجرت کی روضۃ النبی کے سامنے اپنی آپ نماز جنازہ پڑھی اور جان بحق تسلیم ہوئے جنت البقیع میں جد امجد شاہ صبغۃ اللہ کے پہلو میں دفن ہیں . تین فرزند چھوڑی ۱ ۔ سید زین الدین ۲ ۔ عبد الرحمان اور ۳ ۔ کریم محمد پدر فراقی . (تذکرۂ اولیاء دکن جلد دوم صفحہ ۸۵۴ مولفہ عبد الجبار خان ملکاپوری)

اور اپنے والد بزرگوار سید کریم محمد قادری رح کے سایہ عاطفت میں تربیت پائی اور اپنے جد امجد کے دست حق پرست پر قادریہ طریقہ میں بیعت کی جس کا ذکر فراقی نے اپنی کتاب مراۃ الحشر میں اس طرح کیا ہے: وصف سید محمد مدرس

محی الدین کے پاس لیا یا مجے غلامان میں تس کے ملایا مجے
دیا ہات اپنا ترے ہات میں نجات اپنی دیکھا اس باب میں
کرے خوب بیعت وو خوش ہات سون پرک تربیت کچ کئی دھات سون
کمینہ ہوں ترے مریدان میں میں سمجھتا ہوں مجھ سا گنہگار نیں

ملک الشعرا نصرتی بیجاپوری بھی فراقی کے جد امجد میران سید محمد مدرس کا مرید تھا۔ اس لحاظ سے فراقی کا پیر بھائی ہوا۔ (ترجمہ روضۂ اولیاء بیجاپور مطبوعہ) معلوم ہوتا ہے کہ فراقی اپنے جد امجد کے وصال کے وقت نوجوان تھے اور یہ زمانہ علی عادل شاہ ثانی ۱۰۶۷ ھ تا ۱۰۸۳ ھ کا ہے۔

فراقی حسن شوقی ہم عصر محمد عادل شاہ اور نصرتی ہم عصر علی عادل شاہ کے چھوٹے معاصر تھے چنانچہ اپنی مثنوی میں انہوں نے ان دونوں شعرا کا خاص طور پر ذکر کیا ہے، جو ترتیب مثنوی مراۃ الحشر کے وقت وفات پاچکے تھے۔ فراقی کے حسب ذیل شعر سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی بیجاپور کے دوسرے باکمال شعرا سے بھی ملاقات تھی اور بہت سے ان کی زندگی میں انتقال کرچکے تھے جس کا ان کو بہت ملال ہے چنانچہ کہتے ہیں

اس دھات جو سخنور اتھے[1] حقیقت میں غواص گوہر اتھے
وہ جیتے ہیں عالم موی کئی[2] تو کیا رکھے نا نون اپنا اپین[3] گئے تو کیا
جو دیکھا ہوں ایسے تماشے اپار[4] میرا بھی ہوا شوق بے اختیار

حسن شوقی بیجاپوری سلطان محمد عادل شاہ کے زمانے میں فوت ہوچکا تھا چنانچہ ابن نشاطی نے پھول بن میں (۱۰۶۶ ھ) اس کی وفات کا اشارہ کیا ہے یہ ان کا بچپن ہوگا اور نصرتی کی وفات سکندر عادل شاہ کے زمانہ میں فتح بیجاپور کے بعد سنہ ۱۰۸۵ــ۱۰۹۷ ھ میں واقع ہوئی چنانچہ فراقی نے اپنی اس مثنوی میں نصرتی کی وفات کا اس طرح ذکر کیا ہے:

(۱) اتھے = تھے
(۲) مرگئے کھے تو کیا ہوتا ہے
(۳) اپین = آپ خود
(۴) اپار = بہت سے

گیا نصرتی بول میٹھا بچن رہیا نا نون ہوکر جواہر کا کہن

فراقی زیر تذکرہ، ولی دکنی المتوفی ۱۱۱۹ ھ کے معاصر بھی ہیں. مگر جس فراقی کا ذکر خود ولی نے اپنے بعض اشعار میں کیا ہے اور میر حسن اور قائم نے اپنے تذکروں میں کیا ہے بلحاظ زبان و طرز ادا یہ وہ نہیں معلوم ہوتے. فراقی کا مشہور شعر ہے

فراقی کشتہ ہوں اس آن کا جس دم کے وہ ظالم
کمر سے کھینچتا خنجر، چڑھاتا آستین آوے

اس پر ولی نے گرہ لگائی

ولی مصرعہ فراقی کا پڑھوں تب جب کہ وو ظالم
کمر سے کھینچتا خنجر، چڑھاتا آستین آوے

ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی مرتب دیوان ولی نے لکھا ہے کہ فراقی غالباً گجراتی شاعر تھا معلوم ہوتا ہے کہ ولی کی ان سے چشمک رہتی تھی مثلاً

ترے اشعار ایسے نیں فراقی کہ جن پر رشک آوے گا ولی کون

ص ۲۸ کلیات ولی

فراقی کا ایک شعر خود اپنی علمی استعداد کے متعلق یہ ہے

نظر ہے علم منطق اور معانی میں فراقی کون
اگر علم حدیث مصطفیٰ ہوتا تو کیا ہوتا

مگر فراقی زیر تذکرہ کو احادیث اور تفاسیر پر کامل عبور تھا فرماتے ہیں

احادیث کی سب کتاباں منے و اکثر تفاسیر قرآن منے
یو احوال جان جان پریا مج نظر لکھا ہون او سب منتخب جمع کر
احادیث قرآن کا مغز سب دیکھا ہوں دکھنی کر صاف اب الخ

اس سے یہ متحقق ہوتا ہے کہ بلحاظ اسلوب بیان اور علمیت مذہبی، فراقی معاصر ولی کا اس فراقی سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا. فراقی زیر بحث نے ولی کا اپنی اس طویل مثنوی میں سوائے حسن شوقی اور نصرتی کے ذکر نہیں کیا ہے اور نہ شمالی ہند کی سیر کا اور نہ اورنگ‌آباد کا. اس لئے مولوی نصیرالدین ہاشمی کی رائے سے ہم متفق نہیں ہیں (برہان ستمبر ۱۹۵۶ ع ص ۱۷۸). ترجمہ تذکرہ روضۃ اولیاء بیجا پور (اردو) میں فراقی کے حالات موجود ہیں. جس سے واضح ہے

کہ ان کی عمر بیجاپور ہی میں گزری اور وہیں اپنے آبائی مقبرہ میں دفن ہیں۔
نسخہ مکتوبہ سید شاہ نورالدین رح جو فراقی کے بہت بعد گزرے ہیں، خاتمہ میں بعض زاید اشعار ہیں جس کے ضمن میں اشارہ کیا ہے کہ سنہ ۱۱۱۱ھ میں لکھی گئی ہے مگر یہ در اصل سہو کتابت معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ خود مصنف نے دوسری جگہ اس کا صحیح سنہ تصنیف ۱۱۳۳ھ بیان کیا ہے، جس سے واضح ہے کہ یہ مثنوی شاہ محمود بحری رح مصنف « من لگن » کی وفات ۱۱۳۰ھ سے تین سال بعد تصنیف کی گئی۔ بہر حال متذکرہ صدر الحاقی اشعار یہ ہیں جو اس نسخہ کے کاتب مولانا شاہ نورالدین کے مکتوبہ نسخہ میں ہیں جو خود مصنف کا بیان ہے، اور اشارہ یہ کہ اس کا ماخذ فارسی تصنیف ہے جو صحیح ہے۔

لکھا ہوں مرات‌الحشر کو میں تمام دعا سوں کرے یاد ہر کوئی مدام
بیاں کیا کروں میں میرے حال کا اتھا میں گرفتار جنجال کا
کہ عبدالنبی یوں بولا مجھ کہے کتاب یو لکھو تا نشانی رہے
قبولا یو لکھنے کو ساری کتاب دیو حق صبا مجھکو اوسکا صواب
اگر اوسکو کوئی بی پڑیگا تمام دعا کرتے رہو حق میں میرے مدام
کہ تاریخ ہفتم ربیع‌الاول مرتب ہوا نسخۂ بے بدل
اتھا سن اگیارا جو سم پر اسے لکھا ہوں بیان اوسکا از فارسی

غرض فراقی کو بچپن ہی سے دکھنی شعرا کا کلام بہت مرغوب تھا اور اسی ذوق نے ان کو یہ مثنوی لکھنے پر آمادہ کیا نیز اس خیال سے بھی کہ اونکی دنیا میں اور شعرا کی طرح کوئی یادگار باقی رہے چنانچہ فراقی نے اسکا اشارہ کیا ہے۔

جو دیکھا ہوں ایسے تماشے اپار[1] میرا بھی ہوا شوق بے اختیار
اتھا پن یو نھنوادگی[2] تے ہوس بچن خوب سنے کا مجھ کان رس
کہ جان کوئی بچن خوب پڑتی اتھے میرے دل کون لذت سوں گھر تے اتھے
سنی جاں جاں کان میں خوب بول میرے جیو میں ہوتا تھا پیدا کلول
بہوت روز سن سن کو شیریں کلام کیا دل بھی میرا ہوس یو تمام
کہ اب میں طبع آزمائی کروں ہنر کیچ درجک میں گوہر بھروں
جو رہے کان میں جگ کے ہو گوشوار کہیں مرحبا مرحبا سب پکار

(۱) بیحد (۲) لڑکپن

میر دل منے بات جب ہوئی یو گھٹ　　چپ [1] ۔ ناد پس مکھ تے کاڑیا گھنگٹ
اور جیون آئے تیوں شعر بولن لگیا　　مضامین اپس دل کے کھولن لگیا

فراقی حافظ قرآن اور عربی فارسی کے بڑے عالم اور مفسر و محدث، بقول شخصے، ایں خانہ ہمہ آفتاب است کے مصداق تھے. اور سید محمد مدرس جیسے بزرگ خاندان کے چشم و چراغ تھے. چنانچہ کہتے ہیں کہ میری تمام عمر فارسی زبان کی خدمت میں گزری. کبھی کبھی دکھنی زبان میں بھی کہہ لیا کرتا تھا. فرماتے ہیں

عمر میری سب فارسی میں سری　　کہوں شعر دکھنی تو میں سرسری
یکادی وقت جیب میں کھولتا　　یہ دکھنی بچن گاہ گاہ بولتا

وفات فراقی کی تاریخ وفات ۹ شوال ۱۱۴۴ھ اور تاریخی مادہ وفات « فی حفظ اللہ » ہے گویا فراقی نے محمد شاہ دہلی (۱۱۲۱ھ تا ۱۱۶۰ھ) کے اوائل عہد میں وفات پائی اور اپنے والد ماجد کے پہلو میں بمقام جامع مسجد بیجاپور مدفون ہیں. فراقی کے والد بزرگوار سید کریم محمد قدس سرہ کا بیجا پور میں نہایت خوبصورت گنبد ہے، جس میں چار قبریں ہیں ان میں ایک فراقی کی بھی ھے اور یہ مقبرہ جاگیردار فتحپور (ضلع بیجا پور) کی نگرانی میں ہے جو ان کی اولاد سے ہیں (ترجمہ اولیاء بیجا پور مطبوعہ) سلاطین آصفیہ اس خاندان کے بہت معتقد رہے ہیں، چنانچہ آصف جاہ اول المتوفی ۱۱۶۱ھ نے موضع دومتی رایچور بر بنا مکتوب سید شاہ عبدالرحیم بیجا پوری عطا فرمائی تھی، اوسکے بعد بزمانہ نواب بسالت جنگ بہادر امیرالامرا صوبے دار بیجاپور فرزند پنجم آصف جاہ اول نے اور بھی مواضعات جن کا ذکر ہم اوپر کرچکے ہیں دئے گئے تھے.

اولاد سید محمد فراقی کے ایک صاحبزادے سید کریم محمد ثانی، اور دو صاحبزادیاں ایک تو بی بی فاطمہ جو شاہ حیدر قادری ساکن انا ھنور (رایچور) اور دوسری بی بی صاحبہ جو سید صاحب قادری ساکن دومتی سے منسوب تھیں. اور سید کریم ثانی کے صاحبزادے سید حسن پیر تھے جو رایچور آئے اور سنہ ۱۲۲۷ھ میں آثار مبارک کے لئے ایک خاص مکان قلعہ ارک رایچور میں بنوایا تھا.

---

(۱) یعنی چپ کر سو، خاموشی سو

بیگم صاحبہ نواب بینگن پلی نے آپ کا مقبرہ بنوایا ۔ (ترجمہ روضۃالاولیاء بیجا پور مع حواشی مترجمہ شاہ سیف اللہ قادری مدراسی مطبوعہ) آپ کے برادر سویم مولانا شاہ حافظ عزیزاللہ رح کی اولاد میں ایک مسن بزرگ میراں شاہ محمد قادری رح تقریباً پچیس سال قبل حیدرآباد میں رہتے تھے ، جن کا وصال یہیں ہوا ۔ ان کے نواسے سید شاہ محمد اسحق کرنل فوج وظیفہ یاب اور ان کے برادر بزرگ مولوی سید محمود حسین بی ۔ اے انسپکٹر لیبر سنگارینی کالیرز ابن خواجہ محی‌الدین مرحوم اس وقت حیدرآباد میں موجود ہیں ، جن کا نسبی سلسلہ حضرت سید حاجی اسحق خلیفہ خواجہ برہان‌الدین جانم بیجا پوری قدس سرہ سے اور والد کا حسبی سلسلہ قاضی سید محمود کبیر جد اعلی علامہ محمد غوث شرف‌الملک مدراسی المتوفی (۰۰۰۰) تلمیذ مولانا عبدالعلی بحرالعلوم فرنگی محلی وفات ۱۲۲۹ھ سے ملتا ہے ۔

تصنیفات | فراقی کی تصنیفات میں ہم کو ان کی مثنوی مراۃ الحشر دستیاب ہوئی ہے کتبخانہ آصفیہ میں اس کے دو نسخے ہیں ۔ پہلا نسخہ ۳۵۰ پر فن مثنویات اردو قلمی میں محفوظ ہے ، جس کے جملہ صفحات ۳۶۴ تقطیع متوسط مسطر ۱۱ ، کاتب رکن الدین ساکن پیٹ بابا نگر (ادونی) سنہ کتابت درج نہیں ۔ دوسرا نسخہ نمبر ۷۶۸ فن جدید پر مخزون ہے جس کے کاتب غلام قادر جوہر ہیں ۔ اور سنہ کتابت سنہ ۱۲۴۴ ھ بمقام حیدرآباد دکن ، جس نے مراۃ الحشر مکتوبہ سید شاہ نور الدین حسینی نبیرہ سید حمزہ حسین رایچوری از اولاد میر اشرف جہانگیر سمنانی کے نسخہ سے اس کو نقل کیا ہے ۔ شاہ نورالدین عرف چاند پیر رح نے بضمن کتابت آخر میں اپنے چند اشعار لکھے ہیں جو یہ ہیں :

مصنف فراقی ہیں ان کی کتاب لکھا نور الدین تاکہ ہوئے صواب
اگر کچھ غلط اس میں آوے صواب لکھو اور کرو تم صحی اس کو آپ
میرے پر سخن ناکرو کچھ بھی تم اچھے اوس وقت میں میری عقل گم
اصل نور الدین ناوں چلاتے اتھے عرف چاند پیر کر بولاتے اتھے
کہ لکھ کر کیا اس قطعے کو تمام بحق محمد علیہ السلام

اس مثنوی کے اشعار کی صحیح تعداد جملہ ۳۹۱۳ گویا تقریباً چار ہزار بیت

(۱) ترجمہ اردو روضہ اولیا بیجا پور ترجمہ سیف اللہ قادری مطبوعہ

ہے۔ نسخہ نمبر ۳ مراۃالحشر مکتوبہ سنہ ۱۱۹۴ ھ کتبخانہ انجمن ترقی ارد و علیگرہ، مگر مرتب فہرست انجمن مذکور نے سنہ تصنیف ۱۱۹۲ ھ بیان کیا ہے جو محض قیاسی ہے۔ نسخہ مراۃالحشر نمبر ۴ کتبخانہ نواب سالار جنگ حیدرآباد ناقص الاخر ہے مگر فہرست مخطوطات توضیحی مرتبہ مولوی ہاشمی صاحب میں اس کا سنہ تصنیف ۱۱۲۱ ھ درج ہے جو بالکل غلط ہے بمطابقت نسخہ جات دیگر کتبخانہ آصفیہ بلحاظ مادۂ تاریخی « یو دیکھو جو ہے با برکت کتاب » ۱۱۳۳ ھ صحیح سنہ تصنیف ہے (ص ٦٦ فہرست توضیحی کتبخانہ سالار جنگ بہادر)

ماخذ | اس مثنوی کا ماخذ مثنوی مطلع الانوار ہے۔ اس نام کی کئی مثنویاں ہیں ایک تو حضرت امیر خسرو رح کی مگر وہ ایک عارفانہ مثنوی ہے دوسری مطلع الانوار مصنفہ عفیف ابن نور کا شانی ہے جس کا اردو ترجمہ دکنی زبان میں مدراس کے ایک شخص محمد خاں عرف بدوح میاں نے سنہ ۱۲۵۰ میں کیا تھا۔

غرض فراقی نے مثنوی مطلع الا نوار فارسی کے باب آخرت نامہ کو اردو کا جامہ پہنایا ہے چنانچہ کہا ہے:

یکایک دیکھا مطلع الانوار میں — ہور اس بیچہ کے سارے اسرار میں
وہ تھی مہربان ایک مخلص کے پاس — دیکھیا جیو کا شوق دھر بیقیاس
پر یا آخرت نامہ میری نظر — دیکھا خوب دل رکھہ میں تس کے بہتر
قیامت کا احوال سارا اتھا — وہ دجال کا سب پکارا اتھا
مفصل اسی دھات تھا ذکر سب — مطالعہ کیا خوب میں دھر طاب

گویا مطلع الانوار کا باب آخر ان کو بہت پسند آیا اور دوسری بہت سی معتبر کتابوں سے مدد لے کر اس مثنوی کی تکمیل کی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

جیتاں پھر کتاباں جو تھیاں معتبر — اسی بات کی جان کی صحت خبر
حدیثاں دلیلاں تے اثبات ہو — دسی دل میں جب صاف ہر بات او
تب آیا میرے دل میں اس گنج کون — کتے لوگ پاتے ہیں بے رنج سون

نام و تخلص:

فراقی تخلص ہے میرا مدام — ولے اصل سید محمد ہے نام

نام کتاب و موضوع:

قیامت کا دیکھہ حال تس کے بہتر — رکھیا نانون میں مرات الحشر کر

سنو اے عزیزان سخندان سنو　　میرے دل کے مطلب کے گوہر چنو

کتاب مرات الحشر کل بارہ عنوانات پر منقسم ہے اور ہر عنوان ایک خاص بیت جس کو علم صنائع و بدایع میں براعت استہلال کہتے ہیں جس کے سرخیوں کی تفصیل درج ذیل ہے :

(۱)	حمد	۵	صفحات
(۲)	اب منا جات کو پسار یا ہات تا کرے حق گنہ میرے مغفور	٦	"
(۳)	یو محمد کی نعت کا ہے بیان ہوئی خدائی سب جس کی ظہور	۷	"
(۴)	غوث الا عظم کے یو مناقب ہیں جس کو معشوق اپیں کیا ہے غفور	۵	"
(۵)	وصف سید محمـــد کا مگر رہے مدینہ میں چھوڑ بیجا پور	٦	"
(٦)	طبع کی یو بیان وجودت کا جس سبب یو کتاب ہوئی مسطور	۱۰	"

اصل متن کتاب :

(۷)	مومنان کایو ہے نزاع وداع جو اسی حال انو کے چککے حضور	۳۷	"
(۸)	یو سنو حال گوش عبرت سون ہے نصیحت بیـان اہل قبور	۵	"
(۹)	یو حکایت ہے یک ممسک کی نکبـاتی میں جو اتھا مشہور	۷	"
(۱۰)	یو قیامت کی دس علامت ہیں ہر علامت کرینگی جگ میں ظہور	۷	"
(۱۱)	دابۃ الا رض کا لکھا ہوں حال سب حدیث و دلیل کر کے عبور	۱۸	"
(۱۲)	ذکر یا جوج ہور ماجوج جو خرابیاں کریں گے او مغرور	۱۱	"

(۱۳)	یو ہے مذکور حشر کا سارا		
	خلق اٹھینگی تمام یوم نشور	۲۱	صفحات
(۱۴)	ہو کہ قاضی خدا عدالت سون	۲۵	»
	سب سناوے مقدمے یو حضور		
(۱۵)	یو ہی دیکھلا آجائے گی میزان		
	تھا عمل کا سو ...... مذکور	۱۱	»
(۱۶)	بات سون پل صراط کے ہوئے		
	کافران عاصیان تے دوزخ پور	۳۳	»
(۱۷)	کر شفاعت گناہ گاران کون		
	انبیا اولیا کریں مبرور	۵۰	»
(۱۸)	یو مسلمان جا کہ جنت میں		
	ہوئیں محظوظ دیکھ حور و قصور	۳۹	»
(۱۹)	سب موافق ایسی مراتب کے		
	حق کا دیدار پائینگے پر نور	۲۱	»
(۲۰)	پند فرزند ہے نیکی تو		
	سب محبان کون ہی ہے یونچہ ضرور	۱۸	»
(۲۱)	ختم ساری کتاب کا یو ہوا		
	یارب اس کون مدام کر منظور	۲۲	»

ابتداء :

کہوں حمد ہور شکر اس رب کے تئیں
جلاتا ہے اور مارتا سب کے تئیں

خاتمہ :

مرا ہوئے جب اس دھات خوشحال من
میں اتنا جہ آخر کون بولوں بچن
سپر دم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

جملہ صفحات ۳۵۷

مثنوی مرات الحشر ایک مذہبی مثنوی ہے مگر ادبی حیثیت سے یعنی لطیف تشبیہات و استعارات کے مد نظر لسانی اعتبار سے بھی اہمیت رکھتی ہے اس لئے کہ یہ ڈھائی سو برس پہلے کی زبان ہے ، فراقی ، نصرتی ، ولی ، اور بحری کے ہم عصر تھے ، واقعہ نگاری اور تسلسل بیان ، اور بعض قیامت کے مرقعے خوب کھینچے ہیں ، خصوصاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری ، تزک و احتشام ، دبدبہ اور شان کا منظر خوب کھینچا ہے . ہم یہاں مثنوی مراۃ الحشر فراقی سے چند اقتباسات درج ذیل کرتے ہیں جس سے شاعر کی زبان اور اسلوب بیان کا اندازہ ہوگا . ایک بخیل اور اس کی بیوی کا قصہ کس مزہ سے بیان کرتے ہیں جو مذہبی اور تعلیمی پہلو لئے ہوئے ہے ، عنوان اصل قصہ

یو حکایت ہے یک ممسک کی نکباتی[1] میں جو اتھا مشہور
الہی اپس کا[2] دے ہمنان[3] کو ڈر نکو کر گرفتار دنیا اوپر
ہمارے دلان کو نکو ڈلملا[4] اپس کی محبت میں ہمنا جلا
سمجھتے ہیں دنیا کو فانی ہمیں کریں گے کتی زندگانی ہمیں
دغا دے کو آخر نکل جائے گی نہ کام آئی کسکوں نکام آئیگی
لطائف قصص میانے[5] مذکور ہے حکایت عجایب یو مسطور ہے
اتھا ئیک[6] تجار یے مالدار ہتی ، ہور ، گھوڑے ، شتر کئی ہزار
جہازان ہی گھر کیچ چلتے تھے کئی اتھی بے بہا اس کے بھوت شئی
تماشا ہر یک بھانت کیان[7] بیشمار سری[8] صاف شالان لی گنتی تھی بہار
ہر یک جنس کپریاں کی بستی اتھی ہزاران عالم اوکستی اتھی
ہر یک نک جواہر کا بے مول تھا نہ موتی کا یک اوسکے کیں تول تھا
خزانہ ہی تھا نقد ایسا اوسے میسر نتھا بادشاہ کون کسے
کیا تھا خدا اسکون قارون تے چڑ[9] رہیا تھا بخیلی میں پن وو سپڑ[10]
اتھا نکبت ایسا جو اس دھات تے[11] نہ مارے کوا بی جھوٹی ہات تے[12]
اگر خواب میں کس کون روتی کھلائے تو ہشیار ہو مون[13] مٹی خاک[14] بھائے

---

(۱) نکبت (۲) اپنا (۳) ہم کو (٤) ڈاوان ڈول (۵) درمیان ، میں (٦) ایک (۷) کے
(۸) صرف ہونے (۹) بڑھا ، چڑھا (۱۰) پکڑا (۱۱) اس طرح ، اس قدر (۱۲) کو ابھی جھوٹے ہاتھ سے مارنے مین تکلیف کرتا تھا (۱۳) منہہ (۱٤) منہ میں مٹی پڑنا

اگر کون[1] بخیلی کا اوس کے بیان — تو ہو جائے ممسک یو[2] میری زبان
پچھیں بند بر[3] یکی کروں کیوں بچن — مجے کام ہے بولنا یے سخن
مجے تس بخیلی تے کیا کام ہے — یو قصے کا کرنا سر انجام ہے
اتھی ایک عورت اوسے بے مثال — اچھی سورتی[4] خوب اس کا جمال
روا ہیں اگر اوسکوں بولیں یہ حور — ولے حور میں بی اچھیگا قصور
وو نرمل اچھی نار چندر بدن — دسیں نور کی ایک پتلی نمن[5]
سو ویسن لچھن[6] کیتی وو کنوار[7] — کہا نین کری بھی بخیلی تے یار
رکھیا تھا نپٹ بھوک ہور پیاس سوں — بچاری وو اچتی[8] تھی اس آس سوں
ندیتا تھا جیو کھول کر وو بخیل — معین تے دیوی اس کچھ بی قلیل
اوسی میچھ گذران وو دھن کرے — اپسکی تو جینی کے روزان بھرے[9]
نہ بولیں کسی سات اپس دل کا غم — نکھولیں کسی سوں اپس کا بھرم
یکا یک امر خدا یوں ہوا — وو تجار اپنی قضا تے مرا
ملے سب مسلمان سن یو خبر — اوسیکی اوسی گھر میں گئی دفن کر
پچھیں دھن کی امید جیئو میں بھری — اپس ذوق سوں مرد دوسرا کری
کریں عیش و عشرت دونو مل مدام — اچھیں موکلی[10] ذوق تے صبح و شام
ندل میں دھریں عشق بن کچھ خیال — گمت[11] میں اوڑاتے تھے سارا وو مال
ہریک بھانت کی کاڑ[12] اوپرال[13] تھان — رکھیں کھول سوداگری کی دوکان
خریدی کون یے لوگ آتے تھے — جکچہ من منگیا سو لجاتے اتھے
چل آیا تھا یکروز واں یک جوان — وو کچ کام تھا سو گیا اس دکان
دیکھیا خوب شان اس کا محل — وو دھن ہور ہے یک جوان بے دل
دھرے تھے او شیشاں میں بھر بھر شراب — انگ[14] نقل تھے ہور سوندے کباب
او کھاتے و پیتے گمت میں اتھے — دونو عشقبازی کی گت میں اتھے
یکس یک کون[15] دیتے پیالے انپڑ — یکس عشق میں یک رہتے تھے سنپڑ
انگن اس محل کا اتھا بے مثال — رکھے ہیں کہ جوں صاف روپے[16] کا تھال

---

(۱) کھون (۲) یہ (۳) کسی کے پیٹ پیچھے (۴) صورت کی (۵) طرح
(۶) عادت مراد نیک سیرت (۷) گنوار، جاہل (۸) رہتی (۹) یعنی دن پورا کرنا
(۱۰) منہ کھلے، کھلم کھلا (۱۱) تماشا، کھیل (۱۲) نکالنا (۱۳) اوپر، باہر
(۱۴) آگے سامنے (۱۵) ایک دوسرے کو (۱۶) صاف چمکدار، چاندی

دسیا چوترا [۱] خوب د میان صاف
اتھی گو ایک تسپہ دالی غلاف

او نرمل کہ بیٹھی تھی گو اپاس
اپس دل میں بھر خرمی بے قیاس

دیکھی او جو آیا ہے یو مشتری
کئی بھوت تعظیم سوداگری

بیٹھا کر دھرے پان آگے شتاب
قماشاں دیکھانے لگے بے حساب

و بھر بھر کے بلور کے جام میں
پھراتے اتھے [۲] دور آرام میں

جب اس دھن طرف آئی نوبت شتاب
او تھی ہت میں چابک لے پیکر شراب

خسک دوڑکر آ بھوت زور سون
غصہ کرکے مارے وو اس گور کون

پھر اپنیچ [۳] جاگے [۴] پر آ بیٹھ کر
پھر اتی اتھی دور خوش جام بھر

جب آتی رہتی اس کی نوبت ادھر
اوٹھی وونچہ [۵] ھور مار آویں نڈر

بزاں [۶] او مسافر پریشان ہو
اپسکے اپی دل میں حیران ہو

عجائب تماشا دس [۷] آیا اوسے
اوے وقت لک پن نپوچھیا کسے

کیا [۸] کچھ تو خالی خلل تے یو نین
ولے کیا ہے حکمت سو حیرت ہوں میں

ذرہ سک [۹] کے دھن کوں وو پوچھیا کہ بول
پریشان ھوں میں (تو) معما یو کھول

بچاری تو مردے کا تقصیر کیا
غصے سوں توں کی مارتی ہت اچا [۱۰]

حقیقت میں مردیکا ہے بی ادب
تیا نان او کرنا تجھے کیا سبب

کھی دھن ارے بھائی میں کیا کہوں
ولے پوچھتا ہے تو کیوں چپ رہوں

مرا تو بھی یو مرد پارا اتھا
بو سب گھر یو سب مال اوسکا اتھا

ولے تھا بخیلی میں مشہور او
سخاوت کی رہ تے اچھیں [۱۱] دور او

نہ کھاویں اپی ہور نہ مجھکو کھلائیں
ندے آپ کسکون نکس [۱۲] بھی دلائیں

تیا [۱۳] مال اچکر [۱۴] بھوکا رہیں مدام
اتھا خوب کھانا ہمن پر حرام

اوسے مالکی بھی کمیں نا اچھے [۱۵]
کسی شئی کی بھی پر کمیں [۱۶] نا اچھے

خزانیچ بھر بھر کے رکھتا اتھا
خرچ نے کو یکدام سکتا اتھا

یو سب چھورکر گور میں جا رہیا
مرے ہات میں حکم تب آ رہیا

نکاح اس جواں کو کری میں حلال
یو دی ہوں سب اوسکے تصرف میں مال

---

(۱) چبوترہ (۲) یعنی دور ساغر چل رہا تھا (۳) اپنے ہی (۴) جگہ (۵) اوسی طرح
(۶) بعد ازاں (۷) نظر (۸) کہا (۹) نہ رہ سکا (۱۰) ہات اٹھا کر (۱۱) رہے
(۱۲) نہ کسیکو (۱۳) اتنا (۱۴) رہکر (۱۵) سجتی نہ تھی (۱۶) کمی

جکچ من منگیا خرچ کرتے ہمیں	جمع کر کے گھر میں نہ رچتے ہمیں
دونو مل کر کرتے ہیں عشرت ہمیں	یو دنیا کا لیتے ہیں لذت ہمیں
ہمارا بھی جیئو جب نکل جائے گا	تو کیا گھر بھی کیا مال کام آئیگا

پل صراط جو تلوار سے تیز اور بال سے باریک بیان کیا جاتا ہے اوس پر سے گذرنے کی کیفیت کو بموجب اقوال احادیث اس طرح بیان کرتے ہیں :۔

اوسب اپنے اپنے عمل کے حساب	چلے جائینگے کوئی ہلو کوئی شتاب
کیتے[1] جائینگے بیگ[2] بجلیاں کے ناد[3]	کتے جائینگے اوڑ کہ جوں جلد باد
کتے جائیں رہوار گھوڑے نمن	کتے ہو پیاد یچ[4] ست کر چرن
کتے ہو کہ لنگڑے سنبھال اپنا تول	کتے ہو کہ اندے[5] چلینگے ٹٹول
کتے اپنے چتران[6] پہ پڑ آئینگے	کتے پیت گھنستے چلے جائینگے
کتے آئینگے اپنے سینے کے زور	کتے جائینگے سست ہو جو نکہ مور
او ابلیس سارے شیاطین سات	او سب مشرکاں کافراں بی سنگات
قدم لا کہ رکھتیچ[7] میں تل اوپر	پڑیگا او اندھا ہو دوزخ بھتر

فراقی گویا طوطی شکر مقال ہے | اگر چہ کہ شاعرانہ تعلی سے خالی نہیں مگر استعارے و تشبیہات سے عجیب لطف پیدا کردیا ہے جو متقدمین بیجاپوری شعرا میں کم ہیں ، مگر زمانہ ما بعد میں اس کا اثر زیادہ ہے حتی کہ بعض نثر نگاروں نے اس کا اثر لیا ہے ۔

میرے طبع کے تیز پر باز کون	ہوا پر کرنہار پرواز کون
چپی[8] کاچ[9] ڈوپن[10] دے مون کے اوپر	بندیا حبر[11] کون دوڑ پاووں کی کر
پھر یاں دیکہ جودت کی حکمت دیکھا	نزاکت کی دلپی یو پھر پھر بولا
کیا دست پر فکر کے آشنا	کھلایا فصاحت کے طعمے بنا
چکایا مضامین پھر شغل دھر	پھرایا معانی کی کچری[12] بھتر
مجے جان اس طایری[13] خوش خیال	چپی کاچہ[14] تس مکہ تے ڈوپن نکال
سٹون کھول جب حبر کی پگ[15] تے دوڑ	اورین فکر کے ہات تے کر کہ دوڑ

---

(۱) کتنے (۲) بیگی ، جلدی (۳) مثل (٤) پیدل (٥) اندھے (٦) یعنی چوتر کے بل
(۷) قدم رکھتے ہی (۸) خاموشی (۹) کاہی (۱۰) دھکن (۱۱) سیاہی (۱۲) کچہری
(۱۳) طائر (۱٤) خاموشی کا (۱۵) پاؤں

چنگل کھول اصلاح کا مار پر
وو پکڑیں ہنر کے عجب جانور
چھورا اوسکے چنگل تے پر یاردار
دھروں گھال معنیاں کے پنجرے منجھار
غلاف اوس پہ حرفان کا میں ڈالکر
رکھوں ہر ورق کیچ گھر کے بہتر
رہے نانون میرا کہ ہے خوش ہوس
اگر میں نہ رہوں رہے میرا نانون بس
میری طبع کی بحر اوبلنے لگی
ہر یک موج خواہش کی چلنے لگی
پھرایا جہاز آپنے فکر کا
لگا یا ہوں اوزار اس ذکر کا
میری طبع کا ناخدا چڑ لیا [1]
دیوسی میں جودت کے جاگا دیا
معلم ارادے کا آکر شتاب
ستاریاں کا مضمون کے دیک حساب
ہنکاریا سو خوش وزن ہو کر بھیا
خموشی کی کھاڑی، سٹ آگے گیا
خدا کی مدد کا جو بارا چلیا
خطایاں کے گرداب اوپر تے تلیا
ہنر کاچ کپڑ [2] کا دس آیا شتاب
نزاکت کی بستی لگی بیحساب
خدا کا نپٹ دل منے شکر کر
دیا میں اپس آرزو کا لنگر
لطافت کی ہوپری اوپر ہو کہ سار
کسافت کی کھاڑی سٹی جا کہ پار
عنایت کے بندر میں آکر اتر
رہیا لیکہ نادر ظرافت کا گھر
بچن کا متاع لیکے بھرنے لگیا
خیالان کی نت فکر کرنے لگیا
نظر دھر اپس ذوق کا خوش وطن
جب آیا .... تب کیا چوکدھن
ملو یاں معانی کے تجار سب
دیکھو یو متاع آکہ یکبار سب
اول مجکو تحسین کا دیکہ زر
پچھے یو خریدی کرو سربسر
الہی مشقت میری کر تون چیز
میرا شعر رہے جگ میں ہو کر عزیز

میدان حشر اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری مبارک:

محمد کی نوبت کا جھنکار سب
سنیگی مہابت تے سنسار تب
اچھیگا نور کا برا غلغلا
جو دیکھے سو ہو جائینگے مبتلا
سو جبریل اپنے کون پونجائینگے
سرافیل عزرائیل بھی آئینگے
ملا یک بھی سات اون کے ستر ہزار
طبق نور کے لیکہ کرتے نثار
کرینگے او سارے بڑا طمطراق
کہ لاکھاں تے لاوینگے ابلق براق
اچھیں سب براقان کو زری لگام
مکلل مرصع کی زینان تمام

(۱) چڑہ گیا (۲) لباس

بهشتیچ کے بہات کیا ...... تان — او سب رنگ برنگی چیتاں ہے وتیان
حریری و دیبائی و سند سی — اچھینگے او بیقیمتی مرد ستھی
لیکر آئینگے یونچہ لاکھاں نے تاج — ندیکھا ہوکوئی ہو سنیاں نہیں ہے آج
اسی دھات کے تحفے لے آئینگے — موافق مراتب کے پو نچائنگے
کرینگے اول دست بوسی نبی — پچھیں یونجہ امت کون اسکی سبی الخ

* * *

کتے ہیں کہ جنت کیاں نہران یوچار — اوسیچ کیاں اب دنیاں میں چار
کہ جیحون جنت کی ہے نیرکی — یو ظاہر فرات اوسکی ہے شیر کی
لیا نیل کی شکل واں کا شراب — ہور شہد نے بوج گنگا کا آب
عربی میں جیحون ہے اصل نام — کتے ہند میں اوسکو گنگا تمام

ہمکو ایک قدیم مخطوطہ مثنوی مولانا روم قدس سرہ مکتوبہ عبداللطیف کے ایک حاشیہ سے فراقی کی ایک نظم بعنوان «پند تصنیف فراقی» دستیاب ہوئی ہے. زبان دکھنی ہے کچھ عجب نہیں کہ وہ یہی فراقی ہوں، جو ہدیۂ ناظرین ہے.

کہا میرے مرشد نے یوں میرے تئیں — کہ ایک بات کہتا ہوں سن تیرے تئیں
کہا مجکو ایک پاک درویش نے — برہ کی کتاری کے دل ریش نے
ارے یار دنیا کا طالب نہو — قلندر ہو شہ کا مصاحب نہو
توں زردار سے جگ میں یاری نکر — توانا ہے جب تیئں سواری نکر
نرکھ آرزو زیر بریان کی — ہوس دور کر روغنی نان کی
عبث ہے عمارت بنانا تجھے — کہ آخر یہ سب چھوڑ جانا تجھے
ارے یار تنہا توں رہ جگ بھیتر — کہا کر میرا کد خدائی نکر
گزر جا تو دنیا کے جنجال سے — توں مشغول ہو اپنے احوال سے
کہ پیری کا ہنگام جب آئے گا — جوانی کا لحظہ گزر جائے گا
نہ رہویگی رونق تیرے گال میں — سیاہی نہ رہویگی تجہ بال میں
نہ رہویگی قوت بدن میں تیرے — نہ رہویگی طاقت چرن میں تیرے
عصا لے پھرے گا توں بازار میں — نزاکت نہ رہویگی رفتار میں
نہ رہویگی گھر بیچ عزت تجھے — نہ لیاویگی خاطر میں عورت تجھے
نہ رہویگی یاروں سے یاری تجھے — محبان ستی دوستداری تجھے
مصیبت ترے سر اوپر آئیگی — پریشان دنیا گزر جائیگی

اجل آکے پونچھیگی اے صاحبا ملینگے ترے یار اور آشنا
یکا یک پلنگ سے اوتارینگے تجھ جنازہ میں لیکر سولاوینگے تجھ
کفن گل میں پہناوینگے یار مل نکالینگے گھر سیتی غمخوار مل
کرینگے تجھے شہر سیتی بدر بناوینگے جنگھل میں تیری قبر
لجا ویں گے وارث تیرے مال کو قبا اور دولائی دگر شال کو
نہ دیکھے گا کوئی تیرے فرزند کو توں ہشیار ہو سن میرے پند کو
تجھے پھر کسی سیتی ملنا نہیں اندھاری قبر سے نکلنا نہیں
نہ آوے گا کوئی تجھے یاد کر مگر باؤ گزرے گی تجھ گور پر
کہا ھے عجب داستان فراق فراقی نے اے کشتگان فراق

شاید اسی فراقی کی ایک اور نظم کتبخانہ نواب سالار جنگ بہادر کی بیاض میں درج ہے مگر کاتب نے فراقی کا املا فراخی لکھا ہے، اس لئے مزید تحقیق نہ ہوسکی، جس کا مطلع اور مقطع یہ ہے، (۴۸) بیت

ہمیشہ مجھ سے عاصی‌کوں نبی جی آسرا تیرا جہنم کی خلاصی کوں نبی جی آسرا تیرا
تو ساقی حوض کوثر کا ملاقی ہو ہر ہر کا فراخی بھی ہے تجھ گھر کا نبی جی آسرا تیرا
گوایاں عمر کھٹ پٹ میں جہاں فانی کی لٹ پٹ میں
پریا مایا کی چٹ پٹ میں نبی جی آسرا تیرا الخ

دکھنی عوام کا تلفظ ق کے بجائی خ اب بھی رائج ہے جس طرح پنجابی قاف کو کاف بولتے ہیں ممکن ہے کسی کم علم کاتب نے اس کا املا فراخی لکھ دیا ہو.

بعض ماخذ:

(۱) تاریخ بساتین السلاطین مولفہ محمد ابراہیم زبیری (قلمی)
(۲) تذکرۂ اولیاء رائچور « روشن علی رائچوری مطبوعہ
(۳) ترجمہ روضۃ الاولیا بیجاپور ترجمہ معہ ضمیمہ مولوی سیف اللہ قادری المدرسی
(۴) تذکرۂ اولیاء دکن مولفہ عبد الجبار خان ملکاپوری مطبوعہ حیدرآباد دکن
(۵) « روضۂ اولیاء بیجاپور « زبیری (قلمی)
(۶) ماآثر نظامی « نسارام پدر شفیق اورنگ آبادی
(۷) بیجاپور گزیٹئیر (انگریزی) Archaelogical Survey of India (Bijapur) By Cousins 1916
(۸) شجرۂ خاندان فراقی مطبوعہ شمس الاسلام پریس حیدر آباد دکن

(بمہر میران شاہ محمد ۱۲۸۵ ھ) از اولاد شاہ عزیز اللہ برادر فراقی

(۹) مثنوی مراۃ الحشر مصنفہ فراقی (کتبخانہ آصفیہ) مکتوبہ نور الدین رح

(۱۰) قدیم نسخہ شرح مثنوی مولانا روم کے حاشیہ پر ایک غزل فراقی (مکتوبہ شاہ عبد اللطیف شارح مثنوی)

(۱۱) بیاض شعراء دکھنی فارسی — کتبخانہ سالار جنگ حیدر آباد

(۱۲) رسالہ اردو ادب — انجمن ترقی اردو علی گڈھ

(۱۳) حدیقۃ المرام — مولوفہ محمد مہدی واصف (عربی) مطبوعہ ۱۲۷۹ ھ (مدراس)

(۱۴) رسالہ برہان — دھلی ستمبر ۱۹۵۶

(۱۵) کلیات ولی — مرتبہ ڈاکٹر سید نور الحسن ہاشمی مطبوعہ انجمن ترقی اردو پاکستان

* از لال چند بسمل، عشرتی، پشاوری

مسلم صوفی کا ہندی کلام ۔ اللہ نامہ

«جناب پرشو رام چترویدی نے اپنی ہندی تصنیف «صوفی کاویہ سنگرہ» میں لکھا ہے کہ «اللہ نامـــــہ» نام کی رچنا کسی صوفی شاعر کی ملی ہے جس کے نام کا پتا نہیں چلتا.» چترویدی صاحب نے ٹھیک کہا ہے. شاعر نے صرف نام ہی نہیں اپنے تخلص سے بھی واضح طور پر آگاہ نہیں کیا. لیکن کلام مندرجہ کے آخری شعر میں آیا ہوا لفظ «باقی» اگر نگاۂ تجسس کے نزدیک شاعر کا تخلص قرار پاسکے تو اس کی وساطت و رعایت لفظی، شاعر کے نام کا معمـــــہ بھی حل کردیتی ہے. یعنی «عبد الباقی» واللہ اعلم بالصواب، اگر کسی صاحب کو ان اشعار کے مصنف کا نام و حال معلوم ہو تو ضرور مطلع فرمائیں.

(۱) جگ[۱] فانوس کی شکل بنایا　　آپ کو[۲] چاتر[۳] ہوئے جتایا[۴]
(۲) ہاتھی گھوڑے وایں[۵] بنائے　　دیپک[۶] بل[۷] سب سیر[۸] دکھائے
(۳) دیپک ہو جب آئے اندر　　سوجھے[۹] سورج تارے اندر

ترجمہ نمبر ۱ تا ۳

از روئے عقائد صوفیانہ، جمیل اکبر نے جب اپنا جمال خود آپ دیکھنا چاہا تو ایک لطیف سی جنبش نطق طرفۃ العین میں آئینہ کائنات کو عالمِ وجود میں لے آئی.

اسی کائنات کو شاعر نے فانوس سے تشبیہ دی ہے اور کہا ہے کہ خلاق اعظم نے جہان شش روز کو فانوس تصویر کی صورت میں ظاہر کیا ۰۰۰۰۰۰ ہر تصویر کی چولی موالید ثلاثہ کے دامن سے باندھی ۰۰۰۰۰۰ اور چراغ فانوس کے پردے میں پرتو جمال کی ضیائے حیات سے فانوس کی ہر تصویر کو زندگی سے

---

(۱) دنیا　(۲) خود کو　(۳) دانا ۔ سیانا　(۴) دکھایا　(۵) اس میں　(۶) چراغ
(۷) ذریعہ　(۸) حرکت، چلنا، پھریا　(۹) دکھائی دئے

* لال چند بسمل عشرتی، پیشاوری تمثیل نگار، بمبئی

آشنا کرتے ہوئے ، حسب حال و حقیقت ، قوتِ حرکت و گردش و گویائی بخشی۰۰ ۰۰۰۰۰ مہر و ماہ بھی چمک اٹھے ۰۰۰۰۰ ستارے جگمگانے لگے ۰۰۰۰۰ اور دنیائے فانوس کا ہر فرد گویا زبان حال و حیرت سے پکار اٹھا ۰۰۰۰۰

لا احصی

(۴) جب مگ[۱] دیپک وایں رہے ہنسی خوشی جگ واکو[۲] کہے
(۵) جب دیپک فانوس سے جائے کاہو[۳] کو فانوس نہ بھائے

ترجمہ نمبر ۴ تا ۵

ان شعروں میں آئے ہوئے فانوس سے شاعر کی مراد انسان کے قالب خاکی سے ہے . جوکہ ذو معنی تشبیہ کے دائرہ سے باہر نہیں ، اس چھوٹے سے فانوس در فانوس کا رشتۂ حیات بھی اسی چراغ فانوس کی لَو سے بندھا ہوا ہے .

لہذا جب تک یہ رشتہ بندھا ہے تب تک سب کچھ قائم ہے . شان شوکت بھی ۰۰۰۰ عزت و آبرو بھی ، خویش و اقربا بھی محبت و مروت سے کام لیں گے ، دوست و احباب بھی خندہ پیشانی سے پیش آیں گے لیکن رشتے کے ٹوٹتے ہی ۰۰۰ سب کچھ ختم ! ع اک دھوپ تھی کہ ساتھ گئی آفتاب کے ، پھر تو

مرنے کے بعد کوئی الفت نہ پھر جتائے
نہ بیا پاس آئے نہ بھائی منہ لگائے
جو دیکھے اس کی صورت دہشت سے بھاگ جائے
اس مرگ کی بلا بھی کیا کیا نہیں بنائے

(۶) کہیں بلبل کہیں پھول ہو آیا کئی بھانت[۴] اپنا روپ[۵] دکھایا
(۷) کہیں لیلیٰ کہیں مجنوں ہوا کہیں کلی کہیں مدھوبن[۶] ھوا
(۸) کہیں روئے کہیں کھلکھل ہنسے وہ پیار کئی رنگ میں بسے

ترجمہ نمبر ۶ تا ۸

تقریر مختلف ہیں مگر مدعا ہے ایک
باجے ہزاروں بجتے ہیں لیکن صدا ہے ایک
شمع و چراغ و آئینہ و برق و مہر و ماہ
جلوے ہیں لاکھ رنگ کے جلوہ نما ہے ایک

---

(۱) جب تک (۲) اس کو (۳) کسی کو (۴) کئی طرح (۵) جلوہ حسن (۶) سرسبز باغ

بلبل گریاں بھی تو　　اور گل خنداں بھی تو
اسی کا نور ہر اک شے میں جلوہ گر دیکھا
وہی وہی نظر آیا جدھر جدھر دیکھا

(۹) آپ انا الحق نام پکارا　　کیا بدنام منصور بے چارہ
(۱۰) پھر قاضی ہو قائل کینا[۱]　　ار[۲] واکو سولی[۳] پر دینا

ترجمہ نمبر ۹ تا ۱۰

چو خود کردند رازِ خویشتن فاش　　عراقی را چرا بدنام کردند؟
باز میگوی کہ دامن ترمکن ہشیار باش!

(۱۱) کون چڑھا اور کون چڑھایا؟　　آپ ہی وہ کئی روپ[۴] میں آیا
(۱۲) غور کرو اور آنکھ پسارو[۵]　　وہ ہے محیط ہر رنگ میں یارو!

ترجمہ نمبر ۱۱ تا ۱۲

خود کوزہ و کوزہ گر و خود گلِ کوزہ
رہا کن عقل را باحق ہمیں باش　　کہ تاب خور نہ دارد چشم خفاش
چشم مجنوں چاہئے دیدار لیلی کے لئے

تنہا نہ اسے اپنے دلِ تنگ میں پہچان
ہر باغ میں ہر دشت میں ہرسنگ میں پہچان
بے رنگ میں با رنگ میں نیرنگ میں پہچان
منزل میں مقامات میں فرسنگ میں پہچان
ہر آن ہر بات میں ہر رنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

(۱۳) اس کا وچار کروں کیا بھائی　　آپ کو[۶] اپنی چھبی[۷] دکھلائی

ترجمـــہ:

اپنی صورت کا مصور آپ ہے　　دہر میں نقاشِ لا ثانی ہے وہ

(۱) کیا　(۲) اور　(۳) دیا، چڑھایا　(۴) شکلیں، صورتیں　(۵) کھولو　(۶) خود کو
(۷) جلوہ، صورت

(۱۴) یہ باتیں میں کیسے وچاروں سر پھوڑوں کہ کپڑے پھاڑوں

ترجمہ: زیبا ہے شور مرغِ گرفتار کے لئے ؟

(۱۵) ہنسوں بہت یا آہیں ماروں کاہے[1] سناؤں کسے پکاروں

ترجمہ: ہم کہیں کس سے کہ در پیش ہے حالت کیسی

(۱۶) مستانہ ہو منہ کو کھولوں ہو[2] منصور انا الحق بولوں

ترجمہ: میری قدرت سے اب اخفائے رازِ عشق باہر ہے

تو کہہ دوں کہ: ہرکہ ازوے نہ زد انا الحق سر ۰۰۰۰۰۰۰

یا یوں کہوں : لب دریا ہمہ کفر است و دریا جملہ دینداری

و لیکن گوہر دریا ورائے کفر و دین باشد!

لیکن نہیں شاعر کہتا ہے ۰۰۰

(۱۷) بھلا ہے مجھ کو اب چپ رہنا کفر ہے بھید خدا کا کہنا

ترجمہ : مصلحتِ نیست کہ از پردہ برون افتد راز

ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

حقایق ہائے نیک و بد بہ شیر خفتہ می ماند

کہ عالم را زند برہم چو دستی برہی بر او

لہذا ۰ ۰ ۰ ۰ ۰ خموش ۰ ۰ ۰ ! خموش ۰ ۰ ۰ ۰ !

(۱۸) آپ کرم او مو پہ کینا تب میں نے واکو لے لینا

(۱۹) کچھ سنگار[3] کئے ہیں ہوئے جا پی[4] چاہے سہاگن[5] سوے

(۲۰) نہ کچھ طاعت میں نے کیتی[6] آپ کرپا[7] ان مو پہ کیتی

(۲۱) باقی بات ہے اپرم پارا[8] کیا لکھوں میں بارم بارا[9]

ترجمہ نمبر ۱۸ تا ۲۱

سرمد غم عشق بو الہوس را نہ دہند سوزِ دلِ پروانہ مگس را نہ دہند

عمرے باید کہ یار آید بکنار ایں دولتِ سرمد ہمہ کس را نہ دہند

(۱) کس کو (۲) بن کر، ہو کر (۳) بناؤ، سنورنا (۴) مطلوب، و بر معشوق (۵) نیک بخت

(۶) کی (۷) کرم و فضل (۸) بے حد (۹) بار بار، گھڑی گھڑی

کیا فائدہ فکرِ بیش و کم سے ہوگا　　ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ کہ ہوا، ہوا کرم سے تیرے　　جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

گر عمر بھر میں اس کو لکھوں بھی تو کیا لکھوں
بے انتہا ہے وہ تو غرض تا کجا لکھوں

پھر!　　رات کوتاہ وقصہ بسیار!

٦

میرزا مظہر جان جاناںؒ

اور

ان کا اردو کلام

میرزا مظہر جان جاناں کے عہد کے سیاسی، معاشرتی، مذہبی حالات اور اردو شاعری کا جائزہ، ان کے سوانح حیات، ان کے خلفا و تلامذہ کے حالات، ان کے ملفوظات، ان کے فارسی و اردو کلام پر تبصرہ اور ان کے منتشر اردو کلام کی ترتیب

مرتبہ: عبدالرزاق قریشی، رفیق انجمن اردو رسرچ انسٹی ٹیوٹ، بمبئی

صفحات ۳۷۲　　قیمت ٦ روپے

ملنے کا پتہ: ادبی پبلشرز، شیفرڈ روڈ، بائیکلا، بمبئی

* از سیدہ جعفر

اردو نظم اور ہیئت

جدید انگریزی شاعری کی روحِ رواں ازراپاؤنڈ (Ezra Pound) نے اپنی کتاب "Active Anthology" کے مقدمے میں جب یہ بات کہی تھی کہ «ادب بغیر تجربے کے مر جاتا ہے اور اس کو زندہ رکھنے کے لئے تجربہ بڑی ایک اہم اور ضروری عنصر ہے» تو گویا ازرا پاؤنڈ نے ادب کی ان متحرک اور تغیر پذیر قدروں کی طرف اشارہ کیا تھا جو مادی زندگی کی کشمکش اور انسانی شعور کے ارتقاء کے ساتھ صوری اور معنوی حیثیتوں سے تبدیلی اور تجربے کے سانچوں میں ڈھل جانا چاہتی ہیں۔ ہمارے ادب میں ان تجربات کا سلسلہ انیسویں صدی کے وسطی حصے سے شروع ہوتا ہے جب تمدن اور ادب کی قدیم راہیں دھندلی ہونے لگی تھیں اور سماجی ڈھانچے کی تبدیلی ادب میں نئے موضوعات کو سمو رہی تھی سر سید کی تحریک سے جو شعراء متاثر ہوئے تھے انھوں نے ادب میں ایسے رجحانات اور حقائق کی تلاش شروع کردی تھی جو اسالیب کو نئی توانیاں نئے تیور اور نیا رنگ دے سکتے تھے۔ اس راستے پر سب سے پہلا قدم اسماعیل میرٹھی نے اٹھایا اور پہلی بار ہیئت کے اصولوں کو ایک خفیف اور خوشگوار تبدیلی سے روشناس کرانے کی کوشش کی۔ « ستارے اور کسان » کے عنوان سے انھوں نے جو نظم لکھی تھی اس کے چند شعر حسب ذیل ہیں۔

وہ غریب کھیت والے — وہ امیر وار دہقاں
کہ کھڑی ہے جن کی کھیتی — کہیں کھیت کٹ رہا ہے
کہیں گہ رہا ہے خرمن — کہیں آنکھ ان کی جھپکی
یونہی شام سے سحر تک — ہیں تمام رات جاگے
نہ گھڑی ہے واں نہ گھنٹہ — نہ شمار وقت و ساعت
مگر اے چمکنے والو — ہو تمہیں انہیں بتاتے

* ڈاکٹر سیدہ جعفر حیدرآباد دکن

کہ گئی ہے رات کتنی

اسماعیل میرٹھی، آزاد اور نظم طباطبائی کی کوششیں ہیئت کے سانچوں میں کوئی بڑا انقلاب برپا نہ کرسکیں لیکن اتنا ضرور ہوا کہ ردیف اور قافیہ کی سخت پابندیوں اور مروجہ بحروں کے روایتی اور میکانکی استعمال کے انداز سے شاعروں کا ایک گروہ غیر مطمئن سا نظر آنے لگا۔ نظموں میں بند کی نئی ترکیبیں ہلکی پھلکی رومانی نظمیں اور سانٹ کے تجربے، گیتوں کی متعین شکلوں میں تبدیلی اور بحروں میں تنوع پیدا کرنے کا احساس ایک طرف ہیئت کی ارتقائی منزلوں کا پتہ دیتا ہے تو دوسری طرف مغربی ادب کے ان میلانات کو ظاہر کرتا ہے جنھیں شعوری اور نیم شعوری طور پر ہمارے ادب میں جذب کیا جارہا تھا۔ حفیظ جالندھری، اندرجیت شرما، ساغر نظامی، وقار انبالوی، احسان دانش، افسر میرٹھی اور اختر شیرانی نے اردو ادب میں اسالیب کے نئے انداز اور نئے تجربات کو پیش کرکے سنگیت اور آہنگ کی اُن بنیادوں کو مضبوط کردیا جن پر بعد کو آزاد نظم نگاری نے ایک نئے ذوق نغمہ کی تعمیر کی۔ اختر شیرانی کی رومانی نظمیں بڑی نرم اور رسیلی ہیں ان میں زندگی کا نشہ بھی ہے اور محبت کی دھڑکنیں بھی ارکان اور الفاظ کی نئی ترتیب سے یا بحروں کے تنوع کے ذریعہ اختر شیرانی اپنی نظموں میں اثر اور ترنم پیدا کرتے ہیں۔ حفیظ جالندھری نے چھوٹی چھوٹی بحروں کا انتخاب کیا ہے ان کی نظموں میں ارکان کی تقسیم اور ترتیب کا انداز اور قافیہ کے تیور، اسانٹ کی مجموعی آہنگ کی یاد دلاتے ہیں۔ وہ اپنی نظموں میں قافیہ کو اس طرح بکھیر دیتے ہیں کہ ہر مصرعے کے بجائے اسکا استعمال صرف اُنہی موقعوں پر کرتے ہیں جہاں قافیہ کی جھنکار ترنم کے اثر کو بڑھا سکتی ہے۔ فرصت کی تلاش کے چند اشعار یہ ہیں۔

یوں وقت گذرتا ہے (ا) فرصت کی تمنا میں (ب)

جس طرح کوئی پتا (ج)
بہتا ہوا دریا میں (ب)
ساحل کے قریب آکر (د)
چاہے کہ ٹھہر جاؤں (ہ)
نظارہ ذرا کرلوں (و)

اس عکس شجر کا (ز) جو دامن دریا پر (ح) زیبائش دریا ہے (ا)

حفیظ، احسان، دانش، عظمت اللہ اور افسر کی نظموں کے پیچھے بہت سے عوامل کام کر رہے تھے ایک طرف تو مغربی ادب کے نئے رجحانات تھے جو ہلکی پھلکی دلاویز اور رومانی نظموں کی سمت رہبری کررہے تھے تو دوسری طرف ٹیگور کی شعری تخلیقات تھیں جو اپنے دامن میں ماورائیت کی پرچھائیاں، زندگی کی تڑپ اور مناظر قدرت کی دلکشی کو سمیٹے ہوئے تھیں۔ حفیظ کی نظم «چاند کی سیر» کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

عطر بیز لالہ زار نغمہ ریز جوئے بار
حشر خیز آبشار
کیف موج بیقرار چاندنی میں کوہسار
تھا بہار در بہار
میں یہ کارِ کردگار
دیکھتا چلا گیا

یا افسر کی نظم «شب تاریک» کا ایک سماں دیکھئے:

کیا چیز ہے تو اے شب تاریک سکوں ریز
دنیائے خموشاں
محویت پنہاں
ہو حد سے سوا ضبط تو ہوتا ہے جنوں ریز

پریم پجاری، اختر انصاری اور روش صدیقی نے نظم کے اسالیب کو نئی وسعتوں، نئے پیکر اور نئے مزاج سے آشنا کیا اور وہ نغمے بکھیرنے شروع کئے جن کی تان نظم معریٰ پر ٹوٹتی تھی۔ ساغر کی نظم «تاج شب ماہ میں» کے یہ شعر ملاحظے کے قابل ہیں:

یہ نقش منور
منوّر مظہر
مرصع شجر
محبت کے پیکر
جمیل اور رعنا خموش اور گویا سہیل و ثریا
شاعوں کی جھرمٹ میں جلوہ نما ہے

زندگی کے بدلتے ہوئے انداز کے ساتھ جہان ادب کے موضوعات متاثر ہوتے ہیں ہیئت کے اصولوں میں بھی تغیر کے آثار ابھرنے لگتے ہیں. ہیئت اور مواد کے تعلق کو اس طرح سمجھایا جاسکتا ہے کہ ساری زندگی کے مطالبات اور تاریخی ارتقاء کے تقاضے ادب میں نئے عنوان، نئی علامتیں اور نئے اشعار پیدا کرتے ہیں اور شاعر کا فنی شعور سماج کے وجدان اور ذوق کی مناسبت سے مواد کے لئے ہیئت کے نئے سانچے فراہم کرتا ہے. ہمارے ادب میں ہیئت کی سب سے اہم تبدیلی سنہ ۱۹۳۰ع کے قریب رونما ہوئی جب ن. م. راشد، میراجی، فیض احمد فیض، یوسف ظفر، قیوم نظر، علی جواد زیدی اور عبدالمجید بھٹی نے اُردو میں پہلی بار آزاد نظم نگاری کی کوششیں شروع کیں.

جہاں تک آزاد نظموں کی ٹکنیک کا تعلق ہے عروض کے فطری ارتقاء کو ظاهر کرتی ہیں. آزاد نظم میں کسی ایک بحر کا انتخاب کیا جاتا ہے اور شاعر اپنے شعری ذوق اور ضروریات کے پیش نظر اس بحر کے مروجه ارکان اسطرح گھٹا بڑھا لیتا ہے کہ بحر کے مجموعی آہنگ اور ترنم کو ٹھیس نہ لگنے پائے آزاد نظم ردیف اور قافیہ کی پابند نہیں ہوتی اس لئیے اس میں ردیف و قافیہ سے جو ترنم اور موسیقی پیدا ہوتی ہے اُسکی کمی کو پورا کرنے کیلئے شاعر کو داخلی ترنم یعنی الفاظ اور تراکیب کے جھنکار اور آہنگ (Cadence) کو پرکھ لینا ضروری ہوتا ہے سردار جعفری کی نظم «اودھ کی خاک حسین» کا آخری حصه مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے :-

اودھ کی خاک حسین کے ذرو
جو سینکڑوں میل دور سے اڑ کے میرے خوابوں میں آگئے ہو
میرے وطن کی زمین سے میرا سلام کہنا
اُسے بتانا
که میرے ہونٹوں پر سنگ و آہن کی سرد مہرین لگی ہوئی ہیں
وہ کالا قانون ایک دیوار بن کے رستے میں آگیا ہے
جسے اہنسا کا نام لیکر پجاریوں نے کھڑا کیا ہے
مگر یہ دیوار روک سکتی نہیں ہے مجھ کو
اُبلتے جوالا مکھی کو کون دبا سکتا ہے ؟

میں آج مجبور ہوں تو کیا ہے
وطن سے کچھ دور ہوں تو کیا ہے
مگر میں اس کے مجاہدوں کی صفوں سے باہر نہیں گیا ہوں

نظم میں قافیہ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ وزن کی تکمیل کا احساس دلائے اور دوسرے اشعار کے ساتھ صوری ربط قایم رکھے ۔ آزاد نظم میں یہ فرض اسکے ہر مصرع پر عاید ہوتا ہے یعنی نظم کی ابتداء میں جو نغمہ چھیڑا گیا ہے اسکی لے کہیں ٹوٹنے نہ پائے ، ن . م. راشد « ماوراء » کے دیباچے میں قافیے کے متعلق لکھتے ہیں :-

« قافیہ شعر کا ضروری جزو نہیں بلکہ اتفاقی اور ضمنی عنصر ہے جس شاعر کو قدرت نے آہنگ اور توازن کی حس عطا کی ہے اسے قافیے کے سامنے دریوزہ گری کرنے کی ضرورت نہیں »

نظم میں قافیہ کی اہمیت اور اس کے استعمال کو حالی نے سب سے پہلے ایک نئے زوائیے سے دیکھنے اور سوچنے کی کوشش کی تھی « مقدمہ شعر و شاعری » میں اچھے شعر کی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے بتایا تھا کہ شعر کے لئے قافیہ اور ردیف سے زیادہ وزن غنائیت اور ترنم کی ضرورت ہے ۔ کم و بیش یہی بات ڈاکٹر عبد الرحمٰن بجنوری نے بھی کہی تھی « بہت سے شعراء جن میں استاد شامل ہیں عروض کو شعر کی تکمیل کیلئے کافی خیال کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ عروض کا مدعا اس موسیقی کی طرف سامعہ کو رہنما کرنا ہے جو قالبِ شعر کو اپنے دخل سے زندہ رکھتی ہے ۔ اگر شعر از روئے مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن درست ہو لیکن آہنگ تشنہ رہ جائے تو خام ہے ایسا شعر مثل ایک آئینہ کے ہے جو گلخن سے سالم اور درست، باھر آئے لیکن صیقل سے محروم رہے »

آزاد نظموں میں کہیں کہیں قافیہ بھی نظر آتا ہے اگر ان سے تخیل کے اظہار میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی اور وہ جذبات کے بہاؤ کی بھرپور ترجمانی کرسکتے ہیں تو آزاد نظم نگار ان کو استعمال کرنے سے نہین چوکتے ۔ « پتھر کی دیوار » میں « فریب » کے چند شعر یہ ہیں :

اپنی صد سالہ تمناؤں کا حاصل ہے یہی
موج پایاب کا ساحل ہے یہی

تم نے فردوس کے بدلے میں جہنم لیکر
کھدیا ہم سے گلستان میں بہار آئی ہے
چند سکوں کے عوض چند ملوں کی خاطر
تم نے ناموس شہیدان وطن بیچ دیا
باغباں بن کے اٹھے اور چمن بیچ دیا

آزاد نظم نگاری بہت سی منزلوں سے گذرتی ہوئی ہم تک پنہچی ہے ۱۹۱۳ ع کے قریب انگلستان اور امریکہ کے بعض شعراء نے آزادی فکر، حقیقت پسندی اور سادہ نگاری کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے آزاد نظمیں لکھنی شروع کیں ان میں ٹی. ایس. ایلیٹ، ازراپاونڈ، جے. جی. فیلچر، رچرڈ بلڈنگٹن، ٹی. ایس. فلنٹ وغیرہ شامل تھے. یورپ کی آزاد نظم نگاری بڑی حد تک فرانس کے رمز نگار شاعروں سے متاثر نظر آتی ہے جن میں باڈیلر (Baudelaire) لیفارج، ورلین اور رمباؤ کے نام سر فہرست دکھائی دیتے ہیں. وقت کی تبدیلیوں کے ساتھ نظم معریٰ کی ساخت نیا روپ اختیار کرتی گئی انگریزی ادب میں مس ایدتھ سٹویل (Miss Edith Sitwell) گمنگس (Gamings) میریانے مور (Marianemoore) نے اس قسم کی نظموں میں بہت سے تصرفات کیئے ہیں. اُردو میں ن. م. راشد، میراجی، فیض احمد فیض، سردار جعفری، اختر الایمان، نیاز حیدر، جاں نثار اختر، مخدوم محی الدین اور ظہیر کاشمیری کی نظمیں آزاد شاعری کے عمدہ تجربے ہیں.

ن. م. راشد آزاد نظم نگاری کے نمائندہ شاعر ہونیکے باوجود ان کی نظموں میں زندہ اور صحت مند عناصر کی کمی ہے. «خود کشی» «انتقام» «افینی» «شرابی» «انسان» اور «رقص» میں ایک شکست خوردہ ذہن اور زندگی کی کشمکش سے روٹھا ہوا دل نظر آتا ہے.

ایک بار اور محبت کرلوں
سعی ناکام سہی
اور اک زہر بھرا جام سہی
میری اور میری تمناؤں کا انجام سہی
ایک سودا ہی سہی آرزوے خام سہی
ایک بار اور محبت کرلوں

میراجی کی عریاں نگاری بھی آزاد نظم کو زندگی اور سماجی حقیقت کے رنگوں سے سنوار نہ سکی «ابوالہول»، «کلرک کا نغمۂ محبت»، «اونچا مکان» «ترغیب»، «محرومی» اور «سرسراہٹ» میں میراجی لاشعور کی بھول بھلیوں میں کھو سے گئے ہیں. ن ـ م ـ راشد اور میرا جی کی نظموں پر ازراپاونڈ اور جیمس جوائیس کی شعری تخلیقات کی طرح اشاریت کا دھندلکا چھایا رہتا ہے آزاد نظم نگاری کو جن شعراء نے صوری اور معنوی حیثیتوں سے سنوارا ہےان میں مخدوم محی الدین سردار جعفری، فیض احمد فیض اور اختر الایمان وغیرہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں.

مخدوم محی‌الدین کی نظمیں ان کے رچے ہوئے فنی شعور کی ترجمانی کرتی ہیں. ان میں سیاسی اور تمدنی زندگی کے نئے امکانات اور روحِ عصر کی جوان سال امنگوں کی جھلک نظر آتی ہے. مخدوم کے ذہن میں مستقبل کی ایک درخشاں تصویر ہے تاریکی کے بعد طلوع ہونے والی ایک حسین سحر کا انتظار ہے.

رات کے ماتھے پر آزردہ ستاروں کا ہجوم
صرف خورشید درخشاں کے نکلنے تک ہے
رات کے پاس اندھیرے کے سوا کچھ بھی نہیں

ایک بہتر ہیئت اجتماعی تک پہنچنے کی کوشش میں انسانی جذبات و احساسات نے جو تازیانے کھائے ہیں ان کی یاد مخدوم کے ذہن میں بیدار دکھائی دیتی ہے مخدوم کی آزاد نظموں میں خیال کا تعارف اسکے ارتقاء اور تکمیل کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ ہر بند ایک بھرپور تصور کی تفسیر ہوتا ہے. اور ساتھ ہی ساتھ نظم کے غنائی تاثرات اور مجموعی آہنگ کہیں مجروح نہیں ہونے پاتے:-

شاہراہوں میں گلی کوچوں میں انسانوں کی بھیڑ
ان کے مصروف قدم
ان کے ماتھے پر تردّد کے نقوش
ان کی نظروں میں غمِ دوش اور اندیشۂ فردا کی جھلک
سینکڑوں لاکھوں عوام
سینکڑوں لاکھوں قدم
سینکڑوں لاکھوں دھڑکتے ہوئے انسانوں کے دل
جبرشاہی سے غمیں جورِ سیاست سے نڈھال

جانے کس موڑ پر یہ دھن سے دھمکا بن جائیں

علی سردار جعفری کی آزاد شاعری میں انقلابی عناصر کی گرمی اور ولولہ ہے. ان کی نظموں میں زندگی کے تاریک عناصر سے برسرپیکار رہنے انہیں بکھیر دینے اور ان پر فتح حاصل کرنیکی تمنا مچلتی رہتی ہے . « نئی دنیا کو سلام » « موت » « خواب » « فریب » « آنسوؤں کے چراغ » « تلنگانہ » « سیلاب چین » « پتھر کی دیوار » « ارمان سے انقلاب تک » اور « ایشیاء جاگ اٹھا » میں زندگی کی تلخیوں کو روند دینے کا حوصلہ حیات کو ایک نئے سانچے میں ڈھالنے کا عزم اور ایک نئے اُفق کی تلاش صاف نظر آتی ہے . ذیل کا اِقتباس ان خصوصیات کی اچھی نمایندگی کرتا ہے

شریف ماؤں غیور بہنوں
تمہارے بھائی تمہارے بیٹے
تمہاری فریاد سن رہے ہیں
ملوں سے کھیتوں سے اور کانوں سے تم کو آواز دے رہے ہیں
وہ دیکھو اُن کے جوان سینوں میں عدل و انصاف کی جوالا بھڑک رہی ہے
نگہ میں بجلی چمک رہی ہے
اندھیری شب میں شفق کی سنہری مینا جھلک رہی ہے
وہ اپنے سینے کا سوز لائیں
میں اپنے نغموں کی آگ لاؤں
تم اپنے آہوں کی مشعلوں کو جلا کے نکلو
ہم اپنے روحوں کی تابناکی سے اس اندھیرے کو پھونک دیں گے
کہ جس کے منحوس دامنوں میں گناہ پروان چڑھ رہے ہیں

فیض احمد فیض کی آزاد نظمیں ان کے آدرش کی آئینہ دار ہیں اور اس آدرش تک پہنچنے کے لئے جن اُلجھے ہوئے راستوں سے زندگی کا کارواں گذر رہا ہے فیض اُس کی تلخیوں کو پوری شدت کے ساتھ محسوس کرتے ہیں ان کی نظموں میں حالات کی گرانباری کا پرتو ہے ، « موجِ خون » کے « سر سے گذر » جانے کا احساس ھے لیکن ارادوں کی پسپائی نہیں :

متاعِ لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے
کہ خونِ دل میں ڈبو لی ہیں اُنگلیاں میں نے

لبوں پر مہر لگی ہے تو کیا کہ رکھدی ہے
ہر ایک حلقۂ زنجیر پر زباں میں نے

اندھیرے اور اُجالے کی کشمکش، انسانی دکھ درد اور محرومیوں کا شکوہ تاریک عناصر سے نفرت اور ایک روشن مستقبل کی آرزو، انقلابی نظموں کے لئے کوئی نیا موضوع نہیں لیکن فیض کی نظموں میں یہی موضوعات «نئے عزم» نئی تڑپ اور نئی توانائیوں کے ساتھ اُبھرتے ہیں۔

الم نصیبوں جگر فگاروں کی صبح افلاک پر نہیں ہے
جہاں پہ ہم تم کھڑے ہیں دونوں
سحر کا روشن اُفق یہی ہے
یہیں پہ غم کے شرار کھِل کر
شفق کا گلزار بن گئے ہیں
یہیں پر قاتل دکھوں کے تیشے
قطار اندر قطار کرنوں
کے آتشیں ہار بن گئے ہیں
یہ غم جو اس رات نے دیا ہے
یہ غم سحر کا یقیں بنا ہے
یقین جو غم سے کریم تر ہے
سحر جو شب سے عظیم تر ہے

آزاد نظم نگاری میں تجربات کا سلسلہ اب بھی جاری ہے اور یہ صنف ہمارے نوجوان شعراء میں کافی مقبول ہوتی جارہی ہے۔ معلوم نہیں اس چاندنی میں کتنے نئے ماہتاب سمٹ آئیں گے۔

* قاضی عبد الودود

کلیات سودا کا خطی نسخہ

کلیات سودا کے بکثرت نسخے میری نظر سے گذرے ہیں، سطور ذیل میں ان میں سے ایک کا تعارف کرایا جاتا ہے، یہ ابھی حال میں کتب خانہ خدا بخش میں آیا ہے اس کے خاتمہ کی عبارت یہ ہے :-

تمام شد کلیات دیوان (کذا) . . . . . . سودا بخط خام نعمت خان در قصبۂ ٹکاری[1] حسب الفرمایش (کذا) بابو صاحب عالی قدر . . . . . . بابو دلیپ سنگھ . . خلف . . لالہ صاحب رام . . برادر [illegible] راے صاحب خداوند راے پرتھی سنگھ صاحب دیوان مختار ٹکاری،

کلیات کا آغاز ایک غزل سے ہوتا ہے جس کا مصرع اوّل یہ ہے، مقدور نہیں اس کی تجلی کے بیان کا ۔ اس نسخے (= ن) میں کلیات مطبوعہ مرتبہ آسی (= مط) کی ایک غزل میں شعر ذیل زائد ہے :-

سونپا ہے کیا جنوں نے گریباں کو میرے لیتا ہے اب حساب جو یہ تار تار کا

ایک دوسری غزل میں ذیل کا شعر «ن» میں ہے جو «مط» سے غیر حاضر ہے مگر یہ غالباً سودا کا نہیں :-

جو کہ ظالم ہے وہ ہرگز پھولتا پھلتا نہیں
سبز ہوتے کھیت دیکھا ہے کبھو شمشیر کا

«مط» میں ایک زمیں کے صرف دو شعر ہیں، تیسرا «ن» میں ہے :-

اس مکھڑے کے حضور کسے بھاوے آفتاب
یہ دل لگو[2] نہیں گرمی کہاں پاوے آفتاب

اشعار ذیل جن زمینوں میں ہیں، «مط» میں ان زمینوں کا ایک شعر بھی نہیں :-

---

* قاضی عبد الودود، بیرسٹر پٹنہ

(۱) ٹکاری ضلع گیا، صوبۂ بہار میں ہے۔ یہ نسخہ اواسط سنۂ سیز دہم کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

(۲) یہ لفظ «ن» میں «دل لگو نہیں» تصحیح ایک دوسری علمی نسخے سے ہوئی ہے۔

کرتا ہوں تیرے ظلم سے ہر بار الغیاث
یکبار تیرے دل میں نہیں کار الغیاث

تیری نگاہ کو دیکھ کے گردش میں آسماں
کرتا پھرے ہے شعبدہ دور[1] الغیاث

مغرور حسن کا ہے تجھے یہ کہاں خبر
یعنی کہ کون ہے پس دیوار الغیاث

سودا میں کہتا ہوں کہ یہ پرہیز عشق سے
رسوا ہے کیوں تو کوچہ و بازار الغیاث[2]

[3]خط کے آنے پر بھی وہ ملتا نہیں ہے سینہ صاف
گرد سے ھوتا ہے کب یا رب ہر اک آئینہ صاف

خوش کوئی ناداں ہوا دوراں سے تو کیا گو کہ ہو
غم سے دل طفل دبستاں کا شب آدینہ صاف

چشم کم سے تیرہ بختوں کی نہ دیکھ افتادگی
سایہ چڑھ جاتا ہے تا بام فلک بے زینہ صاف

جمع زر کرنے سے اپنی سر بلندی تو نہ چاہ
لیگیا قارون کو تا تحت الثریٰ گنجینہ صاف

عکس خوب و زشت جوں یکساں ہے آینے کے بیچ
دوست و دشمن سے ہے یوں اپنا دل بے کینہ صاف

گو کیا ہم آپ کو دنیا کے الجھیڑے سے پاک
گالجھڑی جو یار کے دل میں ہے وہ نہ کی نہ صاف

شیخ کی داڑھی کو سودا رند تو کہتے ہیں پشم
مجھ کو ان کے منھ پر آتا ہے نظر پشمینہ صاف

اس کاروان[4] میں یار ہے گویا کہ درد دل
فریاد ھر جرس ہے کہ جوں آہ سرد دل

کرتی ہے قطع مزرع اُمید تیغ یاس
اے بوف ہے فلک تجھے کچھ بھی ہے درد دل

(۱) کذا۔ (۲) یہ غزل سودا کی نہیں معلوم ہوتی۔ (۳) سودا کی غزل ہوسکتی ہے مگر یاد نہین کسی اور قلمی نسخے میں ہے یا نہیں۔ (۴) یہ اشعار ایک دوسری خطی نسخے میں بھی ہیں

ہوئیں پشت لب پہ جب سے سوار مونچھیں[۱]
کلے سے نیزہ بازی کرتی ہیں یار مونچھیں
جوں کرک سبز واری کی ناک پچ[۲] پر ہو
عفت[۳] پہ کر رہی ہیں ایسی بہار مونچھیں
زیاد اس سے تم بڑھا کر اب قہر کیا کروگے
جھینگر کی شکل ہیں تو کاندھوں کی بار مونچھیں
جتنا[۴] کوئی اکھاڑے اکھڑے نہ پشم اُنکی
حق نے تمہیں دیے[۵] ہیں کیا استوار مونچھیں
کلا[۶] تھا تونبا قدھے تمام ڈنڈی
کھوڑچ[۷] ہے ناک منھ پر اور ہینگی تار مونچھیں
بائیں سپید رکھو اور داھنے سیہ تم
ہینگی عجب طرح کی لیل و نہار مونچھیں

[۸]ظاہر میں دیکھنے کا کچھ اسباب ہی نہیں
آوے مگر وہ خواب ہی نہیں
سجدہ کروں نہ کیونکے تری تیغ کے تلے
ایسی نماز عشق کو محراب ھی نہیں

[۹]مجھ کو نہیں ہے دل میں ترے راہ کیا کروں
پر بے اثر ہے عشق مرا آہ کیا کروں
سنکر ہزار طرح مرا حال یوں کہا
تو تو کسی طرح نہیں دلخواہ کیا کروں

«ن» کی فرد ذیل «مط» میں نہیں :-

جب تک ہے جہاں میں گل و گلزار سلامت
یارب وہ رہے گوشۂ دستار سلامت

«ن» کی یہ دو رباعیاں «مط» سے غیر حاضر ہیں، دوسری سودا کی نہیں بیان کی ہے :-

اے دوست پے دفع عدو میجوشی　　وز غصہ شب و روز تو خون مینوشی

---

(۱) «ن» میں ہر جگہ موچھیں۔ یہ غزل اور کہیں میری نظر سے نہیں گذری۔　(۲ تا ۷) کذا
(۸) یہ اشعار اور نسخوں میں ہیں۔　(۹) غالباً یہ بھی اور نسخوں میں ہیں

تاکشتن نفس خویش ممکن باشد حیف است که بر کشتن دشمن کوشی

اب تجھ سے کہوں جو کچھ ہے دل میں میرے
سب تجھ سے کہوں جو کچھ ہے دل میں میرے
پہلے کہہ لو کہ میں نہ مانونگا برا
تب تجھ سے کہوں جو کچھ ہے دل میں میرے

ذیل کی پہیلی « مط » سے خارج ہے :-

ایک پرکھ کے انچھر تین ٭ تین میں چار اوکن پر ہین
اوہ اچھر بن من موہ ڈالے ٭ مدھ اچھر بن بن جی کو پالے
انت اچھر بن دیوے دکھ ٭ سب اچھر سدوں کو سکھ

پہیلی ایک نار کے انچھر چار الخ کے اشعار ذیل جو آخر میں ہیں «مط» میں نہیں ہیں :-

جس کو ہو کچھ ست اور سوجھ ٭ اس پنچھی کو لے وہ بوجھ
اور اس یار حسن نے ذکر ٭ کیا تو بولا بعد از فکر
کرتا نہیں ہے کام قیاس ٭ ہو ویگی کچھ پیار بناس

« ن » میں قطعہ « الٰہی ذات سے تیری جہاں میں رہے تاحشر ملک ہند آباد الخ » کے بعد ایک قطعہ بعنواں « در مبارک باد صحت ۱۱۸۸ ھ » ہے « جہاں میں آب ہوا کی موافقت تجھ کو » اس سنہ کا تعلق قطعۂ اول سے ہے اس کے مصرع آخر میں '' ھے یہ فتح نو خداداد ،، سے تاریخ نکالی ہے۔

« مط » اور « ن » دونوں میں ایک مخمس ہے ، جس کا مصرع اوّل یہ ہے :-

« خسروا تجھ سا کوئی دوراں بہم پہنچائے تو »

« مط » کے مطابق یہ عالمگیر ثانی کی مدح میں ہے ، « ن » میں اس کا عنوان یہ ہے ، « مخمس در مدح ، بلند اختر برادر محمد شاہ بادشاہ مشہور بہ اچھے صاحب » اس مخمس میں ایک مصرع یہ بھی ہے -

« دیکھ تجھ شاہ بلند اختر کو بولے نیک و بد »

غالباً یہ نظم عالمگیر ثانی ھی سے تعلق رکھتی ہے ، «دیکھ تجھ الخ» میں لفظ « بلند اختر» غلط فہمی کا باعث ہوا ہے۔

« ن » میں کچھ ایسا کلام بھی ہے جو « مط » میں نہیں ، لیکن اس مطبوعہ

نسخے میں ہے جس پر یہ مبنی ہے : مخمس ، « یا رب تو میری سن لے یہ کہتا ہے سکندر الخ » ایضاً « ندرت ہے ایک بھڑوا کا شو ہے ایک پدنا الخ » قصیدہ « ساجدا کیوں نہ تو پرواز کرے زیر فلک الخ » مثنوی « واسطے طفل کے جو بہتر ہے الخ » ہجویہ نظمیں جو « مط » میں نا مکمل ہیں « ن » میں مکمل ہیں . سودا نے شیدا کی طرف سے جو مثنوی کہی ہے اور یہ ہجویہ مخمس جو بعض اصحاب غلطی سے ضاحک کی طرف منسوب کرتے ہیں « آنی کہ طرز فتنہ تو ایجاد کردۂ الخ » قصیدہ « ہے سخن سنج ایک جوان متین الخ » میں « لے ہدایت سے تا کلیم و یقیں » ہے لے . . . . کلیم و حزیں » نہیں .

« مط » کی مثنوی « مرا دل نام پر اس کے ہے شیدا الخ » « ن » میں ہے ، لیکن ، « ن » میں اشعار ایسے ہیں جو « مط » سے غیر حاضر ہیں :- « مط » کے شعر ۸ « اسی کا جلوہ الخ » کے بعد :

کسوجا خلوت مریم کی ہو شمع ، کسوجا برسر تہمت ہو وہ جمع

« مط » کے شعر ۱۰۲ « وہ بارہ ہیں الخ » کے بعد :

کروں ایسے ہوں جب حامی محشر بیاد ساقی کوثر سخن سر

« مط » کے شعر ۴۳۵ « ہوا تفتیش الخ » کے بعد :

دیا (کذا) تحقیق آخر شیشہ گر نے کہ دل اسکا لیا زر گر پسر نے

« مط » کے شعر ۴۳۹ « تجھے بھی کہیں الفت الخ » کے بعد یہ ۱۷ شعر :

محبت کا کھلا ہے آخرش باغ ہوا گل سے جگر لالے کا یوں داغ
کہ جیسے آگ لگ کر اک شرر سے جلے ہے دوسرا گھر ایک گھر سے
نہ حاصل عشق کی دولت ہو بے رنج کہ ہے مارسیہ کے سامنے گنج
جب اس نے یہ بلا سر اپنے پر لی دلِ زر گر پسر میں تب جگہ لی
کرشمہ تھا یہ الفت کے اثر کا کہ دل پگھلا دیا زر گر پسر کا
گداز ایسا ہوا دل کہا تب و تاب کٹھالی میں طلا جیسے کہ ہو آب
نہ دن کو چین اُسے نہ شب کو آرام نہ تھا جز نالہ و فریاد کچھ کام
اسی حالت میں اک دن یہ گیا سو بہ خواب آیا نظر وہ آئینہ رو
کہ یوں کہتا ہے وہ اس سے بصد درد دل گرم اپنے سے بھر کر دم سرد
محبت کا مری تجھ میں اثر ہے تجھے کچھ حال سے میرے خبر ہے

سخن میرا (یہ)شکوے سے نہیں ہے | کہ دور اس امر سے شکوہ کہیں ہے
کرے گو شمع داغ اس کا سراپا | پتنگے کو شکایت سے نہیں جا
جو لہ سے ہے جگر ٹکڑے کتاں کا | اسے شکوہ نہیں اپنے زیاں کا
ہوا ہے یہ گلستان جب سے ایجاد | ترانہ گل کو ہے بلبل کی فریاد
وهی اے دوست میرا مدعا ہو | میرے حق میں جو کچھ تیری رضا ہو
میری زنجیر پا میں جو کڑی ہے | محبت تیری هی میں یہ گھڑی ہے
مجھے خاک آپ کو باد سحر جان | جدھر تو چاھے مجھکو پیشتر جان

اس مثنوی کے اشعار ذیل جو « مط » میں ہیں « ن » میں نہیں :

کیا اژدر کو ان نے چیر کر دو | کہیں ہیں حیدر کرار جس کو ۸۶
اتھا کر جلد رکھ کاندھے پہ طنبور | صدا اپنی سے دے‌تین ان کو سیندور ۱۱۴
تجھے جھوٹی قسم اپنے کی سو گند | وکر نے دمبدم اپنے کی سو گند ۱۶۴
تجھے هی اپنی بدمستی کی سو گند | تجھے اپنی زبردستی کی سو گند ۱۶۵
تجھے ان ساری قسموں کی قسم ہے | پہنچ جلدی کر فرصت کوئی دم ہے ۱۷۳
بلا شک اس کا جنت میں ہو ماوا | اٹھاوے جو انھوں کا آفتابہ ۲۰۴
غرض کیا کہیے ان کی ذات عالی | نہ رہتی تھی کراماتوں سے خالی ۲۰۵
جہاں وہ گاڑ دیتے اپنی مسواک | لگے تھے ناسپاتی سیب اور تاک ۲۰۶

« مط » و « ن » میں ترتیب اشعار میں کسی قدر اختلاف ہے : ۱ تا ۸ شعر زائد ۹ ، ۱۳ ، ۱۱ ، ۱۲ ، ۱۴ تا ۳۲ ، ۳۴ ، ۳۳ ، ۳۵ تا ۵۷ ، ۵۹، ۵۸ ، ۶۰ ، تا ۷۶ ، ۷۸ ، ۷۷ ، ۸۰ تا ۸۱ ، ۸۵ تا ۸۶ ندارد ، ۸۷ تا ۱۰۲ ، شعر زائد ، ۱۰۳ ۱۱۳ ، ۱۱۴ ندارد ۱۱۵ تا ۱۶۲ ، ۱۶۶ ، ۱۶۳ ، ۱۶۴ و ۱۶۵ ندارد ۱۶۷ تا ۱۷۲ ، ۱۷۳ ندارد ۱۷۳ تا ۱۸۳ ، ۱۸۴ تا ۱۸۶ ندارد ۱۸۷ تا ۴۳۵ شعر زائد ، ۴۳۶ تا ۴۳۹ ، هفتده اشعار زائد ۴۴۰ تا آخر.

اهم اختلاف متن یہ ہے کہ « مط » کے مصرع ” خصوصاً خان عالم خاں بہادر “ میں ” خاں عالم “ کی جگہ ” جان عالم ہے “ .

اضافه : شجاع‌الدوله اور حافظ رحمت خاں کی جنگ کا ذکر جس قصه میں ہے ، اس میں ” حافظ یہ چاہے الخ “ ک بعد شعر ذیل « ن » میں ہے ، جو « مط » میں نہیں ہے .

کہتے تھے اس کو حافظ زر دوست خلق میں
رکھتا تھا نا دھندی میں ایسا وہ اشتہار

«ن» میں قصیدہ «کروں چمن میں اگر جاکے میں غزلخوانی الخ» کا عنوان «ھجو حاجی» ہے مثنوی «یارو خدا ایک ہے دوسرے بر حق نبی الخ» کا عنوان «ن» میں «ھجو فدوی دکنی» ہے سیف الدولہ کی مدح کے قصیدے «ہے سخن سنج اک جواں متین الخ» میں «لے ھدایت سے تا کلیم و یقین» ہے، «مط» میں «یقین» کی جگہ حزیں ہے۔

تبصرے

حالی بحیثیت شاعر

از ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی ایم ، اے ، پی ایچ ، ڈی

صفحات : ٣٩٢ قیمت : چھ روپئے

پتہ : ادارہ فروغ اُردو ، لکھنؤ

غالب کے شاگردوں اور سر سید کے رفقاء میں شاید حالی ہی کی وہ خوش نصیب شخصیت ہے جس کی طرف مختلف حیثیتوں سے توجہ کی گئی ہے اور متعدد لوگوں نے ان کی زندگی اور کارناموں پر مختلف زاویوں سے مختصر اور مفصل طور پر روشنی ڈالی ہے ۔ حالی صرف ایک شاعر ہی نہ تھے بلکہ ایک سوانح نگار ، ایک ماہر اخلاق ، ایک تعلیم دوست ، ایک مقالہ نویس ، ایک نقاد اور ایک مصلح بھی تھے ، لیکن سب سے بڑھ کر جو چیز ان کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہے وہ ان کا خلوص، ان کی انسان دوستی ، بلند اخلاق اور ہمدردانہ نقطۂ نگاہ ہے ۔ ان کی شاعری بڑی حد تک انہیں بلند جذبات کی عکاسی کرتی ہے ۔

حالی کا عہد ہر قسم کے انقلابات کا زمانہ تھا ۔ ملک میں ہر حیثیت سے تخریب کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی اور ادب بھی اس سے بچ نہ سکا تھا ۔ حالی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اس تاریکی کو دور کرنے کے لئے ان سے جو کچھ ہوا کیا ۔ زیر تنقید کتاب در اصل حالی کی ان خدمات کا بڑا اچھا ، بڑا متوازن اور بڑا فکرزا جائزہ ہے ۔ کتاب حرف آغاز اور حرف آخر کے علاوہ چھ ابواب پر اس طرح منقسم ہے : باب اول ، حالات حالی ۔ باب دوم ، عہد حالی اور اس کا پس منظر ۔ باب سوم ، حالی کا نظریۂ شعر و شاعری ۔ باب چہارم ، حالی کی شاعری ۔ باب پنجم ، حالی کی مخالفت ، باب ششم ، حالی بحیثیت شاعر ۔ ہر باب اپنے مواد کی حیثیت سے بڑی حد تک مکمل ہی نہیں ہے بلکہ جس طریقے سے ہر موضوع پر نظر ڈالی گئی ہے وہ اس قابل ہے کہ دوسرے لوگ اس کو پیش نظر

رکھیں۔ حالی پر عموماً اور ان کی حیات و شاعری پر اس وقت تک اس سے زیادہ جامع کتاب شائع نہیں ہوئی ہے۔ لائق مصنف سے ہماری درخواست ھے کہ جس طرح انھوں نے حالی بحیثیت شاعر کے موضوع پر داد تحقیق و تنقید دی ہے اسی طرح وہ حالی بحیثیت نثر نگار کے موضوع پر بھی متوجہ ہوں تاکہ حالی کے ادبی، علمی، تعلیمی، سیاسی، سماجی، تہذیبی اور اصلاحی کارنامے لوگوں کے سامنے آجائیں اور لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ حالی نثر میں بھی کسی سے بڑھ کر نہیں تو کسی سے کم بھی نہیں ہیں۔ ہم مصنف کو اس "خاصہ کی چیز" کے لئے مبارکباد دیتے ہیں اور ہر ادبی صاحب فکر سے سفارش کریں گے کہ وہ اس کا ضرور مطالعہ کرے۔

ریاست میسور میں اُردو

جلد اول (حصہ اول و دوم)
مرتبہ ڈاکٹر آمنہ خاتون اور جناب محمد خان صاحب

قیمت: دس روپئے

پتہ: ڈاکٹر آمنہ خاتون ۴۵۲۳ «امین» سیواجی روڈ مہاراج محلہ میسور

میسور کی ریاست میں تقریباً دو سو برسوں سے اردو زبان کے علاوہ اس کے ادب کا بھی چرچا رہا ہے اور وہاں کے شاعروں، نثر نگاروں اور اخبار نویسوں نے اردو ادب و زبان کی ترقی و توسیع میں قابل ذکر حصہ لیا ہے۔ اب سے کچھ برس پہلے ایک چھوٹی سی کتاب میسور میں اردو شائع ہوئی تھی اس کے بعد دہلی یونیورسٹی سے ڈاکٹر حبیب النساء بیگم نے پی۔ ایچ ڈی۔ کے لئے اپنا مقالہ لکھا ہے، یہی وجہ ہے کہ میسور کے کالجوں، اساتذہ اور طلبہ میں اردو سے متعلق دلچسپی ہے چنانچہ مہاراجہ کالج سے مخزن نامی سالنامہ شائع ہوتا ہے۔ ڈاکٹر آمنہ خاتون نے جو میسور میں مہارانی کالج کی پروفیسر ہیں اور جن سے اردو کے تحقیقی کام کرنے والے اچھی طرح واقف ہیں، اپنے کالج کی طرف سے ایک مجلہ شائع کرنے کا ارادہ کیا، اور تقریباً پانچ سال کی مدت میں مشکلات کا ہفت خواں طے کرکے اس لائق ہوئیں کہ مہارانی کالج کا علمی و ادبی رسالہ شائع کرسکیں،

اس سلسلہ میں گذارش یہ ہے کہ یہ نہ معلوم ہوسکا کہ مجلہ کا نام کیا ہے، اس کے نیچے صرف یہ لکھا ہے کہ ریاست میسور میں اردو، یہ کسی مجلہ کا نام نہیں ہو سکتا اس رسالہ کا کوئی نام ہونا چاہئے تھا اور اگر شمارہ کو صرف میسور ہی تک محدود رکھنا تھا تو مجلہ کے نام کے نیچے میسور میں اردو نمبر لکھا جاسکتا تھا۔ مضامین کی حیثیت سے ڈاکٹر آمنہ اور خان صاحب شریک غالب ہیں۔ رسالہ دو حصوں میں تقسیم ہے۔ ایک حصہ متذکرہ بالا دو ادیبوں کے رشحات قلم کا ممنون ہے اور دوسرے حصے میں بعض طالبات کے نام سے بعض تحریریں ہیں۔ معلوم نہیں یہ حصہ کس اصول پر مرتب کیا گیا ہے اور اس میں طالبات کا کیا حصہ ہے؟ اس حصہ کی مرتبہ محمودہ خانم مکّی ہیں۔ اس حصہ کے پہلے مضمون کا عنوان ہے خانم کے بارے میں۔۔۔۔ قول، ہمارا خیال ہے کہ یہاں خانم کی جگہ عورت ہونا چاہئے، چنانچہ خود مضمون نگار نے کئی جگہ عورت ہی لکھا ہے، دوسرے اس حصہ کے مضامین کی اصلاح بھی نہیں کی گئی ہے، حصہ اول میں بعض مضامین بہت اچھے ہیں، لیکن بعض سے متعلق صرف اسقدر گذارش ہے کہ

تلخی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات، اُس نے شکایت ضرور کی

طباعت اور کاغذ بھی بہتر ہوتا تو اچھا تھا، لیکن شاید مالی مشکلات کی وجہ سے ایسا نہ ہوسکا اور بہت ممکن ہے کہ اسی وجہ سے قیمت بھی زیادہ رکھی گئی ہے۔ اردو سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ ایک اچھا مجموعہ ہے۔ ہم کو امید ہے کہ اس کا آئندہ شمارہ اس سے بہتر ہوگا۔

Literary and Cultural Activities in Gujrat under the Khaljis and the Sultunat.

از پروفیسر محمد ابراھیم دار صفحات ۶۲ قیمت: دو روپے

پتہ:- بزم اشاعت اسمعیل یوسف کالج۔جوگیشوری، بمبئی نمبر ۶۰

اسمعیل یوسف کالج کے قیام کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ اس میں اسلامی تاریخ اور ان تمام زبانوں کے جن کا بڑی حد تک اسلامیات سے تعلق ہے، مطالعہ کا سامان مہیا کیا جائے، اور کالج کے ذمہ دار حضرات نے ابتداء ھی

سے اس مقصد کے حصول کی طرف جد و جہد شروع کردی تھی، اب اس کالج کے تاریخ، فارسی اور اُردو وغیرہ کے شعبوں کے اساتذہ نے ایک مجلس بزم اشاعت کے نام سے قائم کی ہے اور مندرجہ بالا کتاب اس کے سلسلے اشاعت کی پہلی کڑی ہے۔

پروفیسر محمد ابراہیم دار مرحوم ہماری تعلیمی جماعت کے ایک ممتاز رکن ہی نہ تھے بلکہ ایک وسیع المطالعہ، لائق، سنجیدہ محقق و نقاد بھی تھے، ان کے بعض ادبی و تنقیدی مضامین جو اردو اور فارسی ادب سے متعلق ہیں شائع ہو چکے ہیں، اب بزم اشاعت نے ان کی ان تاریخی انگریزی مضامین کا یہ مجموعہ شائع کیا ہے، یہ مضامین گجرات سے عرب و اسلامی تعلقات سے لیکر سلطنت گجرات کے خاتمہ تک کے تہذیبی و ادبی حالات کا بڑا اچھا جائزہ ہیں۔ ان میں انہوں نے عربوں اور مسلمانوں کے ابتدائی تعلقات پر بڑی سیر حاصل بحث کی ہے، پھر سلاطین گجرات کی ثقافتی و ادبی تاریخ والا مقالہ اس موضوع پر ان کی وسعت نظر کا غماز ہے۔

اس عہد کے گجرات کی علمی، تہذیبی اور عام سیاسی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ معلومات بخش ذخیرہ ہے۔

اُردو غزل ولی تک

مرتبہ:۔ ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی

صفحات ۱۲۸ قیمت: تین روپے

پتہ:۔ بزم اشاعت، اسماعیل یوسف کالج، جوگیشوری بمبئی۔ نمبر ۱۶

زیر تبصرہ کتاب اس بزم کے سلسلۂ اشاعت کی تیسری کڑی ہے اس کے مرتب ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی اردو کے علمی و ادبی حلقوں میں اچھی طرح متعارف ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب ایک مفصل دیباچہ اور انتخاب کے تین دوروں پر جو حالی پر ختم ہوتے ہیں مشتمل ہے لائق مرتب نے دیباچہ میں ریختہ کی اصطلاح سے متعلق سیر حاصل فکرزا بحث کی ہے اور اس لفظ کا موسیقی سے تعلق بڑے ماہرانہ طریقے سے بیان کیا ہے۔ پھر ہر دور کے غزلیات کی خصوصیات اور ہر

دور کے مختلف شعرا کے رجحان طبیعت اور انداز بیان پر بھی روشنی ڈالی ہے. آخر میں قدیم الفاظ کی فرہنگ بھی ہے۔ جو لوگ پرانی اُردو، عہد ولی اور اس سے پہلے کی شاعری سے دلچسپی رکھتے ہیں ان کے لئے یہ کتاب یقیناً لائق مطالعہ ہے۔

آج کل (ٹیگور نمبر)

قیمت: ایک روپیہ

پتہ: پبلیکیشنز ڈیویژن، پوسٹ بکس نمبر ۲۰۱۱ دہلی.

ماھنامہ «آج کل» اپنی شکل جمیل، اپنی نفیس طباعت، اپنی دلچسپ تصاویر سے زیادہ اپنے مضامین کے لئے مشہور و مقبول ہے اس کے ساتھ ھی اسکی ایک خصوصیت یہ کہ اہم موقعوں پر وہ خاص نمبر بھی شائع کرتارہتا ہے، چنانچہ ٹیگور کی ولادت کے صد سالہ جشن کے موقع پر بھی اس نے ٹیگور نمبر شائع کیا ہے، یہ نمبر بھی آجکل کی تمام خصوصیات کا حامل ہے، اس میں ٹیگور کی زندگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے، ہندوستان کی تہذیب و ثقافت اور ٹیگور کی زندگی سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ مفید ہوگا.

کاروان ـ سینٹ زیویر کالج بمبئی

سینٹ زیویر کالج بمبئی کے شعبۂ اردو کا سالانہ رسالہ ہے، زیرنظر رسالہ میں زیادہ تر وہاں کے طلبہ کے مضامین ہیں، یہ مضامین ہم کو یہ یقین دلانے کے لئے کافی ہیں کہ ان کے لکھنے والے آگے چل کر انشاء اللہ اردو ادب کو متعمیر و توسیع کے سلسلے میں اچھی خدمت انجام دیں گے۔ (ن)

رسالۂ جامعہ،

زر سالانہ چھ روپے

پتہ: جامعہ ملیہ ملاحیہ، جامعہ نگر، دہلی

جامعہ ملیۂ اسلامیہ، دہلی نے ہر بلند معیار و اعلیٰ نصب العین کی حامل یونیورسٹی یا درس گاہ کی طرح علم و ادب کی خدمت بھی انجام دی ہے، اور دے رہی ہے.

اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی رسالۂ جامعہ ہے. جامعہ ۲۲ سال تک اردو زبان و ادب کی خدمت انجام دے کر دوسری جنگ عظیم کی گراں باریوں کا شکار ہوگیا. اس نے اردو کے علمی و ادبی رسالوں میں ایک ممتاز جگہ بنالی تھی اس لئے اس کا بند ہوجانا ادبی دنیا کے لئے ایک حادثہ تھا. خوشی کی بات یہ ہے کہ یہ رسالہ نومبر ۱۹۶۰ع سے پھر نکلنا شروع ہوگیا ہے اور یہ دیکھ کر مسرّت ہوتی ہے کہ اس نے پچھلے تمام محاسن کو برقرار رکھا ہے. کتابت و طباعت، کاغذ اسی اعلیٰ معیار کے حامل ہیں جو پہلے دور میں تھا، معنوی حیثیت سے بھی اسکا معیار باقی رکھا گیا ہے. رسالہ میں علمی و ادبی مضامین کے ساتھ ساتھ تعلیمی مضامین محض خشک قسم کے نظریاتی مضامین نہیں ہوتے بلکہ ان میں زندگی ہوتی ہے، یہ پڑھنے والے کو غور و فکر پر آمادہ کرتے ہیں. مجیب صاحب کے تین خطبے جو انھوں نے جامعہ کی چہل سالہ جوبلی کے موقع پر پڑھے تھے بڑے فکر انگیز خطبے ہیں اور توجہ سے پڑھنے کے متقاضی ہیں متنوع مضامین کے ساتھ ساتھ حالات حاضرہ کے عنوان سے تبصرہ بھی ہوتا ہے جو معلومات افزا بھی ہوتا ہے اور دلچسپ بھی، اگر ادبیات کی طرف ذرا اور توجہ کی جائے تو بہتر ہے. اُمید ہے کہ یہ رسالہ اردو نواز حلقہ میں پھر اسی قدر و منزلت کی نگاہ سے جس کا وہ مستحق ہے دیکھا جائے گا. (ع ر. ق.)

مجلس، مولوی عبد الحق نمبر

صفحات ۲۳۴ قیمت: تین روپے

پتہ: اردو مجلس، اردو ہال حمایت نگر، حیدرآباد، (آندھرا پردیش)

اردو مجلس کے پرجوش، مخلص اور با عمل بزرگوں نے اردو کی حفاظت، وسعت اور ترقی کے لئے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں. انہیں خدمات کی ایک اہم کڑی ان کا سہ ماہی رسالہ «مجلس» ہے. بابائے اُردو ڈاکٹر عبدالحق کو اردو کے ساتھ ہی ساتھ حیدرآباد سے جو وابستگی اور تعلق رہا ہے اس کی روشنی میں اردو مجلس کا یہ اقدام قابل تحسین اور مبارکباد ہے، حالانکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ ہندوستان کی طرف سے نذر عقیدت کے طور پر ایک ایسا مجموعہ پیش کیا جاتا

جس میں ہندوستان کے لکھنے والوں کے تأثرات ہوتے۔

«مجلس» کا یہ خاص نمبر بڑی حد تک اس کمی کو پورا کرتی ہے، اردو مجلس نے نہ صرف یہ کہ اس سلسلہ میں ایک جلسہ منعقد کیا بلکہ مختلف لوگوں سے جو بابائے اردو سے متاثر تھے مضامین حاصل کرکے یہ نمبر مرتب کیا ہے۔ لکھنے والوں میں بوڑھے بھی ہیں اور جوان بھی، وہ بھی ہیں جو مولانا کے ساتھ عرصہ تک رہے ہیں اور وہ بھی ہیں جن سے سرسری ملاقات رہی ہے، وہ بھی ہیں جو ادبی حیثیت سے ان سے تعلق رکھتے تھے، اور وہ بھی جو تعلیمی حیثیت سے ان کے شریک تھے غرضیکہ یہ مولانا کی دلچسپ، و دلکش شخصیت اور ان کے متنوع و مختلف کاموں کے مطالعہ کیلئے بنیادی سرمایا کا کام دے سکتا ہے۔ نظم کا حصہ بھی کافی دلچسپ ہے اور مولانا کے خطوط کے نام انشاء کے اس صنف مخصوص سے متعلق اچھے نمونے ہیں، ہم اردو مجلس کو اس خاص اشاعت پر مبارکباد دیتے ہیں کہ یہ اس کا ایک اہم کارنامہ ہے۔

مقالـــه نمـا

مرتب:

ڈاکٹر عالی جعفری

معـاونین:

سید مجاہد حسین حسینی

عبد الستار دلوی

علاؤ الدین جمنابڑے

فہرست عنوانات

۱	مذہبیات	۱
۲	تذکرہ و سیرت نگاری	۵
۳	تاریخ و سیاسیات	۸
۴	ادب، تنقید، لسانیات	۹
۵	تعلیمات	۲۸

مذهبیات

۱ اصلاحی امین احسن
تفسیر سورۂ بقر
(میثاق ۶۱ جنوری ۹-۱۶ و ۲۴)
اٹھارویں قسط درج ہے

۲ اصلاحی امین احسن
تفسیر سورۂ بقر
(میثاق ۶۱ فروری ۹-۱۸)
انیسویں قسط درج ہے

۳ اصلاحی امین احسن
تفسیر سورۂ بقر
(میثاق ۶۱ مارچ ۹-۲۰)
بیسویں قسط درج ہے

۴ اصلاحی امین احسن
سفر حج ، جدہ میں
(میثاق ۶۱ جنوری ۴۱-۴۶)
سفر حج کی روداد کا وہ حصہ ہے جس میں جدہ کے سلسلے میں پیش آئے ہوئے تجربات ، احساسات و تأثرات کا بیان ہے

۵ اصلاحی امین احسن
سفر حج جدہ سے مکہ معظمہ
(میثاق ۶۱ فروری ۴۹-۵۶ و ۴۴)
جدہ سے مکہ معظمہ تک کے سفر کے تجربات ، مشاهدات اور تأثرات کا بیان ہے

۶ اصلاحی ضیاء الدین
امام ابو داؤد اور ان کی سنن
(معارف ۶۱ جنوری ۳۸-۵۷)
(۱) مشهور عالم و محدث حضرت ابو داؤد سلیمان (۲۰۲-۲۷۵ھ) کے وطن، تعلیم اور کمالات علمی کا مختصر ذکر (باقی)

۷ اصلاحی ضیاء الدین
امام ابو داؤد اور ان کی سنن
(معارف ۶۱ فروری ۱۲۱-۱۳۸)
(۲) اس قسط میں تصانیف وغیرہ کا تعارف درج ہے

۸ اصلاحی ضیاء الدین
اجتہاد
(معارف ۶۱ مارچ ۱۸۴-۱۹۴)
اجتہاد کی نوعیت و کیفیت بیان کرتے ہوئے موجودہ زمانے میں اس کی ضرورت دکھائی ہے

۹ امام الدین ابو محمد
نظریۂ اوتار اور عقیدۂ رسالت
(زندگی رام پور ۶۱ جنوری ۳۰-۳۸)
چوتھی قسط درج ہے

۱۰ امام الدین ابو محمد
نظریۂ اوتار اور عقیدۂ رسالت

(زندگی رام پور ۶۱ فروری ۲۱۔۲۶ و ۶۴)
پانچویں قسط درج ہے

۱۱ امینی محمد تقی
لا مذہبی دور کا پس منظر
(برہان ۶۱ جنوری ۵۔۲۱)
(۱) ہمارے معاشرے کی لا مذہبیت کا تاریخی پس منظر بیان کیا ہے (باقی)

۱۲ چودھری محمد اسماعیل
مسئلہ سود۔ایک تجزیہ
(ثقافت ۶۱ جنوری ۳۷۔۴۷)
رسالہ تعمیر، راولپنڈی سے نقل شدہ اس مقالہ میں موجودہ نظام معاشیات میں سود اور نفع کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا ہے کہ اسلامی نظام معاشیات ہی بہتر ہے اور یہ کہ سود حرام ہے

۱۳ رضوی سید محبوب
زمزم
(برہان ۶۱ مارچ ۱۵۷۔۱۶۷)
زمزم کے متعلقات بیان کئے گئے ہیں

۱۴ عبد الغفار حسن
تدوین سنت
(میثاق ۶۱ جنوری ۱۷۔۲۳)
(۱) حدیث کے قلم بند کرنے کے سلسلے میں آں حضرت کی حدیث کا مفہوم اور تدوین سنت کی مختصر تاریخ پیش کی ہے

۱۵ عبد الغفار حسن
سنت کا تحریری سرمایا
(میثاق ۶۱ فروری ۱۹۔۳۲)
حدیث کے جمع و ترتیب کا ایک خاکہ پیش کیا ہے

۱۶ عبد الغفار حسن
سنت نبوی اور خلفاء راشدین
(میثاق ۶۱ مارچ ۲۱۔۳۳)
ان روایات کی تشریح کی گئی ہے جن کی بنا پر عام طور پر منکرین سنت حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو اپنا ہم نوا اور ہم مسلک قرار دیتے ہیں ضمنی طور پر بعض دوسرے مباحث بھی آ گئے ہیں

۱۷ عبد الغنی ڈاکٹر
اسلامی تحریک پر تصوف کا اثر
(ثقافت ۶۱ جنوری ۴۸۔۵۶)
اسلامی تحریک پر بیرونی تصوف کی چھاپ جہاں تہاں ضرور پڑی ہے، مگر اسلام کا اپنا تصوف ہے جو دوسری تصوف کی تحریکوں کی طرح انسان کو بیکار نہیں کر دیتا

۱۸ عثمان شمس نوید
ایک کتاب کا تعارف
(زندگی رام پور ۶۱ مارچ ۳۶۔۴۵)
ڈاکٹر میر ولی الدین کی انگریزی کتاب قرآنی تصوف کی خوبیوں اور خامیوں کی نشاندھی کی ہے

۱۹ عمری انصر جلال الدین
رسول کی ضرورت
(زندگی رام پور ۶۱ جنوری ۳۹۔۵۳)

ہمارے علم اور معلومات کا ذریعہ عقل اور وحی ہے، عقل بہت سی باتیں بتانے سے قاصر ہے یہ باتیں صاحب وحی بتاتا ہے، یوں ہمیں رسول کی ضرورت لازماً ہوتی ہے

۲۰ عمری انصر جلال الدین
اسلام کا شورائی نظام
(میثاق ۶۱ جنوری ۲۵۔۴۰)
پانچویں قسط درج ہے

۲۱ عمری انصر جلال الدین
اسلام کا شورائی نظام
(میثاق ۶۱ فروری ۳۳۔۴۴)
چھٹی قسط درج ہے۔

۲۲ عمری انصر جلال الدین
اسلام کا شورائی نظام
(میثاق ۶۱ مارچ ۳۴۔۴۷)
ساتویں قسط درج ہے۔

۲۳ غلام مرتضی حافظ
اسلامی فکر میں وحدۃ الوجود کا نظریہ
(معارف ۶۰ جنوری ۲۲۔۳۷)
اس عنوان کے ساتھ مقالہ نگار کے ایک مضمون (مارچ ۶۰ع) پر جولائی، اگست اور اکتوبر میں اعتراضات چھپے تھے جن کا بطلان اس مقالہ میں کیا گیا ہے۔

۲۴ فریدی نسیم احمد
تجلیات مجدد الف ثانی مکتوبات کے آئینے میں
(الفرقان ۶۱ جنوری ۱۴۔۲۲)
مختلف لوگوں کے نام چار خطوں کی تلخیص و ترجمہ ہے۔ ان میں دعوت، اعمال، فضائل نماز، معارف اور حقوق کا بیان ہے۔

۲۵ فریدی نسیم احمد
تجلیات مجدد الف ثانی مکتوبات کے آئینے میں
(الفرقان ۶۱ فروری ۲۱۔۲۸)
حضرت خواجہ باقی باللہ کے صاحبزادوں کے نام ایک خط میں عقائد کی تفصیل ملتی ہے۔

۲۶ فریدی نسیم احمد
تجلیات مجدد الف ثانی مکتوبات کے آئینے میں
(الفرقان ۶۱ مارچ ۹۔۲۱)
(مسلسل) خواجہ عبداللہ و خواجہ عبیداللہ صاحبزادگان حضرت باقی باللہ کے نام اس خط میں عقائد کا ذکر اور تفصیل ہے۔

۲۷ قادری سید احمد عروج
دنیا، سفر آخرت کی ایک منزل ہے
(زندگی رامپور ۶۱ فروری ۱۶۔۲۰)
انسان کے قیام دنیوی کی وضاحت کی ہے۔

۲۸ قاضی اطہر مبارکپوری
مصحف عثمانی کا ایک مطبوعہ ٹکڑا

(معارف ٦١ جنوری ٦٧-٧١)

مصحف عثمانی کا نسخہ ڈرہام یونیورسٹی میں ہے۔ اس سے قبل وہ پیٹرس برگ لائبریری میں ۱۹۰۵ ع تک تھا۔ ایک روسی عالم عبداللہ الیاس بن احمد شاہ بورغانی قریمی نے اس نسخہ سے سورۂ یٰسین کا فوٹو بلاک چھاپا تھا جس کا ایک نسخہ حاجی احمد غریب (بمبئی) کے کتب خانہ میں ہے۔ آخر میں اس مصحف سے متعلق معلومات درج ہیں۔

۲۹ محمد جعفر شاہ

اطاعت رسول کی حدود

(ثقافت ٦١ جنوری ٧-١٩)

رسول کے رسول اور اولی الامر ہونے کی صورت میں اس کے احکام کا ماننا واجب ہے، بشر کی حیثیت سے اس کے مشوروں پر عمل کرنا واجب نہیں

۳۰ محمد جعفر شاہ

اطاعت رسول کے حدود

(ثقافت ٦١ فروری ٢٢-٢٩)

(۲) دوسری قسط درج ہے

۳۱ محمد عاصم

ارض القرآن کا سفر

(ترجمان القرآن ٦١ جنوری ٣٠-٤٨)

ساتویں قسط درج ہے

۳۲ محمد عاصم

ارض القرآن کا سفر

(ترجمان القرآن ٦١ فروری ٢٥-٤٤)

آٹھویں قسط درج ہے

۳۳ محمد عاصم

ارض القرآن کا سفر

(ترجمان القرآن ٦١ مارچ ٣٧-٤٨)

نویں قسط درج ہے

۳۴ محمد فاروق

مادیت اور روحانیت

(زندگی رام پور ٦١ مارچ ٢١-٣٥)

انسانی زندگی میں مادیت اور روحانیت کی نوعیت و کیفیت پر گفتگو کی ہے

۳۵ محمد یوسف

رپورٹ قیم جماعت

(زندگی رام پور ٦١ فروری ٣٢-٥٩)

جماعت اسلامی کے کل ہند اجتماع منعقدہ دہلی میں ۱۱ نومبر ۱۹۶۰ع کو جماعت اسلامی کی کارگذاریوں کی یہ رپورٹ پیش کی گئی تھی

۳۶ مطلوب حسین

خلافت راشدہ میں فتوحات کے اسباب

(ثقافت ٦١ فروری ٣٠-٣٦)

مستشرقین نے اسلامی فتوحات کا سبب معاشی عنصر میں دیکھا ہے حالانکہ ان کا اصلی سبب اسلام اور اس کی تعلیم ہے

۳۷ مفتاحی محمد ظفیر الدین

اسلام کا نظام امن و امان

(برہان ٦١ جنوری ٢٢-٣٣)

(اکتوبر ۱۹۵۹ع سے مسلسل) اسلام

کے نظام امن و امان پر روشنی ڈالتے ہوئے
غیر مسلموں کے سلسلے میں اسلامی طرز
امن کی وضاحت کی ہے (باقی).

۳۸ مفتاحی محمد ظفیر الدین
اسلام کا نظام امن و امان
(برہان ۶۱ فروری ۹۳-۱۰۶)
دوسری قسط درج ہے.

۳۹ مفتاحی محمد ظفیر الدین
اسلام کا نظام امن و امان
(برہان ۶۱ مارچ ۱۳۳-۱۴۹)
(۳) تیسری قسط درج ہے.

۴۰ مودودی ابو الاعلیٰ
تفہیم القرآن، الروم
(ترجمان القرآن ۶۱ جنوری ۱۳-۲۹)
تیسری قسط درج ہے.

۴۱ مودودی ابوالاعلیٰ
تفہیم القرآن، لقمان
(ترجمان القرن ۶۱، مارچ ۹-۲۸)
(۱) سورۂ لقمان کی تفہیم کی پہلی
قسط درج ہے

۴۲ ندوی حافظ مجیب اللہ
اسلامی قانون اور عرف و عادت
(معارف ۶۱ جنوری ۵-۲۱)
(۳) معارف اکتوبر ۶۰ء سے مسلسل.
اسلامی قانون اور عرف و عادت کے
گہرے تعلق کے سلسلے میں مزید معلومات
فراہم کی ہیں (باقی)

۴۳ ندوی حافظ مجیب اللہ
اسلامی قانون اور عرف و عادت
(معارف ۶۱ فروری ۱۳۰-۱۲۰)
(۴) چوتھی قسط درج ہے

۴۴ ندوی محمد حنیف
فہم قرآن
(ثقافت ۶۱ جنوری ۲۱-۳۵)
دوسری قسط ہے

۴۵ وحید الدین خاں
مومن کی تصویر
(زندگی رام پور ۶۱ جنوری ۱۶-۲۹)
جماعت اسلامی کے اجلاس دہلی
منعقدہ ۱۲ نومبر ۱۹۶۰ع کو یہ مقالہ
پڑھا گیا تھا. اس میں بتایا ہے کہ مومن
کی تصویر، احکام اسلام پر عمل پیرا،
نماز کا پابند اور جہاد کے لئے ساعی
ہونے سے مرتب ہوتی ہے.

۴۶ وحید الدین خان
سورۂ فجر
(زندگی رام پور ۶۱ فروری ۱۱-۱۵)
سورۂ فجر کا مطالعہ درج ہے

۴۷ وحید الدین خان
سورۃ القدر
(زندگی رام پور ۱۶ مارچ ۹-۱۱)
سورۃ القدر کا مطالعہ پیش کیا ہے

تذکرہ و سیرت نگاری

۴۸ ادارہ حضرت ولیدبن ولید

(فیض الاسلام ۱۶ جنوری ۲۷-۲۸)

حضرت ولید بن ولید بن مغیرہ کے مختصر حالات درج ہیں۔

۴۹ ادارہ

حضرت عبداللہ بن سہیل

(فیض الاسلام ۶۱ مارچ ۲۳-۲۴)

ابتدائی زمانۂ اسلام کے ایک بزرگ عبداللہ بن سہیل سے متعلق مختصر معلومات درج ہیں۔

۵۰ ادارہ

مولانا رشید احمد گنگوہی

(فیض الاسلام ۶۱ جنوری ۲۳-۲۶)

(۱۰) دسویں قسط، ارشادات وغیرہ کے بارے میں

۵۱ ادارہ

مولانا رشید احمد گنگوہی

(فیض الاسلام ۶۱ مارچ ۲۵-۲۸)

(۱۲) بارھویں قسط ہے (باقی)

۵۲ اعظمی حبیب الرحمٰن

الذخائر والتحف کسی کی تصنیف ہے ؟

(معارف ۶۱ فروری ۱۳۹-۱۴۶)

بہ دلائل بتایا ہے کہ ڈاکٹر حمیداللہ کی تحقیق صحیح اور قاضی اطہر مبارکپوری کی تحقیق اس کتاب کے سلسلے میں غلط ہے۔ یہ کتاب القاضی الرشید بن ازبیر (پانچویں صدی) کی ہے۔ چھٹی صدی کے قاضی رشید بن زبیر سے اس کا تعلق نہیں ہے۔

۵۳ برہم ناتھ دت

چنگیز خاں

(فیض الاسلام ۶۱ جنوری ۴۹-۵۶)

دوسری قسط درج ہے۔

۵۴ برہم ناتھ دت

چنگیز خاں

(فیض الاسلام ۶۱ مارچ ۵۰-۵۲)

(۴) چوتھی قسط درج ہے (باقی)

۵۵ چغتائی عبداللہ

سید سلیمان ندوی اور ان کے چند خطوط

(اردو ادب، ۶۰ دسمبر ۵-۲۸)

سید سلیمان ندوی کے چند خطوط جو مضمون نگار کے نام تھے، مختصر مگر ضروری حواشی کے ساتھ درج ہیں۔

۵۶ خلیق انجم

مرزا مظہر جانجاناں کے خطوط

(برہان ۶۱ جنوری ۴۵)

اس چوتھی قسط میں چار خط ہیں جو مصری حالات سیاست مذہب و پر روشنی ڈالتے ہیں۔

۵۷ خلیق انجم

مرزا مظہر جانجاناں کے خطوط

(برہان ۶۱ فروری ۱۱۹-۱۲۲)

پانچویں قسط ہے۔ اس میں تین خط ہیں جن سے مرزا کے طرز فکر اور ہندوؤں کے سلسلے میں ان کے نقطۂ نظر کی وضاحت ہوتی ہے۔

۵۸ خلیق انجم

مرزا مظہر جانجاں کے خطوط

(برہان ۱۶ مارچ ۱۶۸-۱۷۲)

چھٹی قسط ہے چار خط درج ہیں ۔ ان میں مرزا کی نجی زندگی کے علاوہ مذہبی اور عصری باتیں بھی ملتی ہیں ۔

۵۹ رضا علی خان

کیا خوب آدمی تھے خدا مغفرت کرے

(آج کل ۶۱ فروری ۱۱-۱۲)

حکیم اجمل خان مرحوم پر اپنے خیالات پیش کئے ہیں ۔

۶۰ رضوی شفقت

مولوی احمد اللہ شاہ

(اردو ادب ۶۰ دسمبر ۲۶۰-۲۹۹)

سنہ ۱۸۵۷ع کی جنگ آزادی کی ایک عظیم شخصیت ، مولوی احمد اللہ شاہ کے حالات و کارہائے نمایاں بہ تفصیل پیش کئے ہیں ۔

۶۱ عبد الماجد دریا بادی

اور

احتشام حسین

میری ادبی زندگی

(چراغ راہ ۶۱ سالنامہ ۶۱-۶۴)

لکھنؤ ریڈیو کی « ادبی ملاقات » پروفیسر احتشام حسین کے سوالات اور مولانا عبد الماجد دریا بادی کے جواب پر مشتمل پیش کی ہے جس سے مولانا کی ادبی زندگی اور شوق پر روشنی پڑتی ہے ۔

۶۲ عطاء النبی

مولانا آزاد کا ایک فیصلہ

(برہان ۶۱ مارچ ۱۷۹-۱۸۷)

زکریہ اسٹریٹ ، کلکتہ کی جامعہ مسجد (مسجد ناخدا یا بڑی مسجد) کے ۱۹۱۸ع کے مقدمہ کا فیصلہ مولانا آزاد نے کیا تھا جو سعیدی پریس ، کلکتہ سے کتابی صورت میں شائع ہوا تھا ، مقالہ میں اس کی نوعیت بیان کرتے ہوئے مولانا کے فیصلے کے چند اقتباسات درج ہیں ۔

۶۳ عنایتی رفیع اللہ

سید احمد خان سفر نامۂ پنجاب کے آئینہ میں

(نگار ۶۱ مارچ ۶-۱۳)

سید احمد خان کی شخصیت کو سفر نامۂ پنجاب کے آئینہ میں پیش کیا ہے ۔

۶۴ فضل الرحمن سواتی

شیخ شہاب الدین مقتول اشراقی

(برہان ۶۱ فروری ۶۹-۹۲)

مقالہ نگار نے بہ دلائل ثابت کیا ہے کہ علامہ ابن تیمیہ نے شیخ مقتول کو مشائین لکھکر غلطی کی تھی اور دکھایا ہے کہ شبیر احمد خان غوری نے اس ضمن میں مقالہ نگار کا جو تعاقب کیا تھا وہ صحیح نہیں ہے ۔

۶۵ من موہن تلخ

آفتاب موسیقی استاد فیاض خان

(آج کل ۶۱ مارچ ۲۷-۳۰)

مشہور موسیقار استاد فیاض خان کی

شخصیت اور فن پر اظہار خیال کیا ہے۔

۶۶ مومن محی الدین

حکیم ابو الفتح گیلانی اور عہد اکبری

(نگار ۶۱ مارچ ۲۰-۲۵)

عہد اکبری اور حکیم ابو الفتح گیلانی کی شخصیت پر اظہار خیال کیا ہے۔

۶۷ ندوی محمد حنیف

ابن تیمیہ کا تصور صفات

(ثقافت ۶۱ فروری ۶-۲۱)

ابن تیمیہ کے علم و فضل کے پس منظر میں ان کے تصور صفات کی وضاحت کی یہ پہلی قسط ہے

۶۸ نصرہ بشیر

ایک کتاب - ایک جائزہ

(ماہ نو ۶۱ خاص نمبر ۲۱)

ڈاکٹر آغا اشرف کی کتاب «انیسویں صدی میں وسط ایشیا کی سیاحت» پر تبصرہ کیا ہے۔

۶۹ ہاشمی نصیر الدین

مولوی وحید الدین سلیم میری نظر میں

(جام نو کراچی ۶۱ فروری ۱۱-۱۴)

مولوی وحید الدین سلیم کے ورود حیدرآباد اور ملازمت نیز ان سے ذاتی تعلقات پر روشنی ڈالی ہے۔

تاریخ و سیاسیات

۷۰ رزاقی شاہد حسین

انڈونیشیا میں و لندیزی عہد حکومت

(ثقافت ۲۱ فروری ۳۷-۵۸)

انڈونیشیا میں اہل ہالینڈ کے طرز حکومت اور استحصال پر روشنی ڈالی ہے۔

۷۱ رضوی سید محبوب

بحیرۂ مردار

(برہان ۶۱ فروری ۱۰۷-۱۱۸)

قوم لوط کی تباہی کے بعد ان کا زمینی علاقہ جھیل میں تبدیل ہوگیا اسی کی تفصیل یہاں درج ہے۔

۷۲ سید محمد الحسنی

مغربی تہذیب

(الفرقان ۱۶ مارچ ۳۱-۳۸)

مغربی تہذیب کا نفسیاتی جائزہ پیش کیا ہے۔

۷۳ صابر عبدہ ابراہیم

مترجم : ابو سعید ندوی

پہلی اسلامی حکومت

(تعمیر انسانیت ۶۱ جنوری ۷-۹)

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے وزراء اور گورنروں کا تذکرہ کیا ہے۔

۷۴ صدیقی عبدالمجید

آندھرا پردیش کا کلچر

(سب رس ، ۱۶ جنوری ۷-۱۰)

جغرافیہ اور تاریخ کے پس منظر کے ساتھ آندھرا پردیش کے کلچر سرسری جائزہ لیا ہے۔

۷۵ فارق خورشید احمد
تاریخ الـرّدۃ
(برہان ۶۱ جنوری ۳۵-۴۴)
پندرہویں قسط درج ہے ۔
۷۶ فارق خورشید احمد
تاریخ الـرّدۃ
(برہان ۶۱ مارچ ۱۵۰-۱۵۶)
سولھویں قسط درج ہے ۔
۷۷ فاروقی نشار احمد
مجموعـہ مکاتیب حضرت سید احمد بریلوی
(برہان ۶۱ مارچ ۱۷۳-۱۷۸)
کتب خانۂ سالار جنگ حیدرآباد، دکن میں حضرت سید احمد شہید بریلوی کے فرامین، رقعات اور مکتوبات کا ایک قلمی نسخہ ہے، ناقص الاخر ہونے کے باعث سال کتابت یا کاتب کا نام معلوم نہیں ہوپاتا ، اس میں شاہ اسماعیل اور دوسرے لوگوں کے بھی خط ہیں، یہ ابھی تک نہیں چھپا ، خطوں کی فہرست جہـاد سید احمد سے متعلق اقتباسات درج ہیں ۔
۷۸ قاضی اطہر مبارکپوری
راجـہ رہمی اور ہندوستان کے چنـد دوسرے راجے
(معارف ۶۱ فروری ۸۵،۱۰۲)
(۱) ہندوستان کے چنـد راجوں کا ذکر ہے جو ہندوستان کے ساتھ مسلمانوں کے قدیم تعلقـات کے سلسلے میں مفید ہے ۔ (باقی)
۷۹ قاضی اطہر مبارکپوری
راجہ رہمی اور ہندوستان کے چنـد دوسرے راجے
(معارف ۶۱ مارچ ۱۶۵-۱۸۳)
دوسری قسط ہے ۔
۸۰ لیـاقت بیگم
شہر حیـدرآباد کی بنـا اور ترقی قطب شاہی دور میں
(سب رس ۶۱ فروری ۳-۷)
شہر حیدرآباد کی بنیادی تعمیرات سے متعلق تاریخی تفصیلات پیش کی ہیں ۔

ادب ، تنقید ، لسانیات

۸۱ محمد حسن الدین
عہد قطب شاہی میں آبرسانی و آبپاشی کا انتظـام
(سب رس ۶۱ فروری ۸-۱۸)
قطب شاہی دور میں گولکـنڈہ میں آبرسانی و آبپـاشی کے لئے جو انتظامات کئے گئے تھے ان کا تفصیلی ذکر کیا ہے ۔
۸۲ آزاد جگن ناتھ
مولوی عبدالحق، چند تاثرات
(مجلس حیدرآباد ۶۱ عبدالحق نمبر ۱۶۵-۱۷۰)
مولوی صاحب سے متعلق چند تاثرات کا ذکر کیا ہے ۔

۸۳ آغا حیدر حسین
قطب شاہی تہذیب و تمدن
(سب رس ۶۱ جنوری ۳-۶)
قطب شاہی دور کی تہذیب اور تمدن کا خاکہ پیش کیا ہے۔

۸۴ آل احمد سرور
جگر کی شاعری
(فروغ اردو جگر نمبر ۶۱ فروری مارچ ۵۴۰-۵۵۹)
جگر کی شاعری کی خصوصیات پر مبسوط مقالہ ہے۔

۸۵ احتشام حسین
جگر کی شاعری، موثرات اور محرکات
(فروغ اردو جگر نمبر ۶۱ فروری مارچ ۴۵۲-۴۵۹)
بتایا گیا ہے کہ جگر کی تخئیل ان کے جذبات، محرکات اور عوامل پر نظر ڈالنے والا ان کی شاعری سے بھی زیادہ لطف اندوز ہوسکے گا کیونکہ شاعر کے نہانخانۂ دل تک پہنچنا خود اپنی جگہ پر آسودگی بخش ہوتا ہے۔

۸۶ احسان احمد
یاد جگر
(فروغ اردو جگر نمبر ۶۱ فروری مارچ ۱۱-۲۶)
جگر سے اپنے دوستانہ تعلقات کا اظہار کیا ہے اور ان کی شاعری کے بعض پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔

۸۷ اختر انصاری
حالی اور نیا تنقیدی شعور
(اردو ادب ۶۰ دسمبر ۷۵-۱۰۳)
کلیم الدین احمد سے اختلاف کرتے ہوئے حالی کے تنقیدی شعور کی عظمت اعتراف کیا ہے۔

۸۸ اختر راہی
جشن سی سالۂ «شاعر» کی ایک جھلک
(شاعر ۶۱ فروری ۶۲-۶۵)
ماھنامہ «شاعر» کے جشن سی سالہ کی روداد (باقی)۔

۸۹ اختر راہی
جشن سی سالۂ (شاعر) کی ایک جھلک
(شاعر ۶۱ مارچ، اپریل ۵۰-۵۳)
مضمون کی دوسری قسط ہے (باقی)

۹۰ ادیب سہارنپوری
جگر۔ ایک انسان
(جام نو کراچی ۶۱ جنوری ۵۱-۵۵)
جگر سے اپنے ذاتی تعلقات کا اظہار کرتے ہوئے ان کی اخلاقی خوبیون کا ذکر کیا ہے۔

۹۱ اسرار احمد حکیم
اردو کا معمار اعظم
(مجلس حیدرآباد ۶۱ عبدالحق نمبر ۵۸-۶۴)
ڈاکٹر عبدالحق کو اردو کے ایک عظیم معمار کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

۹۲ اسعد گیلانی
اسلامی ادبی تحریک اور کردار کی اہمیت
(چراغ راہ ۶۱ سالنامہ ۵۳-۵۶)
اسلامی ادب کے اندر ادیب کے ذاتی

کردار کی اہمیت بیان کی ہے ۔

۹۳ اطہر پرویز

ادب کیا ہے؟

(جامعہ ۶۱ فروری ۱۹۰-۱۹۸)

ادب کی تعریف کرتے ہوئے ، ادبی تخلیق کے اسباب، اس کے موضوعات اور تخلیقی عمل وغیرہ سے بحث کی ہے ۔

۹۴ اقبال سلمان

اخلاقیات غالب

(ماہ نو ۶۱ فروری ۲۰-۲۲)

غالب کے اخلاقی تصورات پر ان کے اشعار کی روشنی میں تبصرہ کیا ہے ۔

۹۵ اکبر علی

ڈاکٹر عبد الحق اور ان کی خدمات

(مجلس حیدرآباد ۶۱ عبدالحق نمبر ۱۷۵-۱۸۵)

ڈاکٹر عبد الحق کی علمی و ادبی خدمات کا تفصیلی بیان ہے ۔

۹۶ اکبر علی خان

دیوان ناظم میں غالب کا حصہ

(اردو ادب ۶۰ دسمبر ۱۲۶-۱۵۲)

شیخ محمد اکرام کے اس خیال کی تردید کی ہے کہ نواب یوسف علی خان ناظم کے دیوان میں غالب کا کلام پایا جاتا ہے ۔

۹۷ اکبر علی خان

نقش ہائے رنگ رنگ - ایک پہلو

(ماہ نو ۶۱ فروری ۱۴-۱۹)

غالب کے چند نادر فارسی خطوط کا تعارف پیش کیا ہے ۔

۹۸ امجد الطاف

ہمارے رومانی انشا پرداز

(ہندوستانی ادب ، ۶۱ جنوری ، فروری ۵۷-۶۳)

شرر ، مہدی افادی ، نیاز فتح پوری ، سجاد انصاری ، بشیر احمد اور دیگر رومانی انشا پردازوں کے انداز نگارش کا سرسری جائزہ لیتے ہوے بتایا ہے کہ ہمارے رومانی مضمون نگاروں نے ہمارے ادب کو جذباتی تجربات ، اظہار اور فکر و فن مین تقلید سے آزادی اور تازگی بخشی ہے ۔

۹۹ انصاری اسلوب احمد

مولوی عبد الحق کی مرقع نگاری

(مجلس حیدرآباد ۶۱ عبدالحق نمبر ۴-۱۵)

مولوی عبد الحق کی مرقع نگاری پر مفصل اظہار خیال کیا ہے ۔

۱۰۰ انصاری محمد رضا

پاک دل ، پاک صفات

(آج کل ۶۱ جنوری ۴۳-۴۷)

جگر کی شخصیت پر روشنی ڈالی ہے ۔

۱۰۱ انصاری محمد رضا

ایک معلم اخلاق

(فروغ اردو جگر نمبر ۶۱ فروری مارچ ۲۶۴-۲۶۸)

جگر کی شخصیت کے اخلاقی پہلو پر اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے ۔

۱۰۲ ایوبی محمد اسحاق

تلوک چند محروم کی سیاسی نظمیں

(صبا ۶۱ مارچ ۱۸-۲۲)

تلوک چند محروم کی سیاسی نظموں پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے .

۱۰۳ بدر عالم

ایک اہم ناول نگار

(قومی زبان ۱٦ جنوری ۳۲-۳۵)

شام اودھ ، رہ و رسم آشنائی اور ماشے اللہ سے ایم ، اے کے مصنف ڈاکٹر محمد احسن فاروقی کے فن ناول نگاری پر روشنی ڈالی ہے .

۱۰۴ ثمینہ شوکت

مولوی عبدالحق کا اسلوب بیان

(مجلس حیدر آباد ٦۱ عبدالحق نمبر ۱٦۰-۱٦٤)

مولوی صاحب کے اسلوب بیان پر روشنی ڈالی ہے .

۱۰۵ جاوید نہال

ابوطالب کلیم ہمدانی

(جام نو کراچی ٦۱ یوم پاکستان ایڈیشن ۱۱-۱۸)

عہد جہاں گیر کے نامور فارسی شاعر ابوطالب کلیم ہمدانی کی زندگی اور اس کی شاعری کا تذکرہ ہے .

۱۰٦ جعفری رئیس احمد

الندوہ

(ثقافت ٦۱ فروری ۵۹-٦۲)

دارالعلوم الندوہ ، لکھنؤ کے مجلہ الندوہ نے اردو زبان و ادب کی ناقابل فراموشی علمی و ادبی خدمت انجام دی ہے اور اس کی جگہ اب بھی خالی ہے .

۱۰۷ جگر

جگر پارے

(چراغ راہ ٦۱ سالنامہ ۱۳۳-۱۳٤)

محمود علی خاں جامعی کے نام دو اور بشیر احمد صدیقی کے نام ایک خط درج ہے پہلے خط میں جگر کی صاف دلی اور « گھٹ گئے انسان بڑھ گئے سائے» والی غزل ہے . دوسرے میں ایک امانت کی واپسی کا ذکر ہے . تیسرے میں صدیقی صاحب نیاز محمد خاں صاحب اور فضلی سے ان کے لگاؤ کا تذکرہ ہے .

۱۰۸ جوش ملیح آبادی

دانش گاہِ فکرو قلم

(اردو نامہ ، کراچی ٦۱ فروری ۵-۱۰)

جوش کی وہ تجویز درج ہے جو انہوں نے اردو کی ترقی اور اہل پاکستان کی شخصیت و کردار کی تعمیر کے لئے حکومت پاکستان کو پیش کی تھی.

۱۰۹ جیلانی کامران

اردو شاعر دوراہے پر

(ماہ نو ٦۱ خاص نمبر ۲۷-۳۰)

پچھلے دس بارہ سال کی اردو شاعری اور اس کے رجحانات پر روشنی ڈالی ہے .

۱۱۰ حبیب ضیاء

دکنی میں اسم کی فاعلی حالت

(سب رس ، ٦۱ مارچ ۷-۱۰)

دکنی میں علامت فاعل « نے » کا استعمال فعل متعدی اور فعل لازم دونوں کے ساتھ ہوتا ہے لیکن فعل بہر صورت

فاعل کے تابع رہتا ہے اس لئے کبھی یہ
علامت حذف بھی کر دی جاتی ہے تو
کوئی نحوی سقم پیدا نہیں ہوتا۔

۱۱۱ حمیدالدین شاہد

اردو میں سائنس کے اولین کارنامے
(اردو نامہ، کراچی، ۶۱ فروری ۲۷ ـ ۳۴)
سائنس کی اولین مطبوعہ اردو کتابوں
کا تعارف کرایا ہے

۱۱۲ حمیدالدین شاہد

اردوئے قدیم اور بابائے اردو
(مجلس حیدرآباد ۶۱ عبدالحق نمبر ۷۷ ـ ۸۷)
مولوی عبدالحق نے قدیم اردو سے متعلق
جو خدمات انجام دی ہیں اس کا اعتراف
کیا ہے

۱۱۳ حمید صدیقی

حضرت جگر کے ساتھ
(فروغ اردو جگر نمبر ۶۱ فروری مارچ ۸۹ ـ ۱۱۲)
جگر مرادآبادی سے اپنے ذاتی تعلقات
کا اظہار کیا ہے

۱۱۴ حیات‌اللہ انصاری

کشمیری کے لئے ایک رسم خط
(اردو ادب، علی گڑھ، ۶۰ دسمبر ۴۹ ـ ۷۴)
کشمیری زبان کے لئے ایک رسم خط
پیش کیا ہے جو اردو سے بنایا ہے اور
اسے بہ تفصیل سمجھایا ہے

۱۱۵ خالدی محمد یونس

عشق جگر
(فروغ اردو جگر نمبر ۶۱ فروری مارچ ۴۱۱ ـ ۴۲۰)
کلام جگر سے مثالیں دے کر یہ ثابت
کیا گیا ہے کہ یوں تو انہوں نے اساتذہ
سخن کا گہرا مطالعہ کیا تھا مگر خواجہ
میر درد سے بالخصوص متاثر تھے

۱۱۶ خلیق انجم

مولوی عبدالحق بحیثیت خاکہ نگار
(مجلس حیدرآباد، ۶۱ عبدالحق نمبر ۹۷ ـ ۱۰۳)
مولوی عبدالحق کی خاکہ نگاری پر
روشنی ڈالی ھے

۱۱۷ خمار بارہ بنکوی

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا
(فروغ اردو جگر نمبر ۶۱ فروری مارچ ۱۲۴ ـ ۱۳۳)
اپنے استاد حضرت جگر سے اپنے
قلبی لگاؤ کا اظہار کیا ہے

۱۱۸ خواجہ مقبول احمد

جگر کی ژرف نگاہی
(فروغ اردو جگر نمبر ۶۱ فروری مارچ ۲۳۷ ـ ۲۴۵)
جگر کے مجموعہ کلام آتش گل کے
آئینہ میں ان کے کردار کے جوہر دکھائے
گئے ہیں

۱۱۹ داس گپتا، ایس ـ بی

مترجمہ اعزاز افضل
جدید بنگلہ ادب
(شاعر، ۶۱ مارچ ـ اپریل ۱۱ ـ ۱۲)
پہلی جنگ عظیم کے بعد پیدا ہونے
والے بنگلہ کے ادبی رجحانات کا سرسری
جائزہ لیا ھے

۱۲۰

نمائش رسائل و اخبارات

(شاعر، ٦١ مارچ - اپریل ٥٥ - ٧١)
جشنِ سی سالہ ماہنامہ شاعر کے سلسلے میں جدید و قدیم اردو رسائل و اخبارات کی ایک نمائش مرتب کی گئی تھی۔ ان تمام اخبارات و رسائل کی فہرست مع دیگر تفصیلات کے اور مشہور ادیبوں کی آراء کے ساتھ درج ہے

۱۲۱ دلدار حسین خان
پدماوت اردو
(آج کل ٦١ مارچ ٤-١٠)
مثنوی «پدماوت اردو» تبصرہ کیا ہے۔

۱۲۲ راج بہادر گوڑ
«چراغ منزل» کا شاعر
(صبا ٦١ مارچ ٢٦-٣٠)
شاہد صدیقی کی شاعری پر ان کے مجموعہ کلام «چراغِ منزل» کی روشنی میں تبصرہ کیا ہے۔

۱۲۳ راز مرادآبادی
مکتوب راز
(فروغ اردو جگر نمبر ٦١ فروری مارچ ٢٧-٣٨)
ڈاکٹر شجاعت سندیلوی کے نام ایک خط میں جگر کی شخصیت کے چند پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۲۴ راہی شعیب
شکیلہ اختر بحیثیت افسانہ نگار
(اشارہ پٹنہ ٦١ مارچ ٥-١٢)
مشہور اردو افسانہ نگار خاتون شکیلہ اختر کے فن افسانہ نگاری کے پس منظر کو ابھارا گیا ہے۔

۱۲۵ رحیم الدین کمال
اردو تہذیب کی تعمیر و ترقی میں مولوی عبد الحق صاحب کا حصہ
(مجلس حیدرآباد ٦١ عبدالحق نمبر ٤٢-٥٢)
مولوی عبدالحق نے اردو تہذیب کی تعمیر و ترقی میں جو حصہ لیا ہے اس کی نشاندہی کی ہے۔

۱۲۶ رزمی شریف
ہینگو کے میاں جی
(جام نو کراچی ٦١ جنوری ٦٥-٦٨)
جگر کے ایک ان پڑھ مگر مخلص دوست عبدالستار عرف ہینگو پہلوان کانپوری کے مراسم کا تذکرہ ہے۔

۱۲۷ رضوی سراج
خدا کی بستی
(چراغ راہ ٦١ سالنامہ ٩١-٩٩)
شوکت صدیقی کے اس ناول پر پاکستان آدم جی انعام ملا ہے چنانچہ اس ناول پر بہ اعتبار موضوع، بہ اعتبار فن اور بہ اعتبار زبان تبصرہ کیا اور کوتاہیوں کی نشاندہی کی ہے۔

۱۲۸ رفعت نواز
جیلانی بانو کے افسانے
(شاعر بمبئی، ٦١ فروری ٢٤-٢٧)
جیلانی بانو کے افسانوں کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے بتایا ہے کہ جیلانی بانو کا اجتماعی بہبود اور انسان دوستی کا شعور پختہ ہے۔

۱۲۹ رفیعہ سلطانہ
ڈاکٹر عبدالحق کے تحقیقی کارنامے
(مجلس حیدرآباد ۶۱ عبدالحق نمبر ۱۲۰-۱۲۴)
ڈاکٹر عبدالحق کے تحقیقی کارناموں کا جائزہ پیش کیا ہے۔

۱۳۰ رونق نعیم
سید حرمت الاکرام اور ان کی غزلیں
(شاعر بمبئی ۶۱ جنوری ۲۸-۳۸)
سید حرمت الاکرام کے مختصر حالات زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کی شاعری کا تنقیدی جائزہ لیا ھے۔

۱۳۱ زور محی الدین قادری
مولوی عبد الحق صاحب
(مجلس حیدرآباد ۶۱ عبدالحق نمبر ۱۳۹-۱۴۲)
مولوی صاحب کی زندگی کو سات ادوار میں تقسیم کیا ہے۔

۱۳۲ زیدی علی جواد
جگر ـــ ایک تأثر
(فروغ اردو (جگر نمبر) ۶۱ فروری، مارچ ۱۵۲-۱۶۸)
جگر کو بحیثیت انسان پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۳۳ زینت ساجدہ
امیر خسرو
(صبا ۶۱ جنوری، فروری ۷-۱۱)
امیر خسرو کی حیات اور کارناموں پر سیر حاصل اظہار خیال کیا ہے۔

۱۳۴ زینت ساجدہ
محمد قلی اور اس کی شاعری
(سب رس ۶۱ جنوری ۱۱-۱۳)
محمد قلی کی شاعری اس دور کی جیتی جاگتی تصویر پیش کرتی ہے جس میں سرشار جوانی، بھر پور جذبات اور ان جذبات کی تسکین ملتی ہے۔

۱۳۵ ساجد علی
مولوی عبد الحق صاحب اور تعلیمات
(مجلس حیدرآباد ۶۱ عبدالحق نمبر ۱۴۳-۱۵۰)
مولوی عبد الحق کی تعلیمی خدمات پر اظہار خیال کیا ہے۔

۱۳۶ سخاوت مرزا
دیوان سید شاہ حسینی پیر بیجاپوری
(اردو ادب، ۶۰ دسمبر ۳۷-۴۸)
سید شاہ حسینی کے شجرۂ نسب اور تاریخ ولادت کا بہ تحقیق تعین کرتے ہوئے ان کے کلام کا انتخاب پیش کیا ہے، جو ہمعصر شعراء ولی و مظہر جان جاناں وغیرہ کی طرز پر ہے۔

۱۳۷ سروری عبد القادر
مولوی عبد الحق ـــ میرے تاثرات
(مجلس حیدرآباد ۶۱ عبد الحق نمبر ۵۳-۵۷)
مولوی عبد الحق سے متعلق اپنے ذاتی تاثرات پیش کئے ہیں۔

۱۳۸ سعید احمد
جگر کا غزل پر احسان
(فروغ اردو جگر نمبر ۶۱ مارچ ۱۷۱-۱۸۰)
جگر کے تغزل کے بعض پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔

۱۳۹ سلام مچھلی شہری

میرا خیال ہے!

(قومی زبان کراچی ۶۱ فروری ۹-۱۱)

مسلسل عنوان «میرا خیال ہے» کے تحت سروجنی نائیڈو بلبل ہند کی شاعری کا ذکر کیا ہے۔

۱۴۰ سلطان اشرف

حیرت شملوی۔ شخصیت اور شاعری

(نگار ۶۱ مارچ ۳۸-۴۴)

حسرت کی شخصیت اور شاعری کا تعارف پیش کیا ہے۔

۱۴۱ سلیم اختر

جاپانی شاعری

(ادب لطیف ۶۱ فروری ۲۱-۲۴)

جاپانی شاعری کی قدامت، اقسام اور خصوصیات کا سرسری تعارف کرایا ہے۔

۱۴۲ سہیل عظیم آبادی

بابائے اردو

(مجلس حیدرآباد ۶۱ عبدالحق نمبر ۱۲۵-۱۳۳)

بابائے اردو پر اپنے تاثرات پیش کئے ہیں۔

۱۴۳ سوامی ناتھم

جگر مرادآبادی

(فروغ اردو (جگر نمبر) ۶۱ فروری، مارچ ۱۳۴-۱۴۳)

انتہائی والہانہ انداز میں جگر کی شخصیت اور ان کے کلام سے اپنی شیفتگی کا اظہار کیا ہے۔

۱۴۴ سید عبد اللہ

خیالاتِ اکبر پر ایک تحریر

(ادب لطیف ۶۱ مارچ ۷-۱۱)

اکبر سر سید کے مخالف نہیں تھے لیکن وہ اکثر مذہب کے علاوہ مشرقیت اور ملکی آداب و اطوار کو بھی بنیادی اہمیت دیتے ہیں جو غلط ہے۔ تعلیم سے متعلق اکبر کے خیالات صحیح تھے۔

۱۴۵ سید محمد

«بیسویں صدی کا سرسید»

(مجلس حیدرآباد ۶۱ عبدالحق نمبر ۲۶-۳۲)

ڈاکٹر عبد الحق کو بیسویں صدی کے سرسید کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

۱۴۶ سیدہ جعفر

عبد الحق کے تنقیدی تصورات

(مجلس حیدرآباد ۶۱ عبدالحق نمبر ۱۵۱-۱۵۷)

ڈاکٹر عبد الحق کے تنقیدی تصورات پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۴۷ سیفی محمد عمر

جگر کا تغزل

(چراغ راہ ۶۱ سالنامہ ۱۰۰-۱۰۸)

جگر کی غزلیہ شاعری کی نوعیت و کیفیت دکھائی ہے۔

۱۴۸ شاد سلطان پوری

کاشانۂ اصغر کی ایک شام

(فروغ اردو (جگر نمبر) ۶۱ فروری، مارچ ۴۷-۵۲)

جگر کی ایک صحبت شعر و سخن کو ڈرامائی انداز میں پیش کیا ہے۔

۱۴۹ شان الحق حقی

اردو الفاظ کی رومن املا

(اردو نامہ ۶۱ فروری ۴۴-۵۰)

اردو الفاظ کی رومن اِملا سے متعلق اصول و قواعد متعین کئے ہیں۔

۱۵۰ شروانی ہارون خاں

ڈاکٹر عبدالحق

(مجلس حیدرآباد ۶۱ عبدالحق نمبر ۳۷-۴۱)

مولوی عبدالحق کی شخصیت کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۵۱ شریف رزمی

جگر ایک عظیم شخصیت

(جام نو کراچی ۶۱ جنوری ۱۳-۱۸)

جگر مرادآبادی کے سوانحی حالات مجملاً پیش کئے گئے ہیں۔

۱۵۲ شکیل الرحمن

انگارے - نئی روایت

(صبح نو پٹنہ ۶۱ مارچ ۱۰-۱۲)

ترقی پسند مصنفین کے افسانوں کے مجموعے «انگارے» کی ادبی و تاریخی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔

۱۵۳ صابرہ شاہ آبادی

زیر لب

(شاعر ۶۱ جنوری ۱۵-۱۸)

مرحومہ صفیہ اختر کے مجموعۂ خطوط پر تبصرہ کرتے ہوئے مرحومہ کی شخصیت کا تجزیہ کیا ہے۔

۱۵۴ صالحہ عابد حسین

ادیب پڑھنے والوں سے کیا چاہتا ہے

(جامعہ ۶۱ فروری ۲۱۲-۲۱۵)

بتایا گیا ہے کہ ادبی مطالعہ کا ذوق اور ادیب کے محسوسات سے ہم آہنگی ہی قاری کا بہترین تحفہ ہے جو وہ ادیب کو پیش کرسکتا ہے۔

۱۵۵ صدیق حسن کڑوی

جگر

(فروغ اردو (جگر نمبر) ۶۱ فروری، مارچ ۱۱۳-۱۲۳)

جگر کی زندگی چند اہم واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔

۱۵۶ صدیقی اکبرالدین

کلام قطب شاہ پر ایک سرسری نظر

(سب رس، ۶۱ مارچ ۳-۶)

محمد قلی قطب شاہ کے «کلیات معانی» کا سرسری جائزہ لیتے ہوئے بتایا ہے کہ آج چار سو سال کے بعد بھی ان کا کلام اچھوتے خیالات اور انوکھے اندازِ بیان کی وجہ سے ممتاز ہے۔

۱۵۷ صدیقی حبیب احمد

کلام غالب کا انتخاب جو خود غالب نے کیا

(اردو ادب، ۶۰ دسمبر ۱۰۴-۱۲۵)

غالب نے اپنے کلام کا انتخاب سنہ ۱۸۶۶ع میں والی ریاست رام پور کی فرمائش پر کیا تھا، مضمون نگار نے اس انتخاب پر بہ تفصیل تبصرہ کیا ہے۔

۱۵۸ صدیقی حبیب احمد

جگر صاحب اور ان کی شاعری

(آج کل ۶۱ جنوری ۱۰-۳۰)
جگر کی شخصیت اور شاعری پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔

۱۵۹ صدیقی رشید احمد
جگر میری نظر میں
(فروغ اردو جگر نمبر ۶۱ فروری، مارچ ۵۲۳-۵۳۹)
جگر کی شخصیت اور شاعری پر سیر حاصل تبصرہ ہے

۱۶۰ صدیقی شفاعت علی
داغ جگر
(فروغ اردو جگر نمبر ۶۱ فروری، مارچ ۴۸۸-۵۱۹)
جگر کے سانحہ ارتحال پر مختلف ادبا، شعرا اور اخبارات کے بیانات کو یکجا کیا ہے۔

۱۶۱ صدیقی شمس الدین
غالب کی تصویر کاری
(ماہ نو ۶۱ فروری ۲۴-۲۵ و ۳۲)
غالب کی تشبیہوں پر اظہار خیال کیا ہے۔

۱۶۲ صدیقی ظہیر احمد
جگر کا لب و لہجہ
(فروغ اردو جگر نمبر ۶۱ فروری مارچ ۳۵۷-۳۶۶)
جگر کی غزل میں جگر کے انفرادی طرز کو سراہا گیا ہے۔

۱۶۳ صدیقی محمد احمد
جگر کا ذہنی ارتقا
(جام نو کراچی ۶۱ جنوری ۴۵-۵۰)
جگر شخصیت اور فن کاری کا نفسیاتی تجربہ کیا گیا ہے۔

۱۶۴ صدیقی محمد حمیداللہ
نظریۂ پاکستان اور ہمارے تنقید نگار
(چراغ راہ ۶۱ سالنامہ ۵-۱۳)
نظریۂ پاکستان کی وضاحت اور قیام پاکستان کے سلسلے میں ہونے والے مختلف واقعات کے ذکر کے ساتھ ساتھ ان اعتراضات کو بیان اور ان کا جواب دیا ہے جو وقتاً فوقتاً ان پر وارد ہوتے تھے۔

۱۶۵ صدیقی محمد عتیق
بغاوت کے اخبارات
(اردو ادب، ۶۰ دسمبر ۲۳۸-۲۵۹)
سنہ ۱۸۵۷ ع کے اردو اخبارات سے اقتباسات پیش کر کے بتایا ہے کہ اخبارات نے ہندوستانی باشندوں کے دلوں میں دلیرانہ حد تک بغاوت کے جذبات پیدا کر دئے تھے۔

۱۶۶ صدیقی محمد عتیق
قلعۂ معلیٰ سے غالب کے تعلقات
(جامعہ ۶۱ فروری ۱۹۹-۲۰۶)
اسعد الاخبار اور سراج الاخبار کی روشنی میں یہ بتایا گیا ہے کہ غالب کی شہرت و ناموری کی تعمیر میں ان دو اخبارات کا کیا حصہ تھا۔

۱۶۷ ضمیر علی بدایونی
ادب میں «اشاریت» کی تحریک
(ماہ نو ۶۱ جنوری ۱۶-۲۱)

ادب میں اشاریت اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۶۸ طاہر فاروقی
اردو قصیدہ
(اردو نامہ، ٦١ فروری ١١-٢٦)
ارد و قصائد کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔

۱۶۹ رضوی برق
آزاد شاعری
(شاعر ٦١ فروری ١٨-٢٣)
آزاد شاعری کی تشریح کرتے ہوئے آزاد اردو شاعری کا تاریخی و تنقیدی جائزہ لیا ہے۔

۱۷۰ عابد حسین
ادب اور نفسیات
(جامعہ ٦١ فروری ١٧١-١٧٤)
انسان کو ادب اور نفسیات کا موضوع قرار دیتے ہوئے ادب میں عملی نفسیات کے استعمال پر زور دیا ہے۔

۱۷۱ عابد رضا بیدار
کچھ اردو کے قدیم اخبارات و رسائل
(جامعہ ٦١ مارچ ٢٣٨-٢٤٩)
اردو کے مشہور صحافی بال مکند گپتا اور میر ناصر علی نیز مولوی ذکاءاللہ کے چند ایسے مضامین کے اقتباسات ہیں جن سے اردو صحافت کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے

۱۷۲ عابد رضا بیدار
ایک جوئے کہستاں کی موج رواں
(صبا ٦١ مارچ ١٢-١٧)
نوادرِ اقبال کا تعارف پیش کیا ہے

۱۷۳ عبادت بریلوی
جگر اور جذبۂ عشق
(فروغ اردو جگر نمبر ٦١ فروری، مارچ ١٨١-١٩٠)
مضمون میں بتایا گیا ہے کہ عشق کو جگر کے تغزل میں بنیادی حیثیت حاصل ہے

۱۷۴ عباسی اشتیاق احمد
آئی جو ان کی یاد
(فروغ اردو جگر نمبر، ٦١ فروری، مارچ ٣٩-٤٦)
جگر سے اپنے تعارف اور قربت کا ذکر کیا ہے

۱۷۵ عبدالاحد خان خلیل
جگر کا نظریۂ حسن و تغزل
(فروغ اردو جگر نمبر، ٦١ فروری، مارچ ٤٢١-٤٢٢)
جگر کے کلام کی خصوصیات پر تبصرہ ہے

۱۷۶ عبدالمغنی
جدید اردو تنقید
(اردو ادب، ٦٠ دسمبر ١٥٣-١٦٨)
جدید اردو تنقید کا جائزہ لیا ہے اور مختلف ناقدوں کی تنقید نگاری پر تبصرہ کیا ہے

۱۷۷ عبدالواحد ابو ظفر
مثالی شخصیت ـ مولوی عبدالحق
(مجلس حیدرآباد، ٦١ عبدالحق نمبر ٨٨-٩٠)
ڈاکٹر عبدالحق کو مثالی شخصیت کی

حیثیت سے پیش کیا ہے

۱۷۸ عثمانی ابوذر

اکبر اور مسئلہ زبان

(اشارہ پٹنہ، ۶۱ مارچ ۱۳ - ۱۷)

لسان العصر اکبرالہ‌آبادی کے تصورات زبان سے متعلق پیش کئے گئے ہیں

۱۷۹ عرش ملسیانی

جگر - ذاتی تاثرات

(آجکل، ۶۱ جنوری ۳۱ - ۳۸)

جگر کی شخصیت اور شاعری سے متعلق اپنے ذاتی تاثرات کا اظہار کیا ھے

۱۸۰ عرشی محمد حسین

مرزا غالب کی فارسی شاعری

(نگار ، ۶۱ مارچ ۱۴ - ۱۹)

غالب کی فارسی شاعری پر اظہار خیال کیا ہے

۱۸۱ عطا محمد شعلہ

جگر کی شاعری میں تصور محبوب

(فروغ اردو جگر نمبر ۶۱ مارچ ۲۴۶-۲۵۳)

جگر کے کلام کو آئینہ بنا کر ان کے محبوب کے خد و خال کو نمایاں کیا گیا ہے .

۱۸۲ غلام حسین ذو الفقار

اکبر اور قومی تہذیب و معاشرت

(ادب لطیف ۶۱ فروری ۵-۲۰)

اکبر مغربی تہذیب کی اندھا دھند تقلید کے خلاف تھے اور مذہب سے متعلق بنیادی اصول و مسلمات پر ثابت قدم رہتے ہوئے تہذیب و معاشرت کے فروعی امور و معاملات میں تبدیلی کے لئے تیار تھے .

۱۸۳ غلام ربانی

اردو افعال

(اردو ادب ۶۰ دسمبر ۲۰۴-۲۲۰)

اردو افعال کو مختلف اقسام میں تقسیم کیا ہے اور ان کے مادوں سے متعلق بحث کی ہے .

۱۸۴ غلام ربانی

عظیم انسان

(مجلس حیدرآباد ۶۱ عبدالحق نمبر ۱۶-۲۵)

ڈاکٹر عبد الحق کو عظیم انسان کی حیثیت سے پیش کیا ہے .

۱۸۵ غلام یزدانی

مولانا عبد الحق

(مجلس حیدرآباد ۶۱ عبدالحق نمبر ۱۴-۱۵)

مولوی عبد الحق کی شخصیت کے چند پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے .

۱۸۶ فاروقی نثار احمد

غالب نما

(برہان ۶۱ جنوری ۵)

(برہان دہلی : فروری و اپریل ۱۹۶۰ع اور تحریک دہلی ؛ مارچ ۱۹۶۰ ع سے مسلسل) . اس قسط میں ۶۸۳ سے لے کر ۸۷۰ تک کے اندراجات شامل ہیں .

۱۸۷ فاروقی نثار احمد

مولوی عبد الحق کا اسلوب

(مجلس حیدرآباد ۶۱ عبدالحق نمبر ۱۰۴-۱۱۱)

مولوی عبدالحق کے اسلوب نگارش پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔

۱۸۸ فاروقی نثار احمد

مثنوی دریائے عشق

(ہندوستانی ادب حیدرآباد ۶۱ جنوری، فروری ۹-۱۴)

میر تقی میر کی مثنوی دریائے عشق پر تنقید کرتے ہوئے مصحفی کی مثنوی « بحر المحبت » پر اسے ترجیح دی ہے۔

۱۸۹ فاطمی انجم

اردو میں آزاد شاعری کا وجود

(شاعر ۶۱ جنوری ۲۳-۲۸)

میراجی، ن . م . راشد ، سردار جعفری اور فیض احمد فیض کی آزاد شاعری کا سرسری جائزہ لیا ہے۔

۱۹۰ فاطمی انجم

جدید اردو شاعری

(صبح نو ۶۱ فروری ۱۷-۲۳)

جدید اردو شاعری کے محاسن و معائب کا جائزہ لیا گیا ہے۔

۱۹۱ فرمان فتحپوری

جرأت کی غیر مطبوعہ مثنوی

(نگار ۶۱ مارچ ۲۶-۳۲)

جرأت کی ایک غیر مطبوعہ مثنوی کا تعارف پیش کیا ہے۔

۱۹۲ فروغ احمد

اسلامی ادب کی تحریک کا ایک تاریخی جائزہ

(چراغ راہ ۶۱ سالنامہ ۴۶-۵۲)

اسلامی نقطۂ نظر سے اردو ادب پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے ۱۹۴۷ ع کے ارد گرد سے باقاعدہ لکھے جانے والے اسلامی ادب کا ایک تاریخی جائزہ پیش کیا ہے۔

۱۹۳ فضل علی

تلگو شاعر ویما

(صبا ۶۱ مارچ ۲۳-۲۵)

تلگو شاعر ویما کا تعارف پیش کیا ہے۔

۱۹۴ فضلی فضل کریم احمد

(چراغ راہ ۶۱ سالنامہ ۱۱۹-۱۲۵)

جگر کی زندگی اور کلام سے متعلق ادارۂ چراغ راہ نے پانچ سوالات پوچھے تھے جو جوابات کے ساتھ درج ہیں۔

۱۹۵ قاضی عبد الودود

دیوان قصائد مصحفی

(شاعر ۶۱ فروری ۱۳-۱۷)

دیوان قصائد مصحفی کے نسخۂ رامپور کی ایک نقل کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے۔

۱۹۶ قدرت نقوی

غالب اور سرسید

(ماہ نو ۶۱ فروری ۸-۱۳)

غالب اور سرسید کے تعلقات پر پر اظہار خیال کیا ہے۔

۱۹۷ قریشی اللہ بخش

اقبال کا نظریۂ زندگی
(فیض الاسلام ۶۱ مارچ ۳۳-۴۴ و ۶۴)
اقبال کا نظریۂ زندگی خالص اسلامی ہے۔

۱۹۸ قریشی حفظ الکبیر
ہمارا موجودہ ادب اور زبان
(صبح نو ۶۱ فروری ۲۴-۲۷)
موجودہ ادب اور زبان کی کمزوریوں اور خامیوں کا بیان ہے۔

۱۹۹ قریشی حفظ الکبیر
اقبال متین اور اس کا فن
(صبا ۶۱ مارچ ۳۳-۳۶)
اقبال متین کی شخصیت اور فن پر اپنی رائے پیش کی ہے۔

۲۰۰ قطب النسا ہاشمی
بابائے اردو ــ ایک تاثر
(مجلس حیدرآباد ۶۱ عبدالحق نمبر ۶۵-۶۸)
بابائے اردو پر اپنے تاثرات پیش کئے ہیں۔

۲۰۱ قیسی الفاروقی
حیات جگر کا ایک باب
(فروغ اردو جگر نمبر ۶۱ فروری، مارچ ۵۳-۸۴)
جگر نے خود اپنے کلام پر وقتاً فوقتاً اصلاحیں دی ہیں ان پر بہت ہی معلومات افروز تبصرہ ہے۔

۲۰۲ قیصر تمکین
روح عصر ۔ جگر کے کلام میں
(فروغ اردو جگر نمبر ۶۱ فروری، مارچ ۲۷۷-۲۸۸)
جگر کے کلام کے سیاسی پس منظر کو پیش کرتے ہوئے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ وہ شعوری طور پر اپنے زمانے کی تحریکات کا علم رکھتے تھے اور ان سے متاثر تھے۔

۲۰۳ کاظمی حسنین
گلچیں معانی
(صبا ۶۱ جنوری، فروری ۳۷-۴۶)
تہران کے مشہور شاعر آقائی احمد گلچیں معانی کی شخصیت اور شاعری کا تعارف پیش کیا ہے۔

۲۰۴ کرامت علی کرامت
امجد نجمی اڑیسہ کا ایک عظیم شاعر
(صبح نو پٹنہ ۶۱ جنوری ۱۵-۲۳)
اڑیسہ کے مشہور اردو شاعر امجد نجمی کی شاعری کا جائزہ لیا گیا ہے۔

۲۰۵ گوپی ناتھ امن
جگر مرادآبادی
(آج کل ۶۱ جنوری ۴۰-۴۱)
جگر سے متعلق اپنے ذاتی تاثرات پیش کئے ہیں۔

۲۰۶ گوہر نوشاہی
اشرف فاروقی
(قومی زبان ۶۱ جنوری ۴۱-۴۳)
میرزا محمد رفیع سودا کے ایک معاصر اشرف فاروقی کا تذکرہ ہے۔

۲۰۷ ماہر القادری
جگر کی زندگی کا ایک روپ
(چراغ راہ ۶۱ سالنامہ ۱۲۶-۲۹)
جگر کی زندگی کے بعض پر لطف

واقعات بیان کئے ہیں۔

۲۰۸ مبارز الدین رفعت

بابائے اردو

(مجلس حیدرآباد ۶۱ عبدالحق نمبر ۳۳۔۳۶)

بابائے اردو عبدالحق کے ادبی مرتبہ پر اظہار خیال ہے۔

۲۰۹ مجنوں گورکھپوری

بابا طاہر عریاں

(آج کل ۶۱ فروری ۳۲۔۴۲)

بابا طاہر عریاں سے متعلق اپنی معلومات پیش کی ہیں۔

۲۱۰ مجنوں گورکھپوری

پردیسی کے خطوط

(سویرا ۶۰ خاص نمبر ۷۔۲۸)

بیدل کے سلسلے میں اپنے خیالات مفصل بیان کئے ہیں۔

۲۱۱ مجنوں گورکھپوری

حکیمانہ و فاصلانہ اسلوب

(صبا ۶۱ مارچ ۷۔۱۱)

حکیمانہ اور فاضلانہ اسلوب پر اظہار خیال کرتے ہوئے، اردو ادب میں اسکی کمی کا احساس دلایا ہے۔

۲۱۲ محمد احسن فاروقی

مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زبان میں

(قومی زبان ۶۱ فروری ۱۸۔۲۰)

اپنی ناول نگاری کو موضوع بحث بناتے ہوئے اردو افسانوں اور ناولوں کے قارئین سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ اچھے ناول پڑھنے کا صحیح مذاق پیدا کریں۔

۲۱۳ محمد ادریس

ٹالسٹائی ۔ ایک تعارف

(جامعہ ۶۱ مارچ ۲۵۰۔۲۶۲)

کاونٹ لیو ٹالسٹائی کے مختصر سوانح کو پس منظر بنا کر اس کی مشہور کہانیوں کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

۲۱۴ محمد اسمٰعیل

پیام ساوتری

(اردو ادب ۶۰ دسمبر ۲۲۱۔۲۳۷)

جگر بریلوی کی تصنیف پیام ساوتری سے متعلق اپنے تاثرات پیش کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ مثنوی اردو ادب کے لئے ایک غیر فانی شاھکار ہے۔

۲۱۵ محمد حسین

جگر کی شاعری

(جام نو کراچی ۶۱ جنوری ۱۹۔۲۷)

جگر کی شاعری خصوصاً ان کی غزل گوئی کے پس منظر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۲۱۶ محمد حسین شمس

جگر کی شاعری میں تصوف

(فروغ اردو جگر نمبر ۶۱ فروری، مارچ ۴۶۰۔۴۶۵)

مثالیں دے کر واضح کیا گیا ہے کہ درد اور اصغر سے متاثر ہوکر جگر کے کلام میں تصوف کا رنگ بھی پیدا ہوگیا۔

۲۱۷ محمد عظیم

جگر کی حیات معاشقه کا ایک ورق

(نگار ۶۱ مارچ ۳۳-۳۷)

جگر کی حیات معاشقہ پر روشنی ڈالی ہے ۔

۲۱۸ محمد عقیل

جگر اور جدید غزل

(فروغ اردو جگر نمبر ۶۱ فروری ، مارچ ۱۹۷-۲۱۲)

جگر کے تغزل کے عوامل کا پتہ لگانے کی کوشش کی گئی ہے ۔

۲۱۹ محمود الحسن

شوقی - جدید عربی ادب کا ممتاز شاعر

(معارف ۶۱ مارچ ۱۹۵)

جدید عربی ادب کے ممتاز شاعر شوقی کی زندگی کے حالات اور اسکی شاعری کا تعارف درج ہے ۔

۲۲۰ محمود علی خاں

دار الکھلا

(چراغ راہ ۶۱ سالنامہ ۱۳۰-۱۳۲)

جگر مرادآبادی کے ایک دفعہ کے قیام بھوپال میں دوست احباب نے رات کے ۹ بجے سے تین بجے تک کی طویل نشستوں کے سبب ایک انجمن کھلا بنائی تھی ، اسی کا ذکر یہاں ملتا ہے ۔

۲۲۱ محمود علی خاں

جگر صاحب

(چراغ راہ ۶۱ سالنامہ ۱۰۹-۱۱۸)

جگر کی عام اور شعری زندگی ، شراب عشق اور اوامر و نواہی پر ان کے عمل کے سلسلے میں اپنے خیالات بیان کئے ہیں ۔

۲۲۲ محمود فاروقی

قرۃ العین حیدر کے دو کردار

(چراغ راہ ۶۱ سالنامہ ۷۱-۹۰)

آگ کے دریا کے دوسو صفحات کا تأثراتی جائزہ قلم بند کیا ہے ۔

۲۲۳ محمود نقوی

نقد بر نقد

(فروغ اردو ۶۱ جنوری ۱۷-۳۰)

جوش ملیح آبادی کی نظم « بھری برسات » پر حضرت نیاز فتح پوری کی تنقید پر دوبارہ تنقید ہے ۔

۲۲۴ محمود واجد

شاہین - ایک تعارف ، ایک مطالعہ

(شاعر ، بمبئی ۶۱ مارچ ، اپریل ۱۳-۱۶)

شاہین غازیپوری اور ان کے کلام کا تعارف کرایا ہے ۔

۲۲۵ مراد علی طالع

شیر محمد خان ایماں

(سب رس ۶۱ مارچ ۱۱-۱۳)

آصف جاہ ثانی کے درباری شاعر میر و سودا کے ہم عصر اور دکن کے مسلم الثبوت استاد سخن تھے ، وہ پہلے حیدرآبادی شاعر ہیں جنھوں نے شمالی ہند کی زبان میں اپنا شاعرانہ کمال منوایا ۔

۲۲۶ مرتضی حسین

خواجہ غلام غوث بے خبر

(آج کل ۶۱ فروری ۱۳-۱۴)

خواجہ غلام غوث بے خبر کی اور

ادبی کارناموں کا تعارف پیش کیا ہے ۔

۲۲۷ مسعود جاوید

افسانوی ادب اور نظریۂ پاکستان

(چراغ راہ ۶۱ سالنامہ ۱۴۔۱۹)

اسلامی ادب کے نقطۂ نظر سے پاکستان کے افسانوی ادب «اردو» کا جائزہ لیتے ہوئے اسکی کوتاہیوں کی نشاندھی کی ہے ۔

۲۲۸ مظفر علی سید

ڈرامے کا فن

(سویرا ۶۰ خاص نمبر ۲۹۔۳۷)

ڈرامے کے فن پر تفصیلی اظہار خیال کرتے ہوئے اردو ادب میں اسکی کمی کا احساس دلایا ہے ۔

۲۲۹ مفتوں کوٹوی

جگر مرحوم کی وطن پرستی

(فروغ اردو جگر نمبر ۶۱ فروری، مارچ ۲۸۹۔۳۰۴)

جگر کے کردار کی ایک اهم خصوصیت پر روشنی ڈالی ہے ۔

۲۳۰ ممتاز حسین

غالب کی ایک تہذیبی قوت

(ماہ نو ۶۱ فروری ۶۔۷)

انیسویں صدی کے ہندوستان میں غالب کو ایک تہذیبی قوت کی حیثیت سے پیش کیا ہے ۔

۲۳۱ منظر سلیم

جگر ـــ ایک انجمن ، ایک تحریک

(فروغ اردو جگر نمبر ۶۱ فروری، مارچ ۲۶۹۔۲۷۶)

جگر کی وسیع النظری ، فراخ دلی اور انسانیت دوستی کا تذکرہ کیا ہے ۔

۲۳۲ مہ جبیں انور

مولانا ابو الکلام آزاد

(صبح نو ۶۱ مارچ ۱۹۔۲۱)

ابو الکلام آزاد کی شخصیت کے بہت سے گوشوں کو بے نقاب کیا ہے ۔

۲۳۳ مہر محمد خاں شہاب

کچھ داغ سے متعلق

(شاعر ۶۱ جنوری ۱۹۔۲۲)

جناب تمکین کاظمی کی کتاب «داغ» پر تبصرہ کرتے ہوئے بعض نکات پر مؤلف کے خیالات سے اختلاف کا اظہار کیا ہے ۔

۲۳۴ نادم سیتا پوری

غالب کا ایک چہیتا شاگرد

(آجکل ۶۱ فروری ۳)

غالب کے ایک شاگرد حافظ محمد حسین بسمل پر اپنے معلومات پیش کی ہیں ۔

۲۳۵ نارنگ گوپی چند

بنارس ـ دیارِ دلبراں

(ہندستانی ادب حیدرآباد ۶۱ جنوری، فروری ۲۸۔۳۱)

بنارس سے متعلق راسخ عظیم آبادی کی مثنوی «کششِ عشق» کا خلاصه پیش کیا ہے نیز بتایا ہے کہ اردو کے ادیب و شعراء نے بنارس کے حسن و جمال کو کس طرح بیان کیا ہے ۔

۲۳۶ ناظر کاکوروی

جگر کی انفرادیت

(فروغ اردو جگر نمبر ۶۱ فروری، مارچ ۲۲۱۔۲۳۶)

مضمون میں اس نکتہ کو واضح کیا گیا ہے کہ جگر کی رومانیت اور رنگیں بیانی ہی ان کے کلام میں انفرادیت کی شان پیدا کردیتی ہے۔

۲۳۷ ناہید صدیقی

اقبال کی مسجد قرطبہ

(شاعر ۶۱ مارچ، اپریل ۱۷-۲۰)

اقبال کی نظم «مسجد قرطبہ» پر تنقید

۲۳۸ نجم الاسلام

اردو شاعری میں آزاد اسلامی ریاست کا تصور

(چراغ راہ ۶۱ سالنامہ ۲۰-۴۵)

تاریخی تسلسل کے ساتھ دکھایا ہے کہ ایک آزاد اسلامی ریاست کے قیام کی آرزو، اس کے عملی جد و جہد اور اس کے تاثرات اردو شاعری میں کس انداز میں نمایاں ہیں۔

۲۳۹ ندوی وحید قیصر

شرف الحسینی شرف اور ان کا کلام

(معارف ۶۱ مارچ ۲۱۰-۲۲۱)

سید ابوالفتح محمد شرف الدین الحسینی شرف ۱۲۹۲ ع میں ڈھاکہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد اور سید محمد آزاد سے تعلیم حاصل کی۔ شاعری میں آزاد اور دوسرے اساتذہ سے استفادہ حاصل کیا۔ ان کے ہاں لکھنؤ، اور دہلی کی زبان اور طرز فکر ملتی ہے۔ امیر مینائی اور داغ کے علاوہ غالب کے رنگ میں بھی شعر کہے۔ گلستان شرف اور دبستان شرف ان کے شعری مجموعے ہیں۔ پہلا ۱۹۳۷ ع میں چھپا ہے۔ ۱۹۶۰ ع میں انتقال ہوا۔ ہر صنف شعر پر قدرت تھی۔

۲۴۰ نذیر احمد ڈاکٹر

ہندی کے چند مسلمان شعراء

(معارف ۶۱ جنوری ۵۸-۶۶)

۲۔ میر عبد الجلیل بلگرامی، غلام نبی بن سید باقر بلگرامی، سید برکت اللہ عبد الواحد ذوقی، محمد عارف بلگرامی، شاہ کاظم اور ابراہیم عادل شاہ کے مختصر حالات کے ساتھ ان کے ہندی کلام کے نمونے درج ہیں۔

۲۴۱ نظر حیدرآبادی

مولوی عبدالحق۔ ایک ادارہ۔ ایک تحریک

(مجلس حیدرآباد ۶۱ عبدالحق نمبر ۱۵۷-۱۵۹)

ڈاکٹر عبدالحق کو ایک ادارہ اور تحریک کی صورت میں پیش کیا ہے۔

۲۴۲ نقوی احراز

جگر بسوانی

(قومی زبان ۶۱ جنوری ۳۶-۴۰)

امیر مینائی کے شاگرد حکیم افتخار علی جگر بسوانی مرحوم کے حالات زندگی اور شاعری کا تذکرہ ہے۔

۲۴۳ نقوی احراز

جگر کی شاعری کا پس منظر

(فروغ اردو جگر نمبر ۶۱ فروری مارچ، ۳۱۹-۳۳۶)

جگر کے عہد کے اس ماحول اور فضا کو پیش کیا گیا ہے جس میں ان کی شاعری کی نشو و نما ہوئی۔

۲۴۴ نقوی احراز

انیسویں صدی کے ظریف اخبار

(آجکل ۶۱ مارچ ۴۱ ـ ۴۶)

انیسویں صدی میں اردو کے چند ظریف اخباروں کا جائزہ پیش کیا ہے۔

۲۴۵ نقی احمد ارشاد

ہندی کی نشو ونما میں مسلمانوں کا ہاتھ

(شاعر ، ۶۱ جنوری ۲۹ ـ ۳۴)

امیر خسرو ، ملک محمد جائسی ، مبارک علی مبارک، رس خان ، اشرف علی فغاں، راجہ جھاؤ لال ، سلطان عظیم آبادی ، شاد عظیم آبادی اور حسرت موہانی کی ہندی شاعری کا تعارف کرایا ہے۔

۲۴۶ نورانی امیر حسن

غالب کے دو نادر خطوط

یا

« غالب بہ حیثیت اخباری نامہ نگار »

(اردو ادب، ۶۰ دسمبر ۲۹ـ۳۶)

اودھ اخبار سے غالب کے دو خطوط کی نقل پیش کی ھے اور ان کا تعارف کرایا ھے۔

۲۴۷ نیاز فتحپوری

غالب کا طرز شاعری

(نگار ، ۶۱ سالنامہ ۴ ـ ۸)

غالب کے شاعرانہ طرز پر اظہار خیال۔

۲۴۸ نیاز فتحپوری

غالب کی شاعرانہ خصوصیات

(نگار ، ۶۱ سالنامہ ۹ ـ ۲۴)

غالب کی شاعرانہ خصوصیات پر سیر حاصل روشنی ڈالی ہے۔

۲۴۹ نیاز فتحپوری

غالب ولی بادہ خوار

(نگار ، ۶۱ سالنامہ ۵۷ ـ ۶۵)

غالب ، بادہ خواری اور اس کی ولایت پر اظہار خیال کیا ہے۔

۲۵۰ نیاز فتحپوری

غالب کا نہانخانۂ ازل

(نگار ، ۶۱ سالنامہ ۶۶ ـ ۷۰)

غالب اور دوسرے قدیم فارسی شعرا کے ہم معنی اشعار پیش کرتے ہوئے توارد اور سرقہ پر اظہار خیال کیا ہے۔

۲۵۱ نیاز فتحپوری

غالب کی مثنوی نگاری

(نگار ، ۶۱ سالنامہ ۷۱ـ۸۸)

غالب کی دس مثنویوں پر اظہار خیال

۲۵۲ نیاز فتحپوری

غالب کا آھنگ و لب و لہجہ

(نگار ۶۱ سالنامہ ۱۰۳ـ۱۱۰)

غالب کے آھنگ و لب و لہجہ پر روشنی ڈالی ہے۔

۲۵۳ وجاہت علی سندیلوی

تجھے اے جگر مبارک یہ شکست فاتحانہ

(فروغ اردو جگر نمبر ۶۱ فروری، مارچ ۲۵۴ـ۲۶۳)

جگر کی شخصیت کے کچھ نقوش ابھارے ہیں۔

۲۵۴ وحید اختر
خورشید الاسلام کی شاعری
(صبا ۶۱ جنوری، فروری ۲۰-۲۱)
خورشید الاسلام کی شاعری پر اظہار خیال

۲۵۵ وزیر حسن دہلوی
اردو کے بڑے میاں
(مجلس حیدرآباد ۶۱ عبدالحق نمبر ۱۷۰-۱۷۵)
مولوی عبدالحق کی اردو خدمات کا تذکرہ کیا ہے۔

۲۵۶ وقار خلیل
یوم محمد قلی قطب شاہ کا آنکھوں دیکھا حال
(سب رس ۶۱ جنوری ۱۹-۲۳)
یوم محمد قلی قطب شاہ منعقدہ ۱۰ جنوری ۱۹۶۰ع کی مختصر روداد

۲۵۷ ونشی دھرجی ودیا لنکار
سچا ھیرہ
(مجلس حیدرآباد ۶۱ عبدالحق نمبر ۶۹-۷۶)
مولوی عبدالحق کی شخصیت پر روشنی ڈالی ہے۔

۲۵۸ ویریندر پرشاد سکسینہ
جگت موہن لال رواں مرحوم
(ہندوستانی ادب ۶۰ مارچ ۹-۱۲)
عزیز لکھنؤی کے شاگرد جگت موہن لال رواں کا تعارف اور ان کے کلام پر تبصرہ ہی۔

۲۵۹ ہاشمی نصیرالدین
ڈاکٹر مولانا عبدالحق ارو دکھنیات
(مجلس حیدرآباد ۶۱ عبدالحق نمبر ۱۳۴-۱۳۸)
مولوی عبدالحق نے دکھنی ادب سے متعلق جو خدمات انجام دیئے ہیں ان کا جائزہ پیش کیا ہے۔

تعلیمات

۲۶۰ یوسف بخاری
میر باقر علی داستان گو
(اردو نامہ کراچی ۶۱ فروری، ۵۱-۶۵)
میر باقر علی اور انکی داستان گوئی کا تعارف کرایا ہے اور انکی مجلسوں کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا ہے۔

۲۶۱ سلامت اللہ
تعلیم کا منصب
(جامعہ ۶۱ فروری ۱۷۵-۱۸۲)
تعلیم کی تہذیبی، سماجی اور تاریخی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اسکی حدود اور امکانات کا تعین کیا گیا ہے۔

۲۶۲ غلام مرتضی حافظ
جدید ہندوستان میں عربی و فارسی کا مستقبل
(معارف ۶۱ مارچ ۲۲۲-۲۳۱)
نئے ہندوستان میں عربی و فارسی کی تعلیم سے متعلق ایک اسکیم مرتب کی ہی۔

ایڈیٹر: نجیب اشرف ندوی
پرنٹر پبلشر حامد اللہ ندوی نے ادبی پرنٹنگ پریس، ۸ شیفرڈ روڈ، بمبئی ۸ میں چھپواکر انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ۹۲ دادا بھائی نوروجی روڈ بمبئی ۱ سے شائع کیا۔

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کا

سہ ماہی رسالہ

نوائے ادب

ناشر

ادبی پبلشرس (شعبۂ اشاعت انجمن اسلام) ممبئی ۸

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

(بمبئی یونیورسٹی سے ملحق)

کے

اغراض و مقاصد

۱. ایم اے کی تعلیم کا انتظام

۲. پی، ایچ، ڈی اور دوسرے تحقیقاتی کام کرنے والوں کی اعانت۔

۳. تحقیقاتی کام کرنے والے اداروں اور جامعوں سے تعاون۔

۴. ایک جامع کتب خانہ کا قیام۔

۵. مختلف کتب خانوں کے اردو کے مخطوطات کی فہرست کی ترتیب۔

۶. نایاب مخطوطات و مطبوعات کی اشاعت۔

۷. اردو سے متعلق ایک علمی و تحقیقاتی سہ ماہی رسالہ کا اجراء۔

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کے

سہ ماہی رسالہ نوائے ادب کی خصوصیات

۱. اردو زبان و ادب سے متعلق مختلف پہلوؤں پر بحث و تحقیق۔

۲. گجرات و دکن کی غیر مطبوعہ اردو تصانیف کی اشاعت۔

۳. اردو سے متعلق تحقیقاتی کاموں کی اطلاع۔

۴. اردو کے علمی و ادبی رسائل کے مضامین کی تلخیص و اشاعت۔

رسالہ سال میں چار بار شائع ہوگا

جنوری اپریل جولائی اکتوبر

چندہ سالانہ: چار روپے مع محصول ڈاک

ششماہی: دو روپے

فی پرچہ: ایک روپیہ

ایڈیٹر: نجیب اشرف ندوی

ترسیل مضامین و خط و کتابت

ڈائرکٹر

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

۹۲. دادا بھائی نوروجی روڈ

بمبئی ۱

خریداری و ترسیل زر

ہندوستان میں:۔

ادبی پبلشرز

۸ شیفرڈ روڈ، بمبئی ۸

نوائے ادب بمبئی

جلد ۱۲ | اکتوبر ۱۹۶۱ ع | شمارہ ۴

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	شذرات	پروفیسر نجیب اشرف ندوی	۲
۲	امیر خسرو بحیثیت ہندی شاعر	صفدر آہ	۵
۳	سرمایۂ کلام غالب	پروفیسر ان. ایل. کے. طالب	۲۵
۴	ہندوستانی سلکشن	پروفیسر نجیب اشرف ندوی	۳۰
۵	جوہری کا بارہ ماسہ	ڈاکٹر سید محمد صدیق	۴۰
۶	علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ سنہ ۱۸۷۳،	جناب عابد رضا بیداری	۵۷
۷	تبصرے		۷۰
۸	مقالہ نما (ضمیمہ)	ڈاکٹر عالی جعفری و دیگر مرتبین	۱-۱۶

شذرات

گذشتہ چند مہینے اردو زبان و ادب کے لئے بہت ہی غمناک ثابت ہوئے ہیں. اردو ایسے تین بزرگوں کی فیض رسانیوں اور ہمت بخش رہنمائیوں سے محروم ہوگئی ہے جو مدرس بھی تھے مصنف بھی، معلّم بھی تھے اور محقق بھی، سراپا علم بھی تھے اور مجسم عمل بھی. وہ اس جماعت کے جس نے سب سے پہلے مشرقی و مغربی علوم و فنون کے سرچشموں سے فیض حاصل کیا شاید آخری رکن تھے. ان میں سے دو بزرگوں نے اپنے زبان و قلم سے اردو کی خدمت کی اور تیسرے نے تو اردو کی زندگی و ترقی کے لئے اپنے جان و مال کی بھی بازی لگا دی.

پروفیسر سید نواب علی کی زندگی تعلیمی دنیا سے شروع ہوئی. پہلے علی گڑھ میں رہے. پھر بڑودہ میں پروفیسر مقرر ہوئے اور وہاں سے سبکدوشی کے بعد ریاست جونا گڈھ کے وزیر تعلیم کی خدماتُ انجام دیں. پروفیسر مرحوم نے سیرۃ، صحف سماوی اور دوسرے علمی و مذہبی موضوعوں پر ایسی محققانہ کتابیں لکھیں کہ ان میں سے بعض تو یونیورسٹیوں میں شریک نصاب کرلی گئی تھیں. بڑودہ کے قیام کے زمانے میں انھوں نے گجرات کی مشہور و مستند تاریخ «مرأۃ احمدی» کو ایڈٹ کرکے گائکواڑ اورینٹل سیریز میں شائع کیا. شاعری سے بھی ان کو دلچسپی تھی. وہ بڑے خاموش، مخیر اور عملی انسان دوست تھے. راقم الحروف کو بھی ان کے ساتھ کام کرنے کی عزت حاصل رہی ہے، مشکل سے مشکل حالات میں بھی ان کی سنجیدگی اور وقار میں کبھی فرق نہیں آیا. وہ بڑے ضابط تھے اور بڑے با وضع تھے.

خان بہادر ظفر حسین خاں مرحوم کا تعلق بھی محکمۂ تعلیم سے تھا. وہ ایک اچھے مفکر اور بلند پایہ انشاء پرداز تھے. اپنے سرکاری کاموں کی فرصت کے درمیان وہ علمی کاموں میں منہمک رہتے. ان کی تصانیف کے بلند معیار کا ایک ثبوت یہ بھی کہ ساہتیہ اکیڈمی کا اردو کا پہلا انعام ان کی تصنیف مآل و مشیت کو دیا گیا. دبستان شبلی سے ان کو خاص لگاؤ تھا.

ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم کی موت ایک ناقابل تلافی سانحہ ہے، اور شاید عرصہ تک ایسا مرد اردو پیدا نہ کرسکے گی اور اس زبان کو ایک ایسا

سچا مجاہد جو اس کی راہ میں اپنی جوانی، اپنا بڑھاپا، اپنی صحت، اپنی کمائی اپنا تن من دھن قربان کردے نہ ملیگا۔ اردو سے ان کا یہ عشق ہمارا خیال ہے کہ نتیجہ ہے اس اثر کا جو انھوں نے سر سید کی صحبت میں اردو کی حفاظت و ترقی کی کوششوں کو دیکھ کرلیا۔ سر سید کی زندگی کے آخری چالیس برس بڑی حد تک اردو کی حفاظت میں گزرے، اور مرنے سے پہلے جو آخری مضمون وہ لکھ رہے تھے وہ اردو کی مدافعت میں تھا، پھر محسن الملک کے زمانے میں اس مسئلہ نے جو تکلیف دہ صورت اختیار کرلی تھی اس کو نزدیک سے دیکھنے والوں میں یہ بھی تھے اور شاید انہیں چیزوں نے ان کو اردو کا سب سے بڑا محافظ مجاہد اور مربی بنا دیا۔ وہ شروع ہی سے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے شعبۂ اردو سے وابستہ تھے اور جب ۱۹۱۲ ع میں وہ انجمن ترقی اردو کے سکریٹری مقرر ہوئے تو اس زمانے کے حالات کے مطابق اردو کے خزانے کو تراجم و تصنیفات کے ذریعہ مالا مال کرنے کا انتظام کیا اور اس طرح دراصل علمی حیثیت سے جامعہ اردو کی بنیاد رکھنا شروع کی، عملی حیثیت سے عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کے تحریک سے لےکر آخر تک بڑی حد تک اس کے روح رواں رہے۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے اردو کی اہمیت دکھانے اور کانفرنس کی حلقہ بگوشی سے نجات دلانے کے لئے انجمن ترقی اردو کو ایک مستقل کل ہند ادارہ بنا لیا اور اس کا سب سے پہلا شاندار اجلاس ۱۹۱۶ ع میں لکھنؤ کی اسی بارہ دری میں ہوا جس میں چار سال پہلے ۱۹۱۲ ع میں سکریٹری مقرر ہوئے تھے۔ اس کے چند برسوں کے بعد ہی انھوں نے سہ ماہی رسالہ اردو نکالنا شروع کیا۔ جوں جوں اردو کی تحریک بڑھتی گئی ان کا دائرہ عمل بھی وسیع تر ہوتا گیا انجمن کی تصانیف کی تعداد سے اس کے ادبی کارناموں کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ اس میں بھی مختلف حیثیتوں سے وہ شریک غالب کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جوں جوں اردو کی تحریک بڑھتی اور اہم ہوتی گئی ان کا حلقۂ عمل بھی بڑھتا گیا۔ اس انجمن ترقی اردو کی جو مقبرۂ رابعہ دورانی کے محدود احاطہ میں بند تھی، سارے ہندوستان میں شاخوں کا جال بچھ گیا۔ اور پھر اردو کے متعلق جو مسئلہ بھی پیدا ہوا اس کے حل و نظم میں ڈاکٹر عبدالحق سب سے آگے سینہ سپر تھے۔ ہم کو یقین ہے کہ اگر تقسیم کے پہلے فضا بہت زیادہ مسموم نہ ہوگئی

ہوتی تو اردو کا مستقبل اس ملک میں کافی محفوظ، مستحکم اور متعین ہوچکا ہوتا۔ اس کا اندازہ اس لغت کی جو اب نا پید ہوگیا ہے، ترتیب و تکمیل سے ہوسکتا ہے جو مولانا نے راجندر عبدالحق معاہدہ کے بعد مرتب کیا تھا۔ تقسیم کے بعد مولانا پاکستان چلے گئے، ان کی زندگی کے چند آخری برسوں نے ان کو بڑی حد تک مایوس کر دیا تھا اور اگر موجودہ حکومت کی حمایت حاصل نہ ہوتی تو معلوم نہیں ان کا کیا خال ہوتا۔ اس مایوسی نے ان کی بیمارئی دل کو ناسور جگر کی شکل دے دی اور ان کا کام تمام کردیا۔

مولانا کی زندگی ایک دردمند انسان، ایک شفیق معلم، ایک ژرف نگاہ محقق، ایک دبستانِ انشاء کے بانی اور ایک نڈر مجاہد کی حیثیت سے ایک مثالی زندگی ہے۔ مجھے بھی اس مجاہد اردو کے زیر علم عرصہ تک کام کرنے کی عزت حاصل رہی ہے۔ اس مجاہد اعظم نے اپنی عمر اردو کی حفاظت کے جہاد میں گزار دی۔ وہ تھک چکا تھا اور اب اسے ابدی آرام کی ضرورت تھی۔ ہمارا فرض ہے کہ اگر ہم اردو کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں تو اس ایثار و قربانی اور علم و عمل کی معزز ہستی کی پیروی کریں۔

اللہ تعالیٰ ان تینوں بزرگوں کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

اسلامی تاریخ سے متعلق عموماً اور ہندوستان کے اسلامی عہد کی تاریخ سے متعلق یورپی اور دوسرے مورخوں نے جو غلط فہمیاں پھیلا رکھی تھیں ان کی اصلاح و تصحیح کے لئے مولانا شبلی رح نے ندوۃالعلماء میں ایک شعبہ اس مقصد کے لئے قائم کیا تھا۔ مولانا سید سلیمان ندوی رح اس کے پہلے ناظم تھے لیکن مولانا شبلی کی ندوہ کی نظامت سے علیحدگی اور پھر قبل از وقت وفات نے اس کام کوانجام نہ ہونے دیا، اب ان کے لائق جانشینوں نے جن میں الحاج مولوی ابوالحسن علی ندوی بھی ہیں «مجلس تحقیقات و نشریات اسلام» کے نام سے ایک علمی ادارہ دارالعلوم ندوۃالعلماء میں قائم کیا ہے۔ ہم کو امید ہے کہ یہ ادارہ تحقیقاتی کاموں کے لئے ایک مثالی ادارہ ہوگا اور ان تعلقات کی روشنی میں جو مولوی صاحب موصوف کو اسلامی ممالک کے علمی حلقوں سے ہیں، وہ زیادہ بہتر و وسیع تر کام کرسکے گا۔

صفدر آہ*

امیر خسرو بحیثیت ہندی شاعر

امیر خسرو کی ہندی شاعری

امیر خسرو کی فارسی شاعری کا جو احترام اور وقار ہے ان کی ہندی شاعری کی عزت اس سے کسی طرح کم نہیں ۔ ان کا ہندی کلام ہمارے قومی شعر و ادب کا نقش اول ہے ۔ اردو ، ہندی ، ہندوستانی یا کھڑی بولی کی پہلی جھلک ہمیں خسرو ہی کی ہندی شاعری میں نظر آتی ہے ۔

خسرو سے تقریباً سو سال قبل ایک شاعر مسعود سعد سلمان لاہوری (۴۳۸ ھ سے ۵۱۵ ھ تک) ہوئے ہیں ۔ پہلے تو شاہی دربار سے متعلق رہے ، اسکے بعد چالیس سال کی عمر میں کسی سیاسی جرم میں ماخوذ ہوئے اور ۱۹ سال تک قید خانے میں رہے ۔ قید ہونے سے قبل اور قید کے دوران میں انھوں نے بہت کچھ کہا ہے ۔

خسرو نے اپنے دیوان غرۃالکمال کے دیباچے میں مسعود سعد سلمان کا ذکر بڑے احترام سے کیا ہے اور بتایا ہے کہ اونکے تین دیوان ہیں ایک عربی میں ، ایک فارسی میں اور ایک ہندوی میں ۔ مسعود سعد کا فارسی دیوان اب بھی باقی ہے اور تقریباً آٹھ سو صفحات پر آقائے رشید یاسمی نے طہران سے شائع کیا ہے لیکن اونکا عربی دیوان غالباً مفقود ہو چکا ہے اور ہندی دیوان کا تو صرف ذکر باقی ہے ۔

مسعود سعد سلمان کے فارسی کلام سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ اونھیں ہندوستانی طرز فکر سے ایک لگاؤ تھا اور ہندوی میں غالباً اونھوں نے بہت کچھ کہا ہوگا ۔ خسرو کی شہادت کے بعد اونکا صاحب دیوان ہندوی شاعر ہونا یقینی بات ہے ۔

---

* والکیشور روڈ ، بمبئی ۶ ۔

لیکن اونکے ہندوی کلام کا آج کوئی نمونہ ہمارے پاس باقی نہیں ہے جس سے ہم اونکے متعلق کوئی واضح رائے قائم کر سکیں۔ ہمارے علم میں ہمارے ادب کی ابتدا خسرو ہی کے کلام سے ہوتی ہے۔

خسرو کے ہندی کلام کی مقدار | خسرو کی حیرتناک مقدار کلام کو سمجھنے کے لئے اونکی زود گوئی، بدیہہ گوئی اور پر گوئی کو ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔

خسرو اپنے چوتھے دیوان بقیہ نقیہ کے دیباچے میں اپنی زود گوئی کے لیے کہتے ہیں کہ میں شعر اتنی دیر میں کہتا ہوں جتنی دیر میں لفظ بیت زبان سے ادا کیا جائے۔ امراء کی محفلوں کے لئے وہ کہتے ہیں کہ وہاں میں بیشتر قلم کا استعمال ترک کردیتا ہوں اور بدیہہ گوئی پر اکتفا کرتا ہوں۔

یہ بیان کسی یاوہ گو کا نہیں، خُسرو جیسے متوازن انسان کا ہے جو شاعری کے علاوہ اخلاق اور روحانیت کی دنیا میں بھی ایک مقام رکھتا ہے۔ ہمیں خسرو ہی کے بیان کی روشنی میں اون کی مقدار کلام کا اندازہ کرنا ہوگا۔

بیشتر تذکرہ نویسوں نے خود خسرو کے قول کے مطابق اون کے فارسی کلام کی تعداد لاکھ ابیات سے زیادہ اور چار لاکھ ابیات سے کم بتائی ہے، تذکرۂ عرفات میں اوحدی کا بیان ہے کہ خسرو کا ہندی کلام بھی اتنا ہی تھا جتنا اون کا فارسی کلام تھا۔ جس کے یہ معنی ہوئے کہ اون کے تین چار لاکھ شعر ہندی میں بھی ہوں گے۔

مولٰینا شبلی کے بیت پرانے معنی مصرع بتاتے ہیں اور خسرو کے اشعار کی تعداد نصف کردینا چاہتے ہیں۔

خسرو کا کلام اگر نصف بھی کردیا جائے تو بھی اتنا زیادہ رہتا ہے کہ شاید ہی دنیا کے کسی شاعر کی مقدار کلام خسرو کے برابر ہو سکے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مولٰینا شبلی کا خیال درست نہیں ہے، بہت پہلے کسی نے بیت کا لفظ مصرعے کے معنی میں استعمال کیا ہوگا، لیکن خسرو کے عہد میں بیت کے معنی مطلع نما شعر کے تھے، خود خسرو نے بھی بیت کا لفظ انہیں معنوں میں اپنی تحریروں میں استعمال کیا ہے؛ جیسے اعجاز خسروی کے پہلے رسالے میں

« نسبت ماجرائے آب » کی سرخی کے ضمن میں انہوں نے حسب ذیل مطلع کو بیت کہا ہے :

ابر می بارد و من می شوم از یار جدا
چوں کنم دل به چنیں وقت ز دلدار جدا

اسی اعجاز خسروی کے دوسرے رسالے میں اختتام تمہید پر وہ اس مطلع کو بیت کہتے ہیں :

ایں قسم مایۂ ہمه در غرب و شرق بیں
ویں بیت درمیانِ دو خط بهر فرق بیں

خسرو اپنی تحریروں میں مصرعے کو صرف مصرع تحریر کرتے ہیں، مصرع کو اونہوں نے بیت کسی جگہ نہیں کہا ہے. مولٰینا شبلی کی غلط فہمی کے باوجود اگر اونہی کے اندازے کو پیش نظر رکھا جائے تو خسرو کے ڈیڑھ دو لاکھ شعر فارسی کے، اور اتنے ہی شعر ہندوی کے ہوتے ہیں.

خسرو کے دو سو برس بعد جب میرزا بائیسنغر نے خسرو کا مکمل فارسی کلام مدون کرنے کا ارادہ کیا تو اونہوں نے ایک لاکھ بیس ہزار شعر تک جمع کئے، لیکن اس کے بعد بھی میرزا کو معلوم ہوا کہ خسرو کے ہزاروں شعر ایسے ہیں جو اون کی بیاض تک نہیں پہونچ سکے ہیں، آخر تھک کر اونہوں نے تدوین کا کام بند کردیا.

ڈاکٹر وحید میرزا کی تحقیق اور اندازے کے مطابق ایک شاعر سیفی میرزا بائیسنغر کے معاونین میں تھا جس نے خسرو کا دیوان مدون کرکے اوس پر دیباچہ بھی لکھا ہے، یہ دیوان « سینٹ پیٹرس برگ » کے کتب خانے میں اب بھی موجود ہے.

اس دیوان کی تعداد اشعار معلوم نہیں، لیکن اگر سیفی میرزا بائیسنغر کے معاونین میں تھا تو اس میں کم سے کم اوتنے اشعار تو ہونا ہی چاہئے جتنے میرزا بائیسنغر نے جمع کئے تھے.

خسرو کے فارسی اشعار آج بھی کافی تعداد میں موجود ہیں، لیکن افسوس ہے کہ اون کی مادری زبان ہندوی کے لاکھ اشعار میں سے اون کے چار پانچ سو شعر

ہمارے پاس باقی رہ گئے ہیں۔ خسرو جیسے عظیم شاعر کا اتنا بڑا ذخیرۂ کلام ضائع ہوجانا ایک جانکاہ ادبی سانحہ ہے جس کے لئے وقت کی بد عنوانیوں کو کبھی معاف نہیں کیا جاسکتا۔

خسرو کا ہندی کلام کیوں ضائع ہوا ڈاکٹر وحید میرزا نے اپنی کتاب «امیر خسرو» میں خسرو کا ہندی کلام ضائع ہونے کا سبب بحوالہ دیباچۂ غرۃ الکمال یہ بیان کیا ہے کہ خسرو کی نظر میں اپنے ہندی کلام کی کوئی وقعت نہ تھی لہذا، اونھوں نے اسے جمع کرنے کے بجائے دوستوں کو بانٹ دیا۔

مجھے ڈاکٹر صاحب کے اس بیان پر تعجب ہوتا ہے، دیباچۂ غرۃ الکمال میں مجھے باوجود کوشش کسی جگہ کوئی عبارت ایسی نہ مل سکی جس میں خسرو نے اشارۃً بھی اپنے ہندی کلام کو بے وقعت کہا ہو، احباب کو ہندی کلام نذر کرنے کا ذکر وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

«جزوِ چندِ نظمِ ہندوی نذر دوستاں کردہ شد»

کتاب میں یہ فقرہ اپنی جگہ مکمل ہے۔ اس سے قبل یا اس کے بعد ایک لفظ بھی اس ضمن میں نہیں لکھا گیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو تحفہ دوستوں کو نذر کیا جائے وہ پست اور ادنیٰ کیوں کر ہوسکتا ہے، خسرو کا اپنی چند نظمیں احباب کو نذر کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ اون کے احباب ان ہندی نظموں کو حاصل کرنے کی فرمائش کرتے ہوں گے۔

ڈاکٹر وحید مرزا کے اس بیان سے مجھے اتفاق نہیں ہے کہ خسرو کا ہندی کلام ضائع ہونے کا سبب اس کی طرف سے اون کی بے اعتنائی ہے۔ در حقیقت اس معاملے میں قصور اوس عہد کے پست ذہنیت، ماحول کا ہے جس میں کسبی زبانوں کی عزت تھی اور مادری زبانیں ہیچ اور بے وقعت سمجھی جاتی تھیں۔ ایک طرف ہندوؤں کا مذہبی طبقہ عوامی زبانوں سے رو گردانی کرکے مردہ سنسکرت کی سمادھی پر عقیدت کے پھول چڑہا رہا تھا، سنسکرت کو سب سے پہلے عوامی شاعر کبیر نے للکارا:

سنسکیرت کوپ، جل بھاشا بہتا نیر

دوسری طرف مسلمان اور درباری لوگ اپنی مادری زبان کو بھول کر فارسی اور عربی کے غلام بن گئے تھے۔ ادبی صحبتوں اور درباروں پر فارسی چھائی ہوئی تھی اور شعر سننے سنانے کا کام اسی زبان میں ہوتا تھا اس صورت میں خسرو کا فارسی کلام تو محفوظ ہوسکتا تھا، لیکن اون کا ہندی کلام کون جمع کرتا۔

ہندوستانی ہونے پر خسرو کو فخر | خسرو قصبۂ بٹیالی میں گنگا کے کنارے پیدا ہوئے اور شہر دہلی میں جمنا کے کنارے مر گئے۔ وہ ہندوستانی تھے، اون کی والدہ ہندوستانی تھیں۔ کثرت سے پان کھانے والے، اون کے سانولے سلونے نانا عمادالملک کا گھرانہ ہندوستانی تہذیب و معاشرت کا ایک معیاری نمونہ تھا۔ ان تمام باتوں پر خسرو نے جابجا فخر کیا ہے۔

اوس زمانے میں خسرو کی مادری زبان ہندوی کا عہد طفولیت تھا، لیکن پھر بھی وہ اپنی فارسی کے لئے غالب کی طرح : ع

فارسی بین تابہ بینی نقش ہائے رنگ رنگ

کا نعرہ نہیں لگاتے، وہ تو فخر کے ساتھ کہتے ہیں:

چو من طوطئِ ہندم ار راست پرسی
ز من ہندوی پرس تا نغز گویم

خسرو کی فارسی کو اہل ایران نے سعدی اور حافظ کی زبان کا درجہ دیا ہے لیکن پھر بھی اونھیں اپنی مادری زبان میں اظہار مطالب کی قدرت زیادہ نظر آتی ہے جس کا اشارہ اوپر کے شعر میں «تا نغز گویم» کے ٹکڑے میں ملتا ہے۔

فارسی کی طرح خسرو عربی پر بھی قادر تھے، لیکن اونھیں اپنی مادری زبان ہندوی، عربی سے بھی بہتر معلوم ہوتی ہے:

ترکِ ہندستا نیم من ہندوی گویم چو آب
شکر مصری ندارم کز عرب گویم سخن

خسرو اپنی پدری زبان ترکی پر بھی ہندوی کو ترجیح دیتے تھے:

اثبات گفتِ ہند بہ حجت کہ راجح است
بر پارسی و ترکی از الفاظ خوش گوار

ظاہر ہے اس زمانے میں بیچاری ہندوی کیا ہوگی، لیکن خسرو کی دور بین نظروں نے اس زبان کا مستقبل دیکھ لیا تھا، اون کا خیال تھا کہ اس نوزائیدہ زبان میں فارسی اور عربی سے زیادہ امکانات موجود ہیں، آج خسرو کی یہ پیشن گوئی آخر سچ ثابت ہوئی۔

ہندی کی طرح ہندوستانی فارسی پر بڑی خسرو کو ناز تھا، غالب کا ایسا بے عدیل فارسی گو شاعر ایک بالکل فرضی اور خیالی ایرانی عالم عبد الصمد سے رشتۂ تلمذ جوڑ کر اپنی فارسی کو مستند منوانے کی کوشش کرتا ہے جس سے غالب کے احساس کمتری کا پتہ چلتا ہے لیکن خسرو ہندوستانی فارسی کو ایرانی فارسی سے کم نہیں سمجھتے۔ وہ اعجاز خسروی کے پہلے رسالے میں «نسبت آب ہیں رواں و لطیف» کی سرخی کے ذیل میں لکھتے ہیں:

> «ہندوستان میں قدیم طرز کی فارسی موجود ہے، لیکن ساتھ ہی دریا دلانِ ہند نے ایک نئی روش کی فارسی جاری کی ہے، جس میں صنائع اس طرح آتے ہیں جیسے قند کی چاشنی میں پانی ملادیا جائے۔ ماوراء النہر اور خراساں کے یخ شکن اس چاشنی سے بے بہرہ ہیں»۔ (مقتبس)

اعجاز خسروی کے اسی رسالے میں «نسبت پختن الوان نعم» کی سرخی کے ذیل میں وہ پرانی فارسی کے لئے لکھتے ہیں:

> «یہ ترکان نخچیر گیر صحرا اور ہندوان ماہی گیر دریا کے کھانے کی طرح بد مزہ ہے»۔ (مقتبس)

غرۃ الکمال کے دیباچے میں وہ ایرانیوں کے تفاخر بلادت کے لئے کہتے ہیں:

> «بعض اہل ایران نے جو بلائے بلادت میں گرفتار ہیں میری فارسی پر نکتہ چینی کی، میں نے یہی چاہا کہ ان احمقوں کو صرف سکوت سے جواب دوں»۔ (مقتبس)

خسرو ہندوستان کو روم و عراق و خراساں سے بہتر سمجھتے تھے:

ترجیح ملک ہند بہ عقل از ہوائے خوش
بر روم و بر عراق و خراسانِ برف بار

خسرو کے نزدیک دانشوران ہند کے سامنے عجم کے اہل حکمت ہیچ ہیں؛

ترجیح اہل ہند بر اہل عجم ہمہ
در زیر کی و دانش و دلہائے ہوشیار

بحوالہ حیات خسروی (سعید مارہروی) اور چشمۂ کوثر (اکرام) خسرو نے ہندوستان کی فضیلت پر دس دلیلیں قائم کی ہیں جسمیں سے چند یہ ہیں!

۱ ۔ یہاں علم نے تمام دنیا سے زیادہ وسعت حاصل کی.

۲ ۔ ہندوستانی دنیا کی تمام زبانیں بول سکتے ہیں لیکن کسی ملک کا آدمی ہندوستانی زبان نہیں بول سکتا.

۳ ۔ ہندوستان میں دنیا کے ہر حصے سے لوگ تحصیل علم کے لئے آئے، لیکن کوئی ہندوستانی تحصیل عام کے لئے باہر نہیں گیا. ابوالمعشر دس سال تک بنارس میں پڑھتا رہا.

۴ ۔ علم حساب میں صفر ہندوستانی برہمن آسا کی ایجاد ہے.

۵ ۔ شطرنج ہندوستان کی ایجاد ہے. وغیرہ وغیرہ.

آخری دلیل یہ ہے کہ ہندوستان کے خسرو کا ایسا شاعر تمام دنیا میں نہیں.

خسرو نے ایک کتاب مناقب ہند میں لکھی تھی جس کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے لیکن اب یہ کتاب بالکل نایاب ہوگئی ہے. ان کی مختلف تصنیفات میں ہندوستان کی مدح سرائی بڑے دلکش انداز میں موجود ہے. علی الخصوص مثنوی نہ سپہر میں چار پانچ سو شعر ہندوستان کی تعریف میں کہے ہیں جو ہر اعتبار سے منفرد ہیں.

خسرو سچے وطن پرست اور ہندوستان کے عاشق تھے. اپنے اشعار میں جہاں جہاں وہ ہندوستان کی تعریف کرتے ہیں تو جیسے ان کی روح بول اٹھتی ہے. ہندوستان کی زمین، ہندوستان کے موسم، ہندوستان کے پرندے، ہندوستان کے پھول، ہندوستان کے ریت رواج، ہندوستان کے دانشور وغیرہ پر جس تاثر سے خسرو نے شعر کہے ہیں اون کی مثال غالباً سنسکرت سے لیکر ہندی اور اردو تک کسی ہندوستانی زبان میں نہ مل سکے گی. حالانکہ خسرو کے عہد میں وطن اور وطنیت کا شعور بالکل نابالغ اور ناپختہ تھا.

خسرو کے ہندی کلام کی حیثیت | خسرو کی بے عدیل ذاتی صلاحیت اور ہندوی

زبان سے اون کے بے پناہ خلوص کو دیکھ کر یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ اپنے لاکھوں ہندی اشعار میں انھوں نے کیا کچھ کہا ہوگا۔ خسرو کا جو کچھ بھی کلام اسوقت باقی ہے اس کا بیشتر حصہ عوام کے سینوں سے اور کم تر حصہ اہل ذوق کی بیاضوں سے ہم تک پہونچا ہے یہی وجہ ہے کہ اون کے کلام کا زیادہ حصہ عام پسند اور کم تر حصہ خالص ادبی رنگ کا ہے۔

خسرو کے ہندی کلام کے ضمن میں شاہان اودھ کے کتب خانے کا ذکر بڑی کافی اہمیت رکھتا ہے۔ شمس اللہ قادری اپنی کتاب اردوے قدیم میں خبر دیتے ہیں کہ خسرو کے مختلف ہندی اشعار کا ایک مجموعہ اور دو سو چیستانوں کا دوسرا مجموعہ اودھ کے شاہی کتب خانے میں موجود تھے۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے انہی دونوں مجموعوں کو سامنے رکھ کر ایک مقالہ خسرو کی ہندی شاعری پر سنہ ۱۸۵۴ ع میں لکھا تھا۔

سخت کوشش کے باوجود مجھے یہ مقالہ نہ مل سکا۔ نہ معلوم اودھ کے شاہی کتب خانے کے نسخے مفقود ہو گئے یا ان کا کچھ حصہ خسرو کے حالیہ ذخیرۂ کلام میں آگیا ہے۔ یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ یہ نسخے کس زمانے کے لکھے ہوئے تھے۔ خیال تو یہی ہے کہ کافی پرانے ہونگے ورنہ شاہی کتب خانے کی زینت کیونکر بنتے۔

ایک گمان اور ہوتا ہے کہ کہیں ڈاکٹر اسپرنگر نے ان مخطوطوں کو ولایت کی ہوا تو نہیں کھلادی۔ اون کے مقالے کا زمانہ وہی وقت تھا جب لکھنؤ پر سفید فاموں کا پوری طرح تصرف ہوا ہے۔

ادبی رنگ خسرو کے موجودہ ہندی کلام میں صرف دو دوہے ایک غزل اور ایک قطعہ خالص ادبی رنگ کے ہیں۔ غیر مستند روایات کے مطابق اس تعداد میں کچھ اضافہ ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ روایات ناقابل اعتنا ہیں۔ دو دوہے حسب ذیل ہیں۔

(۱)

گوری سوئی سیج پر مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر آپنے رین بھئی چھو دیس

(۲)

خسرو رین سہاگ کی جاگی پی کے سنگ
تن میرا من پیو کا دوؤ بھئے اک رنگ

ان دونوں دوہوں میں خسرو کا وہ سوز تغزل کی صورت میں نظر آتا ہے جس کا واسطہ دیکر خواجہ نظام الدین اولیا دعا مانگتے تھے۔ سنسکرت کا شرنگار اس رنگ سے الگ ہوتا ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے جیسے خسرو اپنا رنگ تغزل نوزائدہ ہندی شاعری میں بھر رہے تھے۔

دوہے ہندی میں غزل کا نعم البدل ہیں۔ اس صنف میں بھی غزل ہی کی طرح ایک خیال صرف دو مصرعوں میں ادا کیا جاتا ہے۔ کئی صدیوں تک دوہا ہندی شاعری کی سب سے مقبول صنف رہا ہے۔ اس صنف کی ایجاد کا فخر بھی خسرو کو حاصل ہے۔ سنسکرت پنگل میں دوہے کا وجود نہیں ہے۔

پروفیسر محمود شیرانی مرحوم کی کتاب « پنجاب میں اردو » بحوالۂ دیباچۂ فرہنگ آصفیہ خسرو کے ہم عہد شاعر بو علی شاہ قلندر سے حسب ذیل دوہے کو منسوب کرتی ہے۔

سجن سکارے جائینگے نین مرینگے روئے
بدھنا ایسی رین کر بھور کدی نا ہوئے

اول تو یہ دوہا اور اس کا فارسی ترجمہ امیر خسرو ہی سے منسوب کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ مبارز خاں کے جس واقعے کے ساتھ اس دوہے کا ذکر آیا ہے وہ خسرو کی آخر عمر کا ہے جب ان کی دوہا نگاری مقبول انام ہوچکی تھی۔ مجھے اس دوہے کو بو علی شاہ قلندر سے نسبت دینے میں تامل ہے۔ میں اس واقعے پر بھی اعتبار نہیں کرتا کہ مبارز خاں کے ارادۂ سفر کو ملتوی کرانے کے لئے بو علی شاہ قلندر نے یہ دوہا اور اس کا فارسی ترجمہ نظم فرمایا۔

دوہوں کے علاوہ خسرو کی ایک مشہور ہندوی غزل بھی خالص ادبی رنگ کے تحت آتی ہے۔ اس غزل میں بھی خسرو کا سوز سب سے زیادہ نمایاں ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ فارسی کی طرح ہندی پر بھی قادر تھے۔ یوں تو یہ غزل زبان زد عام ہے۔ پھر بھی اس کے دو تین شعر پڑھئے۔

زحال مسکیں مکن تغافل درائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم اے دل نہ پی لیو کاہے لگائے چھتیاں
شبانِ ہجراں دراز چوں زلف و روز وصلت چو عمر کوتہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
بحقِ روزِ وصال دلبر کہ داد مارا فریب خسرو
سپیت من کی درائے راکھوں جو جان پاؤں پیا کی بتیاں

یہ غزل سنہ ۱۱۳۴ ھ میں بھی اہل ذوق کی بیاضوں میں موجود تھی۔ میرے پاس بو علی شاہ قلندر کا ایک قلمی دیوان مکتوبہ سنہ ۱۱۳۴ ھ ہے۔ اس دیوان کے پہلے صفحے پر اس غزل کے تین شعر حضرت مولوی امیر خسرو کے نام سے درج ہیں۔

اس غزل کے علاوہ اسی فارسی ہندی آمیزش کے رنگ میں خسرو کا دو شعر کا ایک قطعہ اور ہے جو بعض مخصوص بیاضوں میں ملتا ہے۔ شمس اللہ قادری نے اپنی کتاب اردوے قدیم میں یہ قطعہ نقل کیا ہے۔

زرگر پسرے چو ماہ پارا
کچھ گڑھئے سنوارئیے پکارا
نقدِ دلِ من گرفت و بشکست
پھر کچھ نہ گڑھا نہ کچھ سنوارا

یہ قطعہ خسرو کے رنگ کا ہے اور قطعاً اونہی کا ہے۔ اون کی ایک فارسی غزل کا شعر بھی اس انداز کا ہے۔

گفتم چہ طور می کُشی و زندہ می کُنی
او یک نگاہ کرد و نگاہ دگر نہ کرد

ان دو دوہوں، ایک غزل [1] اور ایک قطعے کے علاوہ ادبی رنگ میں

---

(۱) شمس اللہ قادری نے اردوے قدیم میں ایک اور غزل خسرو کے نام سے درج کی ہے۔ میں نے تھوڑے ردوبدل کے ساتھ۔ یہ غزل ایک ایسے ایرانی حکیم صاحب کے نام سے سنی تھی جن کو اردو شاعری کا تو دعوے تھا لیکن اردو بالکل نہ آتی تھی۔ یہ غزل صرف مسخرہ پن ہے۔ اسے خسرو سے منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ صرف دو شعر نقل ہیں۔

خوار شدم زار شدم لت گیا　　در غم ہجر تو کمر ٹوٹ گیا
یار نہیں دیکھتا ہے سوئے من　　بے گنہ ہم سینہ عجب روتہ گیا

خسرو نے نہ جانے کیا کچھ کہا ہوگا۔ لیکن اب وہ سب نقش و نگار طاقِ نسیاں ہو چکا ہے۔

عام پسند رنگ | خالص ادبی کلام کے علاوہ خسرو کا تمام ہندی کلام عوام کے ذریعے سے ہم تک پہونچا ہے اور عام پسند رنگ کا ہے۔ اس کلام کو پست اور رکیک کہ کر نظر انداز کرنے والے نقاد قابل رحم ہیں۔ وہ بیچارے روایت کے اس بری طرح غلام ہیں کہ حسن و لطافت کو اپنے فرسودہ رواجی میعاروں سے ہٹکر دیکھ ہی نہیں سکتے۔ خسرو کے عام پسند کلام میں بھی وہ خصوصیات ہیں جن کو صرف ایک بڑا شاعر ہی پیدا کرسکتا ہے۔

۱۔ خسرو نے اپنے اس کلام کو عام پسندی کی سطح پر رکھتے ہوئے بھی اس میں فوک[۱] کے بھدے اسلوب کی جگہ ایک شائستگی اور تہذیب بیان کو برقرار رکھا ہے۔ یہ کام کسی زبان کی غیر ترقی یافتہ حالت میں بیحد دشوار ہوتا ہے۔

۲۔ یہ کلام سہل ممتنع کا بہترین نمونہ ہے جس کے لئے کہا گیا ہے:

فَاِذا قِیلَ اطمع النـاس طَراً
واذ اُرِیدُ اعجـــز المعجــــزین

جب اسے پڑھا جائے تو عام پسند (عامیانہ) معلوم ہو لیکن جب ایسا کہنے کا ارادہ کیا جائے تو معجز بیاں عاجز ہوجائیں۔

۳۔ اس کلام میں تربیت لغات فارسی و ہندی کا مفید سلسلہ انتہائی دلچسپ انداز میں جاری ہے۔ جیسے حسب ذیل آئنے کی پہیلی جس میں تین زبانوں میں آئنے کا نام موجود ہے۔ لیکن پڑھنے والے کو پتہ نہیں چلتا۔

فارسی بولی آئی نہ (آئنـہ)
ترکی بولی پائی نہ (پائنـہ)
ہندی بولوں آرس آوے (ارس)
کیسے خسرو کوئی بتلاوے

۴۔ اس کلام میں وہ نئے نئے اسلوب اور انداز ہیں جو خسرو سے پہلے کسی

---

(۱) عوام

زبان میں نہیں کہے گئے، جیسے یہ مکرنی:

سگڑی رین مورے سنگ جاگا
بھور بھئی تو بچھڑن لاگا
واکے بچھڑت پھاٹت ہیا
اے سکھی ساجن ؟۔ نا سکھی «دیا»

زرا دیکھئے کس خوبصورتی سے شرنگار رس سے ہالیہ رس میں پہونچے ہیں، بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نئی نویلی دلہن کے دل سے رس کی بوندیں ٹپکیں اور ہنسی کا زعفران زار کھل گیا۔ پھر مضمون کتنا اچھوتا ہے، آخری مصرعے میں مکالمے کا رنگ بالکل نئی بات ہے۔

۵۔ اس کلام کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہندی کے باوجود مسلم معاشرت کا رنگ نظر آتا ہے عام ہندی شاعری پر ہندو طریقۂ فکر اور ہندو انداز معاشرت چھایا ہوا ہے، اودھی یا برج بھاشا کے مسلمان شاعروں کے یہاں بھی ہندوستانی مسلمان کی معاشرت کے کوئی نقوش[1] نہیں ملتے۔

شاعر اعظم کبیر نسلاً مسلمان ہیں لیکن اون کا سارا سرمایہ فکر ہندوانہ ہے، یہ اور بات ہے کہ اون کی ادھیاتمک شاعری میں بعض ژرف نگاہوں کو کچھ ناتراشیدہ مسائل تصوف نظر آجائیں۔ ملک محمد جائسی، رس کھان اور خان خانان وغیرہ کی بھی یہی حالت ہے، ان شاعروں کا کلام بے عدیل اور بے مثل ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کلام کو ہندوستانی مسلم معاشرت سے کوئی لگاؤ نہیں۔

اس کے برعکس خسرو کا ہندی کلام (علاوہ غزل کے) ہندی چھندون میں ہے، ہندوستانی روایات شاعری کے مطابق اس میں عشق عورت کی طرف سے اس کی ریت رواج ہندوستانی ہیں، لیکن اس کی زبان وہ ہندی ہے جو یہاں کے مسلمان بولتے تھے، نیز اس کے بھاؤ میں مسلم معاشرے کی ایک جھلک موجود ہے۔

ساون میں نئی بیاہی دلہن اپنے میکے جاتی ہے، یہ رسم یہاں کے ہندو اور مسلمان دونوں میں مشترک ہے، خسرو ساون کی ملہار گیت کے چھنڈ میں

(۱) صوفیوں کے وہ شاعری جو تبلیغ مذہب کے لئے غیر متوازن ہندی میں کی گئی ہے۔ بالکل بے کیف ہے، لہذا وہ ہندی ادب کا جزو کبھی نہ بن سکی۔ فارسی کے بعد تصوف اوسی وقت نکھرا جب وہ ترقی یافتہ اردو کا جامہ زیب تن کرسکا۔

ایک مسلمان دلہن کی زبانی پیش کرتے ہیں:

اماں میرے بابا کو بھیجو جی — کہ ساون آیا
بیٹی تیرا بابا تو بوڑھا ری — کہ ساون آیا
اماں میرے بھیا کو بھیجو جی — کہ ساون آیا
بیٹی تیرا بھیا تو بالا ری — کہ ساون آیا
اماں میرے ماموں کو بھیجو جی — کہ ساون آیا
بیٹی تیرا ماموں تو بانکا ری — کہ ساون آیا

کتنا خالص ہندوستانی بھاؤ ہے، لیکن اس بھاؤ کے اظہار کا ذریعہ ایک مسلمان دلہن ہے؛ اماں، بابا، بیٹی، ماموں یہ سارے الفاظ وہ ہیں جو ہندی بولنے والے ہندوستانی مسلمان گھرانوں میں بولے جاتے ہیں، ساتھ ہی گیت کا رنگ بھی مسلمانی ہے۔

•

ویدانت اگر ہندوستانی ذہن و دماغ کی معجز نما پرواز ہے تو ویشنو بھاؤ یہاں کے آرٹ اور کلچر کا انتہائی دلکش حسن ہے جس وقت صوفیائے کرام ہندوستان آئے تو اونھوں نے ہندوستانی تفکر اور ہندوستانی کلچر کے حسن دونوں کو اپنایا ویدانت اور تصوف تو اتنا قریب آئے کہ بیشتر تاریخ فلسفہ لکھنے والوں کا یہی خیال ہے کہ تصوف پر ویدانت کا کافی اثر ہے، اسی طرح ویشنو بھاؤ بھی سیکڑوں سال سے تصوف میں پہونچ گیا ہے۔

ویشنو فلسفۂ عشق میں عورت عاشق اور مرد معشوق ہے۔ اپنے مرشد یا پیشوا سے عورت کے انداز میں اظہار عشق دراصل ویشنو بھاؤ ہی کی ایک صورت ہے اس رنگ میں ذرا خسرو کی ایک ہولی سنئے جس میں وہ اپنے مرشد نظام الدین اولیا سے اظہار عشق کررہے ہیں:

دبا ری موہے بھیجو باری
شاہ نظام کے رنگ میں
کپڑے رنگے سے کچھ نہ ہوت ہے
یا رنگ منے تن کو دبویاری - دبّاری

اس ہولی میں وزن گیت کے ہیں، بھاؤ ویشنو ہیں، زبان ہندی ہے، لیکن پھر بھی اون پر ہندوستانی مسلمان کے طرز فکر کا رنگ چڑہا ہے۔

دو سو سال کے اندر انگریزوں کی ریشہ دوانیوں سے ہندوستانی مسلمان کی سیاست کچھ بھی رہی ہو لیکن حقیقت یہی ہے کہ اوس کے معاشرے کے بنیادی رسم و رواج ہندستانی ہیں اور کم و بیش ہندؤں سے ملتے جلتے ہیں۔ بچہ ہونے سے شادی ہونے تک اور شادی سے موت تک مسلمان کے یہاں بھی گیت، ریت اور بھاؤ ہیں جن کی کچھ اپنی خصوصیات ہیں۔ ہندی ادب نے ان کو بالکل جذب نہیں کیا ہے حالاں کہ یہ معاشرہ بھی ہندوستانی تہذیب کا ایک پہلو ہے۔

خسرو کے ہندی کلام پر شکوک پچھلے سو برس کے اندر اس ملک میں فرقہ پرستی کے جو طوفان آئے اون سے یہاں بسنے والوں کے ذہن و دماغ کافی مسموم ہوئے ایک طرف «ہندی، ہندو اور ہندوستان» کا نعرہ لگا تو دوسری طرف ہندی دشمنی اس انتہا پر پہونچی کہ اودھی اور برج بھاشا جیسی زبانوں کو دہقانوں کی بولی بتاکر اون پر نظر کرنا بھی توہینِ ذوق سمجھا جانے لگا، خسرو کے باقی ماندہ ہندی کلام کی اہمیت گھٹانے میں بڑی حد تک اسی ذہنیت کا ہاتھ ہے۔

ستم تو یہ ہوا کہ بعض حضرات نے خسرو کے موجودہ کلام کو اون کی تصنیف ہی ماننے سے انکار کردیا ہے۔ اس بحث کے دو حصے ہیں، جس میں سے ایک حصہ خسرو کی مشہور نظم «خالق باری» سے متعلق ہے۔ پروفیسر محمود شیرانی (مرحوم) نے اس بحث میں بڑی کاوش سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ «خالق باری» کے مصنف امیر خسرو نہیں ہیں۔ شیرانی (مرحوم) کے اس نظریے پر آئندہ صحبت میں روشنی ڈالی جائیگی۔

خسرو کے بقیہ ہندی کلام کے متعلق مختلف لوگوں نے جو کچھ کہا ہے اوسے شبہے سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی، لیکن سوال تو یہ ہے کہ شبہہ بھی کیوں؟ خسرو کے فارسی کلام کی طرح اون کا ہندی کلام بھی ساڑھے چھ سو سال سے اونہی کا کلام مانا جارہا ہے۔ اتنے زبردست تواتر کو رد کرنے کے لئے زبردست دلائل اور بدیہی حقائق کی ضرورت ہے جوشبہہ پیدا کرنے والوں کے پاس قطعاً نہیں ہیں۔

تواتر کی اہمیت سے اگر انکار کردیا جائے تو ننانوے فی صدی پرانے شاعروں کا کلام اون سے منسوب کرنا مشکل ہوجائیگا۔ بہت کم پرانے شاعر ایسے ہیں جن

کا کلام خود اون کے ہاتھ کا یا اون کے عہد کے کسی مستند آدمی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہمارے پاس موجود ہو.

تحریفات | اس وقت خسرو کا کلام « مشتے از خروارے » سے بھی کم باقی رہ گیا ہے. یہ تقلیل بجائے خود استناد کی ایک دلیل ہے، لیکن اس کے باوجود چوں کہ یہ ساڑھے چھ سو سال سے عوام کی غیر علمی ماحول میں ہے لہذا اس پر تحریفات کا تصرف ہوجانا ایک یقینی امر ہے. بغیر عالمانہ نگرانی کے جن ادب پاروں کے امین، آزاد ذہن عوام ہوتے ہیں اون میں ہمیشہ اس طرح کے تصرفات ہوجاتے ہیں.

یہ سچ ہے کہ خسرو کے ہندی کلام کو اب تحریفات اور تصرفات سے یک لخت پاک کرنا ناممکن ہے، لیکن پھر بھی محققانہ جانچ پرتال سے تحریف و تصرف کے اجزاء کسی نہ کسی حد تک الگ ہوسکتے ہیں، مثلاً حسب ذیل بندوق کی پہیلی قطعاً خسرو کی نہیں، کیوں کہ اون کے عہد تک بندوق رائج نہ ہوئی تھی:

ایک نار وہ اوکھ کھاوے
جس پر تھوکے وہ مرجاوے
اوسکا پیا چھاتی سے لگاوے
اندھا نہیں کانا ہوجاوے

مطلب کی غلطی کے علاوہ اس پہیلی کے چاروں مصرعوں میں ایک پھوہڑ پن ہے اور خسرو سراپا سلیقہ تھے.

ڈاکٹر وحید مرزا نے اور کچھ پہلیوں پر اظہار اشتباہ کیا ہے. جیسے یہ آئنے کی پہیلی:

ہاتھ میں لیجئے　　دیکھا کیجئے

ڈاکٹر صاحب نے اپنے شبہے کا سبب تو نہیں بتایا لیکن میرا خیال ہے کہ شاید موصوف کو لیجئے اور کیجئے خسرو کے عہد کی زبان کے خلاف معلوم ہوئے ہوں. میں تو اس پہیلی کو خسرو سے اس لئے منسوب نہیں کرسکتا کہ اس کا مضمون ناقص ہے. « ہاتھ میں لیجئے دیکھا کیجئے » کسی بھی اچھی چیز کے لئے کہا جا سکتا ہے. اس پہیلی کا لازمی جواب آئینہ نہیں ہوسکتا.

حقے اور چلم کی یہ پہیلی بھی ڈاکٹر صاحب مشکوک سمجھتے ہیں:

نئی کی دھیلی پرانی کا تنگ
بوجھو تو بوجھو نہیں چلو میرے سنگ

خسرو کے زمانے تک حقے اور چلم کا رواج نہیں ہوا تھا. لہذا ڈاکٹر صاحب اسے خسرو کی پہیلی نہیں مانتے. میرے نزدیک نئی کی قیمت دھیلی اور پرانی کی قیمت تنگ (تقریباً دمڑی) کا لازمی جواب حقہ اور چلم نہیں ہوتا. دھیلے کی نئی اور دمڑی کی پرانی سیکڑوں چیزیں ہو سکتی ہیں مثلاً ہانڈی جو زیادہ قرین قیاس ہے. لیکن اس پہیلی میں کوئی ذہانت اور جودت نہیں ہے لہذا میں اسے خسرو سے منسوب کرنے پر اصرار نہیں کرونگا.

ایک اور چوڑی کی پہیلی:

چٹاخ چٹاخ کب سے ہاتھ پکڑا ہے جب سے

ڈاکٹر وحید مرزا صاحب اسے بھی خسرو کی پہیلی نہیں سمجھتے. گو ڈاکٹر صاحب نے کوئی سبب نہیں بیان کیا ہے. لیکن چونکہ اس پہیلی کا لازمی جواب چوڑیاں نہیں نکلتا لہذا میں بھی اسے خسرو کی پہیلی نہیں سمجھونگا.

اس عہد کے مایۂ ناز محقق قاضی عبدالودود صاحب نے اپنے ایک مضمون «آزاد بحیثیت محقق» شائع شدہ نوائے ادب بمبئی میں خسرو کے بنائے ہوئے چمّو ساقن کے اس ڈھکوسلے پر اظہار شک کیا ہے.

اوروں کی چوپہری باجے چمو کی اٹھ پہری
باہر کا کوئی آئے ناہیں آئیں سارے شہری
صاف صوف کر آگے رکھے جس میں ناہیں توسل
اورون کے جہاں سنگ سماوے چمو کے وہاں موسل

بھانگ بیچنے والی چمو ساقن پر گڑھا ہوا یہ ایک ڈھکوسلا ہے، جس کا واقعہ بیان کرنے میں مولانا محمد آزاد نے اپنے عہد کی دلی کا رنگ پیدا کرنا چاہا اور لکھ گئے کہ چمّو آتے جاتے خسرو کو حقہ پلاتی تھی. حالانکہ تماکو اور حقہ خسرو کے عہد تک رائج نہیں ہوا تھا. اس غلطی کی بنا پر قاضی صاحب کا خیال ہے کہ چمّو کی کہانی آزاد نے گڑھی ہے.

میں قاضی صاحب سے اس حد تک ضرور متفق ہوں کہ آزاد نے بات بڑھا چڑھا کر بیان کی ہے ۔ لیکن چھتّو ساقن کی مدح میں ڈھکوسلا بھی آزاد نے تصنیف کرلیا یہ بات قابل قبول نہیں معلوم ہوتی۔ ہوگا یہ کہ یہ روایت آزاد نے سنی یا پڑھی ہوگی جو مختصر اور بے کیف ہوگی۔ آزاد نے چیزک کو چیزہا بنایا ہے ۔ اون کی تحریر میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ فنکار آزاد محقق آزاد سے آگے نکل جاتا ہے ۔ بہرحال میں چھتّو کے اس ڈھکوسلے کو خسرو ہی کا سمجھتا ہوں ، حالانکہ شاعر نے چھتّو کا ڈھکوسلا بھی چھتّو ہی کی سطح کا بنایا ہے ۔

آب حیات میں خسرو کے تُک بٹھانے کے متعلق ایک اور کہانی بیان ہوئی ہے کہ خسرو ایک دن گھومتے پھرتے شہر کے باہر نکل گئے ، وہاں ایک کنویں پر چار پنہاریوں نے انہیں چار بے جوڑ لفظ کھیر ، چرخا ، کتا اور ڈھول دئے اور خسرو نے فی البدیہہ ان پر تُک بٹھا دیا :

کھیر پکائی جتن سے چرخا دیا جلا
کتا آیا کھا گیا تو بیٹھی ڈھول بجا

اس تُک کو بعض لوگ خسرو کے لئے دون مرتبت سمجھتے ہیں ، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ چار بے جوڑ لفظوں کو فی البدیہہ ربط دیکر ایک بامعنی شعر بنا دینا خسرو جیسے مشاق ہی کا کام تھا ۔ پھر شعر کا مضمون بھی پنہارنوں کی رعایت سے فوک (عوام) کی سطح کا رکھا جس سے وہ لطف اندوز ہوسکیں ۔ غزلیات ، قصائد لیلیٰ مجنوں اور نہ سپہر کے مصنف کا سادگی کی اس حدتک آنا اوسکے انتہائی کمال کی دلیل ہے ۔ دیہقانی پنہارنوں سے حضرت امیر خسرو کا بات کرنا جنھیں پسند نہ ہو وہ پہلے شاعر کو دیکھے اور اوس کی شخصیت کو پہچاننے کی نظر پیدا کریں ۔

خسرو کی زبان | خسرو نے اپنی مادری زبان کو ہندوی کہا ہے اور اوس میں صدہا اصناف کے اشعار نظم کئے ہیں ۔ ہندوی کے لفظ سے بعض محققین کو غلط فہمی ہوتی ہے ہندوستان میں آنے والے غیر ملکیوں نے اس ملک کے طول و عرض میں بولی جانے والی کسی بھی زبان کو ہندی کہا ہے ۔ ان غیر ملکیوں کے نزدیک ہندی اون صدہا زبانوں میں سے کوئی بھی زبان تھی جو ہمالیہ سے لیکر راس کماری

تک اور بنگال سے لیکر سندھ تک بولی جاتی تھی.

ہمارے بعض محققین حضرات نے خسرو کے « ہندوی » لفظ کو غیر ملکیوں کے استعمال کئے ہوئے « ہندی » لفظ کے معنی دینے کی کوشش کی ہے. لیکن یہ خیال قطعاً غلط ہے. غیر ملکیوں نے بوجہ نادانستگی ہندی کا لفظ کسی بھی معنی میں استعمال کیا ہو مگر خسرو ہندوستانی ہیں ہم اون سے اس غلطی کی توقع نہیں کرسکتے. وہ جہاں بھی ہندوی کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے اون کا مقصد ایک خاص زبان ہوتی ہے جو اون کی مادری زبان تھی اور جو اوس وقت خاص طور سے دہلوی مسلمانوں کے گھروں میں اور عام طور سے دہلی والوں میں بولی جاتی تھی.

خسرو کے بیان کے مطابق اس ہندوی کا وجود اون سے سو ڈیڑھ سو برس پہلے بھی دہلی میں تھا. مسعود سعد سلمان کی زبان کو خسرو نے ہندوی ہی کہا ہے. اس ہندوی کے معنی غیر ملکیوں کے استعمال کئے ہوئے لفظ « ہندی » کے مرادف سمجھنا درست نہیں. خسرو نے ان معنوں میں ہندوی کا لفظ اپنی نثر و نظم میں کہیں استعمال نہیں کیا ہے.

خسرو کے عہد سے کچھ قبل کا زمانہ اور خود خسرو کا عہد شمالی ہند کی لسانی تاریخ میں ایک خاص حیثیت رکھتا ہے. مسلمانوں کے آنے کے بعد دربار دہلی کے چاروں طرف بالخصوص اور دہلی شہر میں بالعموم ایک بڑی خوش آہنگ زبان پیدا ہو گئی تھی جسے بعد میں کھڑی بولی کہا گیا. ہندی کے بعض نئے محققوں نے کھڑی بولی کو کروچھیتر کی زبان ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن یہ نظریہ قطعاً درست نہیں. کھڑی بولی مسلمانوں کے آنے کے بعد فارسی کے زیر اثر پیدا ہوئی ہے جس کا مزاج ہندوستان کی نرم اور پڑی بولیوں سے کسی حدتک مختلف ہے. اس کھڑی بولی میں دہلی کے دارالخلافہ میں آنے والی بیسیوں بولیوں کی دھاریں ہزاروں شدھ اور اپ بھرنش لفظوں کے ساتھ مل رہی تھیں.

خالص زبانوں والے برج بھاشی، پوربی، پنجابی وغیرہ دہلی کی اس زبان کو قطعاً دوغلی زبان کہتے ہونگے. لیکن نئی نئی زبانوں کے سوتے اس نوزائدہ زبان

کو بے پناہ قوت دے رہے تھے اور وہ ہندوستان کی ہر زبان سے زیادہ ترقی کر رہی تھی۔ یہی ملی جلی کھڑی زبان آگے چلکر ریختہ اور اردو کہلائی۔

اس زبان کو دکن والوں نے دہلوی زبان کہا۔ دیہات والے اسے ترکوں کی بولی کہتے تھے۔ دیہاتوں میں اوس وقت ترک کے معنی تھے مسلمان۔ جیسا کہ کبیر نے کہا ہے۔

ہندن کی ہندوائی دیکھی ترکن کی ترکائی

یا

ایک نرنجن اللہ میرا

ہندو ترک دؤ نہیں نیرا

حیرت کی بات یہ ہے کہ آج سے سیکڑوں سال پہلے اس زبان کو ہندوستانی بھی کہا گیا ہے۔ گویا اس کے لئے ملک کی مشترک زبان ہونے کا فیصلہ صدیوں قبل ہوچکا تھا۔ خسرو اسی زبان کی ابتدائی شکل کو ہندوی کہتے ہیں

خسرو کے موجودہ ہندی کلام کا تجربہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اون کی بنیادی زبان کھڑی بولی ہے۔ جس میں برج بھاشا جزو ثانی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے بعد مشرقی پنجاب کی اپ بھرنش اور اودھی کا اثر نظر آتا ہے۔ پھر دارالخلافہ میں آنے والی ملک کی سیکڑوں موجود اور مفقود الوجود بولیوں کے لفظ جابجا بکھرے ہوئے ہیں۔ بیرونی زبانوں میں فارسی اوسکے ساتھ عربی اور ترکی لفظ خسرو کی ہندوی کا جزو ہیں۔

خسروکے ہندی کلام کے باقیات | خسرو کا جو ہندی کلام اس وقت باقی ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے :

صنف کلام	کل تعداد	مشکوک
دوہے	۲	
غزل	۱	
قطعہ	۱	
بوجھ پہلیاں	۲۹	۵
بن بوجھ پہلیاں	۱۱۴	۷

مشکوک	کل تعداد	صنف کلام
٦	٦٧	مکرنیاں
	۲۰	دو سخنے
	۱۲	دو سخنے فارسی و ہندی
	۲۲	نسبتیں
زیادہ تر مشکوک	۸	انملیاں اور ڈھکوسلے
	٦	گیت
	۱	نسخۂ چشم
	تقریباً ۲۱۵ شعر	خالق باری

* پروفیسر ان. ایل. کے. طالب.

سرمایۂ کلام غالب

(۱)

مرزا غالب کی شاعری سے متعلق اہل ادب کے متضاد نظرئے

اہل قلم حضرات نے جن اردو شعرا کے کلام کی طرف خصوصیت سے اپنی توجہ مبذول کی ہے. ان میں سے علامہ اقبال مرحوم کے سوا شاید ہی کوئی ایسا ہوگا جس پر مرزا غالب سے زیادہ لکھا گیا ہو. منجملۂ دیگر تصانیف کے ان کے سوانح حیات اور شاعری پر مولانا حالی کی مشہور تصنیف یادگار غالب باوجود اس کے کہ بعض کے نزدیک مولانا نے اس میں اپنے استاد سے بیحد عقیدت کی بنا پر مرزا کی تعریف میں مبالغہ کیا ہے اور اپنے بیان میں توازن قائم نہیں رکھ سکے ہیں اور بعض کی رائے میں وہ مرزا کے ذہن و کمال کی مکمل اور صحیح تصویر کھینچنے سے قاصر رہے ہیں، اب بھی ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے، خاص کر اس وجہ سے کہ اس نے عوام کو مرزا کے طبعی عادات، حالات اور کم و بیش ان کے شاعرانہ کمال سے پہلی دفعہ روشناس کرا دیا. سچ پوچھئے تو «یادگار» کے منصۂ شہود پر آجانے سے پہلے مرزا کی اصلی شخصیت اور خدا داد قابلیت پر پردہ پڑا ہوا تھا اور ان کی قدر دانی جس کے وہ مستحق تھے بالکل نہیں ہوئی تھی.

«یادگار» کے بعد مرزا کے کلام پر بیشمار مضامین لکھے گئے۔ ان کے اردو دیوان کے کئی نسخے مختلف ناشروں نے طبع کئے. اس کی بیسیوں شرحیں وجود میں آئیں. بہت سے رسائل و جرائد نے مرزا کی یادگار میں خاص نمبر نکالے

---

* پروفیسر ان. ایل. کے. طالب ایم. اے. ایم. او. ایل. سری نگر، کشمیر

جن میں ان کی شاعری کے محاسن و معائب پر بصیرت افروز اور سیر حاصل تحریریں شائع ہوئیں۔ اکثر سخن فہموں نے دادِ سخن دے کر ان کے اشعار سے متعلق بلند پایہ اور عالمانہ مقالے سپرد قلم کئے۔ ملک کے نامور ادیبوں نے کلام کی خصوصیات کا جائزہ لیا اور فرداً فرداً مختلف پہلوؤں سے ان سے بحث کرکے متعدد کتابیں لکھیں۔ کسی نے ان کو پیغمبر سخن قرار دیا تو کسی نے مہمل گو، کسی نے سب سے بڑا مجدد فن اور جدت پسند ٹھہرایا تو کسی نے محض نقال اور خوشہ چیں۔ بعض کے نزدیک ان کے کلام میں لفظ ہی لفظ ہیں معنی ندارد۔ بعض کا خیال ہے کہ الفاظ سے قطع نظر ان کی شاعری جذبات کی آئنہ دار اور نازک خیالی اور معنی آفرینی کا ایک بے نظیر مرقع ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ ان کا صحیفۂ سخن فقط چند بے ربط اور پریشاں خیالات کا مجموعۂ ہے۔ کسی کی رائے ہے کہ غالب بہت بڑے فلسفی تھے، اور ان کو فلسفی ثابت کرنے میں اتنا مبالغہ کیا کہ وہ شاعر بھی باقی نہ رہے۔ کوئی کہتا ہے خدا جانے غالب کا فلسفہ کیا بلا ہے، صرف مرزا بیدل وغیرہ کے ہاں سے چند فلسفیانہ نکتے اڑا لینا فلسفہ نہیں ہے۔ کسی کے نقطۂ نظر سے ان کے اشعار میں عاشقانہ رنگ نہیں ہے اور تغزل تو چھو نہیں گیا۔ کسی صاحب کا ارشاد ہے کہ ان کے چھوٹے سے دیوان میں کیا نہیں ملتا یعنی کوئی چیز ایسی نہیں جس کا تعلق کائنات سے ہے اور لوازمۂ شاعری قرار دی جاسکے ان کے ہاں موجود نہیں۔

الغرض فقط چند حق پسند اور غیر جانبدار ادباء کے سوا بیشتر مختلف المذاق حضرات نے مرزا کے کلام پر جو رائے زنی کی ہے وہ اکثر انتہا پسندی پر مبنی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں دو گروہ پیدا ہوگئے۔ ایک تو وہ جو انہیں دنیا کا بہترین شاعر قرار دیتا ہے اور ان کے اشعار کو آیات الٰہی کا مرادف سمجھتا ہے۔ دوسرا وہ جو ان کو اردو کا شاعر تسلیم کرتا ہی نہیں اور اگر کرتا بھی ہے تو نہایت ہی پست درجے کا۔

غالب پرستوں میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری مرحوم خصوصیت سے قابل ذکر ہیں جو مرزا کے کلام میں ہر عیب کو بھی ہنر سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کی تعریف میں اس قدر رطب اللساں ہیں کہ ان کو دیوان کے وید مقدس کے برابر

ایک الہامی کتاب سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ « غالب اور گیٹے (جرمنی کا مشہور شاعر) دونوں کی ہستی انسانی تصور کی آخری حدود کا پتہ دیتی ہے ، شاعری پر دونوں کا خاتمہ ہوگیا ہے » . ڈاکٹر صاحب واقعی شاعری کے وہ تمام محاسن جو مغربی فنکاروں اور انشا پردازوں نے گنائے ہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر اور اپنے معنی پرو کر نکالنے کی کوشش کرتے ہیں . شیخ محمد اکرام صاحب مصنف «غالب نامہ» بجا لکھتے ہیں کہ « ڈاکٹر صاحب واقعی کئی ایسے فقرے لکھ گئے ہیں جو حقیقت سے زیادہ عقیدت پر مبنی ہیں انہوں نے مرزا کے کئی اشعار کو ایسے معنی پہنائے ہیں جو شاعر کے خیال میں نہیں ہوسکتے . » اس میں شک نہیں کہ ڈاکٹر صاحب کی اس کوشش سے اگرچہ مرزا کی شاعری کے بہت سے مخفی پہلو سامنے آئے اور ان کی شہرت و مقبولیت میں اضافہ بھی ہوا لیکن اس کے ساتھ ہی اس مبالغہ آمیزی نے کئی ناقدین کو چونکا دیا . چنانچہ اس ردِ عمل کا یہ نتیجہ ہوا کہ ڈاکٹر صاحب اور ان کے ہمخیالوں کے جواب میں کئی کتابیں لکھی گئیں . ان میں سے ایک ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب کی تصنیف « غالب » ہے . اس میں وہ اپنے نقطۂ نگاہ اور تنقیدی معلومات سے بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں . « مرزا کا اصلی رنگ ذہنی اور دماغی ہے . ان کے اردو کلام میں شاعری سے زیادہ فن صنعت گری نمایاں ہے اور احساس سے زیادہ فکر و تخیل یا خیال آرائی کے آثار پائے جاتے ہیں . ان کو زندگی میں ہم آہنگی بھی حاصل نہیں ہوئی . ان کی بے اطمینانی خود اس بات کی مظہر ہے کہ وہ دنیا کو سمجھنے ، زندگی کو پر تالنے اور کائنات کی محبوب چیزوں کو تاڑنے کی قابلیت نہیں رکھتے تھے . بحیثیت شاعر کے وہ مبتلائے فریب رہے ، ان کی شاعرانہ پیداوار میں نہ تو وہ محبت ہے . جو حیات آفریں ہوتی ہے نہ وہ ہم آہنگی جو حقائق سے پیدا ہوتی ہے اور نہ وہ ہم آہنگی جو پناہ گزینی کے احساس سے ظہور پزیر ہوتی ہے .... انہوں نے ایک منتشر زاویہ نگاہ کے سائے میں منتشر زندگی بسر کی اور ہمارے لئے ایسی شاعری چھوڑ دی جو خود ہم آہنگی سے معرا ہے . ان کا شمار مشاہیر عالم میں نہیں ہوسکتا . »

ڈاکٹر صاحب کے علاوہ مرزا یگانہ چنگزی ایسے غالب شکن بھی میدان میں آئے جو مرزا کو پرلے سرے کا بے سرا ، سخن دزد اور گونگا قرار دیتے ہیں ، اور کہتے ہیں کہ وہ نفس مطلب کو شاعرانہ زبان میں ادا نہیں کرسکتے ، صرف

ٹھونس ٹھانس کے تکبندی کرلیتے ہیں۔ مرزا یگانہ اور ان کے بعض ہمنوا مرزا غالب پر سرقہ کا الزام بھی عائد کرتے ہیں اور ان کا واحد ماخذ فارسی کے چند مشہور شعراء کا کلام بتاتے ہیں۔ اہل ادب بخوبی جانتے ہیں کہ مرزا یگانہ اپنی شاعرانہ عظمت سے کہیں زیادہ مرزا غالب کے خلاف زائد از ضرورت نکتہ چینی کا ہنگامہ برپا کرکے ادبی دنیا میں نام پیدا کرچکے ہیں۔ اگرچہ مرزا غالب کے مداحوں کے علاوہ بعض انصاف پسند حضرات نے ان کی شدید مبالغہ آمیز عیب جوئی اور بلاوجہ درشت بیانی کو بنظر حقارت اور ان کی یک طرفہ رائے کی کما حقہ تردید بھی کی لیکن وہ عمر بھر اپنی ضد پر اڑے رہے اور ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے۔

ظاہر ہے کہ کسی شاعر کا کلام جسقدر زیادہ نقادوں کی تحقیق و تدقیق کا موضوع قرار پائیگا یا ان کی خاص توجہ کا مرکز ہوگا اسی قدر اس کے افکار سخن کی خوبیوں اور خامیوں کے اجاگر ہونے کا زیادہ امکان ہے۔ مرزا غالب کے مختصر سے اردو دیوان پر بہت سے شعرا و ادباء نے خامہ فرسائی کی ہے اور اپنی علمی استعداد قوت ادراک کے مطابق اظہار رائے کیا ہے۔ چونکہ ان میں سے ہر ایک کی ذہنی نشو و نما ایک ہی معیار کی ہونی ضروری نہیں اس مضمون میں متضاد آراء سے دو چار ہونا نہ تو غیر متوقع ہوسکتا ہے اور نہ تعجب انگیز۔ افسوس صرف اس بات کا ہے کہ بعض اصحاب نے فقط تصویر کے ایک رخ کو دیکھنے کی کوشش کی ہے اور دوسرے کی طرف سے آنکھیں بند کرلی ہیں۔ غرض انتہا پسندی کا ایسا رویہ اختیار کیا ہے کہ اس سے مرزا کی شخصیت ایک دھندلی فضا کی دھوپ چھاؤں میں کبھی تو اتنی روشن نظر آتی ہے کہ آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اور کبھی اتنی تاریک کہ محض ایک مبہم عکس بن کر رہ جاتی ہے۔ اس طرح ان کی حقیقت شاعری کا صحیح تصور واضح طور پر قائم نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طرف تو وہ ایک فوق البشر ہستی کی حیثیت میں پیش کئے گئے ہیں اور دوسری طرف ان کی رفعت و عظمت سے انکار کیا گیا ہے جس کے وہ حامل ہیں۔ ڈاکٹر بجنوری مرحوم کے علاوہ بہت سے دیگر سخن فہموں نے مرزا کے ایک شعر کی شرح کرتے ہوئے بال کی کھال نکالی، ان کے آئینہ کمال میں سینکڑوں ایسے عکس ڈھونڈنے کے درپے رہے جو درحقیقت وہاں موجود نہ

تھے مگر ان کو نظر آئے اور اس طرح مرزا کے اصلی خیالات و جذبات اور معانی اشعار کو بہت بڑھا دیا۔ بخلاف اس کے ان کے کمال فن سے انکار کرنے والوں نے ان کی معمولی لغزش کو بھی بڑھا چڑھا کر بیان کیا اور مبالغہ کی رنگ آمیزی سے چمکا دیا۔

مرزا کے حق میں اور ان کے خلاف اتنا ذخیرہ مواد موجود ہوتے ہوئے بھی کئی باریک بیں علمدوست حضرات اور شعر و سخن سے ہر قسم کے مطالب پیدا کرنے والے اب بھی تشنہ لب ہیں اور پہلو بدل بدل کر ان کی شاعری کا مزید جائزہ لینے یا اس کی باریکیوں کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے اس پر دل کھول کر روشنی ڈالنے کی غرض سے زیادہ سے زیادہ سامان بہم پہنچانے کی فکر میں ہیں اور تحقیق و تنقید کے شوق میں اس مضمون کو پامال و فرسودہ نہیں ہونے دیتے۔ آئندہ بھی نہ معلوم مرزا کے اور کتنے بت تراشے اور توڑے جائینگے، یہ مرزا کی شخصی عظمت اور بلند پایہ کلام کا ایک بڑا ثبوت ہے۔

یہ امر باعث اطمینان ضرور ہے کہ ملک میں چند ایسے اعتدال پسند حق گو اور متوازن دماغ رکھنے والے ادیب اور ناقد بھی موجود ہیں جو بلند بانگ مدعیوں کی خود پسندانہ رائے اور یک طرفہ فیصلہ کو خاطر میں نہیں لاتے اور نہ ان کے مشرقی و مغربی علوم سے بہرہ ور ہونے کی بنا پر مرعوب ہوتے ہیں۔ وہ محض کسی جذبے کے تحت یا کسی ایسے نقاد کی کورانہ تنقید میں حقیقت کو نظر انداز نہیں کرتے بلکہ جیسا کہ انصاف کا تقاضا ہے تمام متعلقات کو سامنے رکھکر مرزا کے کلام کا تجزیہ کرتے ہیں۔ اس کے حسن و قبح کو معقول پیرائے میں زیر بحث لاتے ہیں۔ افراط و تفریط سے بالا ہوکر بیجا حماقت یا مخالفت سے دامن بچاتے ہیں اور واقعات کی روشنی میں دلائل و براہین کے سہارے اپنی جچی تلی رائے آزادانہ طور ظاہر کرنے سے نہیں جھجکتے۔ حق تو یہ ہے کہ ایسے حضرات کا شعور تنقید پختہ اور معیار سخن شناسی ارفع ہے اور عوام میں صحیح و شستہ مذاق پیدا کرنے کی اہلیت انہی کا حصہ ہے۔ (باقی آئندہ)

*نجیب اشرف ندوی

ہندوستانی سلکشن[۱]

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ارباب حل و عقد نے فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے بعد اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ کلکتہ کی طرح مدراس اور بمبئی میں بھی کمپنی کے غیر ہندی ملکی اور فوجی ملازموں کے لئے ہندوستان کی مشترکہ زبانِ اردو میں تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ مدراس اور بمبئی میں اس طرح کے مرکز قائم کئے گئے۔ ہم کو افسوس ہے کہ مدراس اور بمبئی کے ان تعلیمی مرکزوں سے متعلق ہمارے معلومات نہیں کے برابر ہیں۔ مدراس کے متعلق اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مرکز میں جس کا نام کالج فورٹ سینٹ جارج تھا، ایک کتب خانہ بھی تھا۔ اس میں اردو کی قلمی کتابیں بھی موجود تھیں۔ پور انوار سہیلی کے ایک دکنی ترجمہ کا بھی پتہ چلتا ہے، یہ ترجمہ محمد ابراھیم بیجاپوری نے کیا تھا، اور سنہ ۱۸۳۴ع میں شائع ہوا تھا۔ لیکن حالات سے ایسا پتہ چلتا ہے کہ امتحانات کا معیار ایک رکھنے اور مزید اخراجات سے بچنے کے خیال سے بمبئی اور مدراس کے مرکزوں نے بھی فورٹ ولیم کالج کی کتابوں کو ہی داخل نصاب کرلیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اسی وجہ سے کالج کی اکثر اہم کتابیں بمبئی میں چھاپی گئی تھیں۔ مدراس میں بھی وہاں کے امتحان کے لئے کالج کی مندرجہ ذیل کتابیں نصاب میں داخل تھیں[۲]:

(۱) اخلاق ہندی از بہادر علی حسینی

---

* ڈائرکٹر اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ،، دادا بھائی نوروجی روڈ، بمبئی نمبر (۱).

(۱) میرا خیال ہے، کہ چونکہ فوجی افسروں کو ہندوستانی بولنے والوں سے سب سے زیادہ رابطہ رہتا تھا، اس لئے ان کو ہندوستانی زبان کے سیکھنے اور اس میں امتحان دینے پر زور دیا جاتا تھا، چنانچہ انتخاب بھی بڑی حد تک فوجی افسروں ہی کے لئے مرتب ہوا ہے۔

(۲) دکنی اردو جسے مرتب (کرناٹکی) کے نام سے یاد کرتا ہے ایک بڑے حلقہ میں پھیلی ہوئی ہے اور مدراس کے سلسلے میں بھی جب اس کا ذکر آتا ہے تو اس سے وہ سارا علاقہ مراد لیا جاتا ہے جو گذشتہ نظام حکومت، کرناٹک، میسور سے ایکر قدیم صوبہ مدراس کے سارے علاقہ پر مشتمل ہے۔

(۲) باغ و بہار [چہار درویش] از میر امن
(۳) اخوان الصفا ،، اکرام علی
(۴) مذہب عشق یا قصہ بکاولی ،، نہال چند لاہوری
(۵) باغ اردو ،، شیر علی افسوس

لیکن کلکتہ اور مدراس میں دو چیزوں میں اختلاف تھا، ایک تو یہ کہ کلکتہ شمالی ہند کا ایک شہر تھا، اس لئے یہاں کے اردو بولنے والے دہلی، لکھنؤ، عظیم آباد اور مرشد آباد وغیرہ کی زبان بولتے تھے، دوسرے یہاں کے اکثر مترجمین، مولفین اور دیسی اساتذہ بھی شمالی ہندوستان کے لسانی اور ادبی مرکزوں سے وابستہ تھے، پھر جان گلکرائسٹ اور دوسرے غیر ہندوستانی اساتذہ بھی دہلی اور لکھنؤ وغیرہ کی زبان ہی کو مستند سمجھتے تھے، اس لئے وہاں کے کمپنی کے ملازموں نے نصاب کی کتابوں کو جس طرح وہ لکھی گئی تھیں باقی رکھا، لیکن مدراس میں ان کو یہ مشکل پیش آئی کہ وہاں جو لوگ اردو یا ہندوستانی بولتے تھے ان کی زبان، لہجہ، صرف و نحو اور محاوروں کے لحاظ سے ایک حد تک مختلف تھی، اسلئے مدراس کے ملازمین جب کتاب میں ایک چیز کو مذکر پڑھتے اور لوگوں کو مونث بولتے سنتے یا اردو جمع «ؤں» کی جگہ «آں» سے بناتے دیکھتے یا «نے» علامت فاعلی کو غائب پاتے تو پریشان ہوجاتے. پھر شاید وہاں کے کمپنی کے ملازمین فارسی وغیرہ سے بھی دلچسپی نہیں رکھتے تھے، باغ و بہار، مذہب عشق وغیرہ کی بعض عبارتیں ان کی سمجھ میں نہ آتی ہوں گی اور ان کو ان کتابوں کے پڑھنے سمجھنے اور سوالات کے جوابات لکھنے میں دقت پیش آتی ہوگی، اس لئے جب اس ہندوستانی سلکشن کے مرتب کو ان سرکاری ملازموں کے پڑھانے کا موقع ملا تو اس نے اپنے طالب علموں کی دقتوں کو محسوس کیا اور وہاں کے مرکز تعلیم و امتحان کے افسر اعلیٰ سے یہ رائے ظاہر کی کہ ان کتابوں کو جہاں تک ہوسکے کرناٹکی[۱] (دکنی) اسلوب میں لکھا جائے تو امتحان دینے والوں کے لئے آسان ہوگا. افسر نے اس تجویز کو پسند کیا اور مرتب نے اس منظوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تین کام کئے (۱) عبارت کو کرناٹکی زبان کی طرح لکھا، (۲) اشعار اور مشکل عبارتوں کو نکال دیا، (۳) اس کے ساتھ اخلاق کے بلند رکھنے کے لئے ایسی عبارتیں جس میں مترجمین کھل کھیلے تھے حذف کردیں یہاں تک کہ کوئی ناشائستہ

لفظ آگیا ہے تو اس کی جگہ دوسرا لفظ لکھ دیا گیا ہے، چنانچہ مرتب اپنے سبب تالیف میں لکھتا ہے:

سبب تالیف

« امّا بعد عاصی پُر معاصی اضعف العباد سراپا عجز و نیاز غلام حسین بحیلمی ولد غلام‌نبی بحیلمی قلعه دار حضرت ٹیپو سلطان شہید مغفورِ مبرور و نور الله مرقدہٗ الی یوم النشور نہایت عاجزی و انکساری کے ساتھ خدمات میں ناظرین اس نسخۂ مفید کے یہ گذارش کرتا ہے کہ یہ بندہ ایک عرصہ دراز سے بذریعہ سفارش غربا پرور تلاطف مظہر معدنِ علم و فضل منبع جود و بذل کرنل چارلس الفرڈ برون[1] صاحب بہادر دام اقبالہٗ کے اہل شمشیر سرداروں کی درس و تدریس میں اوقات بسری کیا کرتا تھا. آخرش حسن تائید سے صاحب موصوف و اجینٹ جنرل لفٹنٹ کرنل[2] اُوڈس صاحب بہادر کی ملٹری یکزامننگ کمیٹی کی منشی گری سے سرفراز و ممتاز ہوکر صاحبین موصوفین کی دعا گوئی میں مشغول ہوکے سرداروں کی تعلیم و تربیت میں مستعد و مامور تھا مگر اس عرصے میں بسا اوقات اکثر سرداروں کو امتحان کے واسطے مقرر کئے گئے پانچوں اردو محاورے کے رنگینی و استعارات آمیز کتابوں کی مطالب دانی و برجستہ مترادف فقروں کی نزاکت فہمی میں عاجز و قاصر اور کرناٹکی محاورے میں ترجمہ لکھتے وقت دھوکا کھاتے اور رکتے دیکھ کر اپنے ذہن ناقص میں یوں تصور کیا کہ اگر ان کتابوں کے بعض بعض موقعوں میں لکھے گئے تھے سو عشق آمیز مطالب واگذاشت کر کر اختصار کے ساتھ حتی المقدور کرناٹکی محاورے میں بشرطیکہ اصل مطلب فوت نہووے اور فصاحت میں رکاکت نہ پائی جاوے تالیف کریں تو سرداروں کو امتحان کے کُپل گھاٹ سے پار ہونے کی خاطر وثیقۂ واثق وذریعۂ لائق ہوگا. نظر کرتے اس کی، خدمت عالی

---

(۱) Col. Charles Alfred Browne سنہ ۱۸۶۶ ـ ۱۸۰۲ سنہ ۱۸۲۰ میں مدراس کی فوج میں داخل ہوا، اس نے قواعد فارسی پر ایک کتاب لکھی ہے. مدراس کے مرکز کے فارسی و اردو کا ممتحن تھا. سنہ ۱۸۶۴ع میں ملازمت سے سبکدوش ہوا، اور ۱۴ فروری ۱۸۶۶ع کو مرا.

(۲) Adjutant General Lt. Col. William George Woods

میں ایجنٹ جنرل کرنل اودّس صاحب بہادر کی جو فدوی کے حامی و مرّبی معاون و مددگار اور ہندوستانی زبان کے ماہر و استاد ہیں، گذارش کیا تو بہادر موصوف کو بندے کی بہبودی و ناموری اور سرداروں کی تعلیم منظور ہی تو تھی زبان درفشاں سے فرمائے کہ یہ تجویز نہایت معقول و مناسب نظر آتی ہے بلکہ تمہیں کو اس کا حکم کرتا ہوں، تب من ہیچ مدانِ کج مج بیان باوجود عدم استعداد حسب الحکم سردار عالی وقار کے بہ مضمون الامر فوق الادب کمر ہمت باندھا اور جرأت پرداز ہوکے اس مجموعۂ مفید کی ترتیب میں مستعدو مشغول ہوکر عرصۂ قلیل میں انصرام کو پہنچایا اور نام اس منتخبات مفید کا مقالات خمس رکھا کہ ہم نام ہے و ہم تاریخ. صاحب ممدوح بھی بہ نظر اصلاح ملاحظہ فرماکے قالب طبع میں لانے کا حکم فرمائے جب کہ یہ نسخہ ایسے سردار ذی فہم عالی ھمم کے منظور ہووے تو پھر دوسرے کیوں نہ پسند کریں بمقتضا اس ضرب المثل کے مقبول یک کس مقبول صد کس.»

مقالات خمس سے سال تاریخ سنہ ۱۲۷۲ھ (۱۸۵۶ع) نکلتا ہے. چنانچہ مرتب کا بیان ہے کہ:

«نام اس منتخباب سفیہ کا مقالات خمس رکھا ہے کہ ہم نام ہے و ہم تاریخ ہے».

زیر نظر نسخہ میں جو کتاب کا تیسرا ایڈیشن ہے، کتاب کا نام ہندوستانی سلکشن دیا گیا ہے. خاص سرورق نہیں ہے لیکن صفحہ اول ہی پر کتاب کی طباعت کا حال مفصل طور سے لکھا گیا ہے اور اس میں مرتب نے یہ دکھانے کے لئے کہ وہ بھی فورٹ ولیم کالج کے منشیوں سے رنگین بیانی اور مضمون آفرینی میں کم نہیں ہے اس انداز کی عبارت جیسے کالج کے منشی اپنے مقدموں اور دیباچوں میں لکھتے تھے، لکھنے کی کوشش کی ہے. یہ ورق اس طرح شروع ہوتا ہے:

ہندستانی سلکشن

«عہد حکومت میں نواب ذیشان، بلند مکان، منبع جود واحسان، داراحشمت، جمشید شوکت، ارسطو منزلت، فلاطون مرتبت، معدن جود و سخا، مخزن لطف

و عطا، خردمند دوراں، خلاصۂ دانایانِ زماں، زبدۂ نوئنیان بارگاہِ انگلستان، عدالت گستر، شفقت مظہر، جارج رابرٹ فرانسیس لارڈ ہارس[۱] صاحب بہادر دام اقبالہم کے،

اور آوان اسعد میں صاحب والا اقتدار، ذی افتخار، رفعت پناہ، بسالت دستگاہ، قدوۂ شجیعان عصر، برگذیدۂ دانایان دھر، عالی ہمت، بلند درجت، شجاعت شعار، تہوّر آثار، سپاہ سالار لفٹنٹ جنرل ہانربل جارج آنسن[۲] صاحب بہادردام ثروتہ کے،

حسب الفرمان، فیض نشان، فیاض زمان، مورد لطف و احسان، عاقل دوران، ماہر علم و فضل، سر آمد ارباب دول، عالی مناصب، والا مناقب، لشکر کے ایجنٹ جنرل لفٹنٹ کرنل الیم جارج[۳] اودّس صاحب بہادر زاد حشمتہ کے،

تالیف کئے گئی ممتحن منشی غلام حسین کی ماہ ربیع الثانی میں سنہ ۱۲۷۲، ایک ہزار دو سو بہتر ھجری، مطابق سنہ ۱۸۵۶، ایک ہزار آٹھ سو پچاس پر چھ عیسویہ میں قالب طبع میں جو آئی تھی سرداران اھل شمشیر کے واسطے نہایت مفید اور ہندوستانی کے ممتحن سرداران اور صاحبان گورنمنٹ مدراس کی منظور نظر ہونے سے، عہد ریاست میں نواب عالی جناب، خورشید قباب، برجیس شیم، عطارد رقم، فلاطون فطنت، ارسطورتبت، سرآمد دانایانِ زماں، قدوۂ نوئنیان بارگاہ انگلستان، مصدر بخشش و سخا، مخزن حلم و وفا، جناب سر تھامس ڈینسن[۴]

(۱) اس کا اصلی نام جارج رابرٹ فرانسس نہیں بلکہ جارج فرنسس رابرٹ ہارس George Francis Robert Harris ہے۔ یہ ہارس خاندان کا تیسرا بیرن تھا، سنہ ۱۸۱۰ع میں پیدا ہوا اور سنہ ۱۸۷۲ع میں وفات پائی، اپریل ۱۸۵۴ع سے مارچ ۱۸۵۹ع تک مدراس کا گورنر تھا

(۲) Hon. George An Son (سنہ ۵۷ - ۱۷۹۷ع) پہلے مدراس کا سپہ سالار تھا، (سنہ ۱۸۵۴ع) پھر سنہ ۱۸۵۶ع میں ہندوستان میں کمپنی کی فوجوں کا سپہ سالار بنا. ۲۷ مئی سنہ ۱۸۵۷ع مین کرنال میں ہیضہ سے مرا.

(۳) Adjutaur Lt. Col. William George Woods.

(۴) Sir William Thomas Denison (سنہ ۷۱ - ۱۸۰۴ع) فروری سنہ ۱۸۶۱ع میں مدراس کا گورنر ہوا، ۲ دسمبر سنہ ۱۸۶۳ع سے ۱۲ جنوری ۱۸۶۴ع تک عارضی وایسرائے کی حیثیت کیا. مارچ سنہ ۱۸۶۶ع میں مدراس سے واپس گیا اور ۱۹ جنوری سنہ ۱۸۶۷ع کو وفات پائی. اس نے دو کتابیں لکھی ہیں ان میں ایک Varieties of viceragal Life ہے اور دوسری معاشرتی و تعلیمی مضامین کا مجموعہ.

صاحب بہادر کے. سی. بی. گورنر اِن کونسل مدراس دام اقبالہم کے ،

اور زمان با سعادت میں عالی قدر ، بلند مکان ، پیشوائے شجیعان زماں ، رستم نہاد ،ارسطو نژاد ، میدان دلیری و جوانمردی کے کیقباد ، دریا دل ، سحبان منزل ، جمشید فضائل ، داراشمائل ، بلند ھمت ، بسالت رتبت ، سردار نامدار ، جناب سپہ سالار سر جیمس ہوپ گرانٹ[۱] صاحب بہادر کے. سی. بی. دام حشمتہم کے ،

حسب الامر جلیل القدر ، معدن فضل و احسان ، منبع جود و امتنان ، قدرداں علم و فضل ، مصدر فنون و عقل ، قدوۂ اھل دول ، آفتاب آسمان عزت و رفعت ، ماہتاب سمائے قدر و منزلت ، لشکر کے اجیٹنٹ جنرل لفٹنٹ کرنل اُلیّم جارج اودّس صاحب بہادر دام اقبالہ رفعتہ کے ،

بار ثالث نہایت صحت کے ساتھ کمال عرق ریزی سے مطبع عظیم الاخبار میں اہتمام سے غلام حسین ممتحن منشی متعلق کالج کمیٹی کے ماہ ذی قعدہ سنہ ایک ہزار دو سو اٹھہتر ۱۲۷۸ ھجری مطابق سنہ ایک ہزار آٹھ سو باسٹھ ۱۸۶۲ عیسوی میں زیور طبع سے محلّٰی ہوئی .

کتاب کی ابتداء اس حمد ، نعت اور منقبت سے ہوتی ہے .

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وصف کیوں کر ہوسکے پھر صانع افلاک کی
جب ہی لا احصی حدیث اس صاحب لولاک کی

حمد متوافر و ثنائے متکاثر تسلیم ہی اس حکیم مطلق جلت حکمتہ کو کہ کحل الجواہر سے وجود باوجود پنجتن پاک کے پیرواں دین متین کو بصارت عطا فرمایا اور انوار و لوامع پیکان ایمان کے ادویات سے جلا افزائے صلواۃ خمسہ کے کما حقہ افزود کیا اور شفا خانۂ خاص میں قوانین طبی شرع شریف کے جناب رسالت مآب احمد مجتبی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ و سلم

---

(۱) Sir James Hope Grant (سنہ ۷۵-۱۸۰۸ع) میں فوجی افسر تھا، ترقی کرتے کرتے دسمبر سنہ ۱۸۶۱ع سے مئی سنہ ۱۹۶۵ع تک مدراس کی فوجوں کا سپہ سالار بن گیا .

کو معلوم کرایا اور ان کی معرفت سے بیماران دین کو مفـرحـات لولوی و معجونات یاقوتی دلوایا، صلوٰۃ اللہ وسلامہ علی المحمد المحمود وعلی آلہ واصحابہ المسعود الی یوم الموؤد».

نعت محمود خدا کی ہوسکے انساں سے کب
قامت عظمت کے آگے پست تھے افلاک جب

اور خاتمہ پر دو شعروں کا ایک تاریخی قطعہ دیا گیا ہے، اس سے تیسرے ایڈیشن کا سنہ طباعت نکلتا ہے:

تاریخ اختتـام

للہ الحمـد فضل حق سے جب پانچ نسخوں کو ہم کئے جو طرح
سد کی حد باندہ کہ چکا ہاتف پنچ بستـان دلکش با فرح

تمـام شد

چنانچہ آخری مصرعہ میں سد کا لفظ جس کی طرف اوپر کے مصرعے میں اشارہ کیا ہے ملایا جائے تو ۶۴ + ۱۲۱۴ = ۱۲۷۸ ہوتے ہیں.

اس انتخاب کی ترتیب وہی ہے جو اوپر دی جا چکی ہے، لیکن پوری پوری کتابیں نہیں لی گئی ہیں. چنانچہ اخلاق ہندی میں سے صرف قاز و ہدہد کا قصہ لیا ہے، چہار درویش میں سے دیباچہ، تمام اشعار، کبت اور بعض نثری حصے حذف کر دئے گئے ہیں اخوان الصفا میں سے صرف دیباچہ غائب ہے، مذہب عشق میں دیباچہ وغیرہ نکال دیا گیا ہے. آغاز داستان سے یہ انتخاب شروع ہوتا ہے، لیکن اس کے بھی اشعار، مشکل الفاظ ہی نکال دئے گئے ہیں بلکہ ۲۶ داستانوں میں سے صرف ۱۴ داستانیں لی گیں ہیں اور ان میں بھی اختصار سے کام لیا گیا ہے. باغ اردو کی بھی صرف ۴۱ حکایتیں لی ہیں. البتہ اس میں اشعار کا جو ترجمہ اشعار میں ہے باقی رکھا ہے.

اس زبان کی بعض خصوصیات یہ ہیں:

جہاں تک انگریزی الفاظ کے تلفظ کا تعلق ہے مرتب نے «و» کی جگہ «الف» اور «الف» کی جگہ «ہ» استعمال کی ہے ولیم کو الیم اور آنریبل کو ہانیربل

لکھتا ہے۔ زبان میں اس نے زبان دکنی کی تمام خصوصیات کو باقی رکھا ہے، مثلاً:

۱ مونث کی جگہ مذکر:

جان ۔ اگر میرا جان بھی تیرے کام آوے

دکان ۔ اس کا دکان ایسا چمکا

آواز ۔ اس کا آواز سن کر

یا مذکر کی جگہ مونث:

استقبال ۔ مہمان کی استقبال

ہوش ۔ ہوش آگئی

دریا ۔ دریا راہ میں ملی

مزاج ۔ اس کی بھی مزاج کو استقلال ہوا۔

۲ جمع ،وں، کی جگہ ،ان، سے، اور اکثر ایسی جمعیں مونث کی جگہ مذکر ہو جاتی ہیں، مثلاً:

بات، باتان: یہ باتان توتے میں پائے جاتے ہیں۔

دای اور سہیلی: دائیاں اور سہیلیاں حاضر تھے۔

صورت، صورتاں: ان کے صورتاں کے سے تھے۔

نہر و موج، نہراں و موجاں: نہراں لبالب مانند فرش آئنے کے نظر آتے ہیں اور موجاں لہراتے ہیں۔

خرابی، خرابیاں: یہ خرابیاں قسمت میں لکھے تھے۔

صف و قابلیت، صفتاں اور قابلیتاں: دس برس کی عمر تک جتنے صفتاں اور قابلیتاں تھے حاصل کیا۔

۳ احتراماً یا جمع کی حالت میں، مونث کے لئے مذکر کا صیغہ استعمال کرتے ہیں، مثلاً:

ہر چند انھوں نے میرے غائب ہونے کی کیفیت دور اندیشی اور مہر مادری سے چھپا رکھے تھے۔

میرے بدلے میرے عیبوں کو اپنے پیٹ میں رکھ چھوڑے تھے۔

یا خدا کا شکر کرو کہ شہزادیاں کہلاتے ہو.
یا بی بی؟ تم کچھ نہ بولے
یا تاج الملک التماس کیا کہ آپ کے لئے لونڈیاں اس جگہ حیا سے نہیں آتے.

ملکہ گھبرا کر باگ کھینچے ۰۰۰ ڈوب گئے.
(ملکہ) مجھ کو بھی آپ کی خدمت میں بھیجے ہیں.

جمع فعل کی جگہ واحد: وہ جوان بہت عذر اور حیلے کیا.
فعل معتدی کے ساتھ نے علامت فاعلی نہیں آتی. مثلاً:

میں بہتیری باتاں بنایا لیکن کچھ کام نہ آئے.
میں بھی ایسا ہی کیا.
خواجہ کہا اے بادشاہ.
وہ جوان زنجیراں سب دروازوں کے کھول دیا.

اب عبارت کے اختصار کی چند مثالیں دی جاتی ہیں.

	اصل	سلکشن
۱	اس کے وقت میں رعیت آباد، خزانہ معمور، لشکر مرفہ، غریب غربا آسودہ ایسے چین سے گذراں کرتے.	اس کے وقت میں رعایا چین سے گذراں کرتے.
۲	جتنے چور چکار، جیب کترے، صبح خیزے، اٹھای گیرے، دغا باز تھے.	جتنے چور چکار دغا باز تھے.
۳	گل بکاولی کی جستجو کروں اور اپنے زر قسمت کو محک امتحان پر کسوں اس میں اگر دامن کو گل مراد سے بھروں تو فہوالمراد،	گل بکاولی کی جستجو کروں، یہ دل میں خیال کر کے.

نہیں تو اس وسیلے سے باپ کے
ملک سے باہر نکلوں، یہ دل
میں خیال کرکے۔

اکثر جگہ پیرے کے پیرے حذف کردئے گئے ہیں۔

یہ کتاب دو حیثیتوں سے اہم ہے۔ ایک تو یہ کہ یہ پہلی کوشش ہے کہ شمالی ہند کی تصانیف کو کرناٹکی زبان میں لکھا جائے، دوسرے اس کتاب کو سامنے رکھ کر اس زبان کے قواعد، محاورات وغیرہ سے متعلق کافی معلومات حاصل ہو سکتے ہیں۔

* ڈاکٹر سید محمد صدرالدین

جوہری کا بارہ ماسہ

«حضرت آئت اللہ جوہری ۱۲ صدی کے بہار کے ایک بڑے صوفی اور شاعر تھے، انہوں نے اردو شاعری کے ساتھ ہی ساتھ ایک ہندی بارہ ماسہ بھی لکھا ہے. اس مضمون میں بارہ ماسہ کی ابتداء وار تقاء کے ساتھ ہی ساتھ ان کے بارہ ماسہ پر تنقیدی نظر ڈالی ہے.»

یہ ایک ایسی نظم ہے جس میں سال کے بارہ مہینوں کا ذکر ہوتا ہے. عام طور سے ان بارہ مہینوں میں کوئی عورت اپنے شوہر کی جدائی سے بے قرار رہتی ہے، روتی ہے اور طرح طرح سے اپنے شوق کا اظہار کرتی ہے، مناظر فطرت کے ذکر سے شاعر اس شوق کو اور بھی ابھار دیتا ہے، لیکن کہیں کہیں مناظر فطرت کا آزادانہ بیان ہوتا ہے. اس میں یہ نہیں ذکر کیا جاتا کہ برہنی کے جذبات و احساسات پر ان مناظر نے کیا اثر ڈالا. ایسے بارہ ماسے سنسکرت میں ملتے ہیں. ہندی کے قومی شاعر متھیلی سرن گپت نے اپنی کتاب ساکیت(Epico composition) میں بارہ ماسہ سپرد قلم کیا ہے، اور سیناپتی نے بھی ایک بارہ ماسا لکھا ہے، ان بارہ ماسوں میں وہی عام رنگ نمایاں ہے.

ہندی زبان کے بعض ادیبوں نے بارہ ماسا کو لوک گیت کی ایک قسم بتایا ہے. بھاسکر رام چندر بھالے راو نے عوامی گیت کی چار عمومی قسمیں بتائی ہیں (۱) تقریبات کے گیت جیسے پیدائش کے گیت، جھولے کے گیت، شادی بیاہ کے گیت وغیرہ (۲) ماہواری گیت جیسے بارہ ماسا، کرشن جنم اسٹمی کے گیت، ہولی کے گیت وغیرہ (۳) سماجی گیت جیسے ہیرامن کے گیت، چندراول کے گیت، کنھیا کے گیت وغیرہ (۴) متفرقات جس میں موسمی گیت اور مذہبی گیت عقائد کے گیت وغیرہ بھی شامل کرلئے گئے ہیں جیسے فصل کاٹنے کے گیت اور بھجن وغیرہ، یہ صحیح ہے کہ مزاج اور تیور کے لحاظ سے بارہ ماسوں میں عوامی

٭ ڈاکٹر سید محمد صدرالدین ایم، اے، ڈی، لٹ، صدر شعبہ اردو پٹنہ کالج، پٹنہ

گیت سے مشابہت ملتی ہے لیکن میرے خیال میں دونوں میں بنیادی فرق ہے. بارہ ماسے کسی نہ کسی شکل میں سنسکرت میں ملتے ہیں، جو علما کی میراث ہے، جس کے اصول ضو وابط اور سارے تقاضے معیاری ادب کے ہیں، لیکن عوامی گیت، عوام میں بنتے ہیں اور ان گیتوں کی روایت معیاری ادب کی روایت سے قطعاً مختلف ہے

عوام میں رائج بارہ ماسے کی ابتدا عموماً اساڑھ کے مہینے سے ہوتی ہے. اگرچہ بعض شعرا نے اس کی پابندی نہیں کی ہے. سیناپتی کے بارہ ماسے کی ابتدا بسنت سے ہوتی ہے. سری شیام پرمار نے بہ حوالہ ڈاکٹر رگھوبنس اس کی تین صورتیں بتائی ہیں (۱) بارہ ماسے کی ابتدا اساڑھ سے ہو (۲) اس کی ابتدا چیت سے ہو (۳) ابتدا موقع کے لحاظ سے ہو.

بارہ ماسے اپنے انجام کے لحاظ سے دو طرح کے ہوتے ہیں (۱) جس میں ابتدا سے انتہا تک فراق اور ہجر سے ہی سروکار ہے (۲) جس میں آخر کار وصل محبوب میسر آئے. بارہ ماسوں میں ایک نسوانی انفعالیت چھائی ہوئی ملتی ہے مدہم اور نرم لہجہ اور پرستش کی حدتک بڑھی ہوئی محبت کا اظہار رہتا ہے. یاد محبوب، گریہ فراق اور آرزوئے وصل یہی تین عناصر ہیں جن سے بارہ ماسوں کی ترکیب ہوتی ہے.

کامیاب بارہ ماسا لکھنے کا ایک خاص ڈھنگ ہے یوں کہئے کہ ان کی بھی ایک تکنیک ہے جس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے. شاعر کو چاہئے کے جذبات کو بر انگیختہ کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرے، اس لئے الفاظ ایسے انتخاب کرے جو عام فہم ہوں اور ترکیبیں ایسی استعمال کرے جن سے درد اور دکھ کی افسردگی ظاہر ہو. مناظر فطرت کے بیان سے جدائی کی آگ کو اور بھی تیز و تند کردے، ہر مہینہ کا سلسلہ وار بیان ہو اور ہر ماہ کی خصوصیات کا ذکر ساتھ ساتھ مختلف تہواروں کا تذکرہ موثر پیرایہ میں کرے. فنکار کا فرض ہے کہ کم سے کم الفاظ میں ہر ماہ کی تصویر سامنے لائے. جن چیزوں کی تصویر کشی مقصود ہو اور جن نقوش اور رنگوں سے تصویر مرتب ہوتی ہو وہ صرف کتابی نہ ہوں بلکہ جانی پہچانی کے ہوں. ایسے پھول اور ایسے پرندوں کا ذکر ہو جن سے ہم مانوس

ہیں۔ خاص خاص موسموں میں جو جذبات انسانی دلوں میں پیدا ہوتے ہیں وہ سارے ماحول میں بکھیر دئے جائیں۔ غرض یہ کہ فطرت کی ان جانی پہچانی اشیا سے ایک ایسی فضا بنائی جائے جو خود بھی سو گوار ہو اور دوسروں کو بھی سو گوار کر سکے۔ اس لئے جب فضا پر ہی اداسی اور غم چھایا ہوا ہو تو برہنی فطرت کی ہر ایک شئے کو گلے لگائیگی، اپنی محبت کو یاد کرے گی، اور جدائی کے دن کاٹ دے گی۔

ہر ماہ کی سچی تصویر کشی کے لئے فنکار اس کے امتیازی نشانات کو جمع کرتا ہے۔ اور اس کی خصوصیات اور اس کے تقاضے پر نظر رکھتا ہے تاکہ مکمل تصویر، اور موثر تصویر سامنے آسکے، جیسے اساڑھ کے لئے گھن گرج کا ذکر، ساون کے لئے رم جھم مینہہ برسنے کا اور بھادوں کی بھیانک راتوں کا بیان یا پھاگن میں گھر گھر عبیراڑانے کا تذکرہ، یہ سب کچھ اس طرح پیش ہوں کہ وہ برہنی کوئی منفرد شخصیت باقی نہ رہے۔ بلکہ رنج والم کا ایک علامتی نشان بن جائے اور اس کی آپ بیتی پر بیتی سے گذرتی ہوئی جگ بیتی ہوجائے۔

بارہ ماسے کا رواج سنسکرت کے زیر اثر ہوا۔ سنسکرت میں بارہ ماسا تو نہیں ملتا ہاں سال کے چھ موسموں کا ذکر ملتا ہے۔ خود کالی داس کے یہاں یہ رتیو ورنن بڑے آب و تاب کے ساتھ پایا جاتا ہے، چھ موسموں کا ذکر چھ باب میں ہے۔ ابتدا موسم گرما سے ہوتی ہے، موسم بہار سے نہیں، گرمی کا اثر عاشقوں پر کیا ہوتا ہے اور پھر اس کا اثر پرندوں پر کیا پڑتا ہے، بڑے سلیقے سے پیش ہوا ہے۔ مناظر فطرت کا بھی بڑا نکھرا ہوا بیان ہے۔ اور یہ واضح ہو جاتا ہے کہ محبت پر ان مناظر کا کیا اثر پڑتا ہے۔ لیکن اس حصہ میں کالی داس کی شاعرانہ عظمت برقرار نہیں رہتی، الفاظ معمولی ہیں، بیان میں تکرار ہے، خیالات میں خاص رفعت نہیں اور نہ کوئی پیچیدہ مسئلہ حیات ہے اس طرح کی نظموں کی تکنیک شاید کالی داس ہی کی بدولت متعین ہوئی ہے۔

سور داس سولھویں صدی عیسوی کے شاعر تھے انہوں نے رادھا اور کرشن کی محبت کا ذکر کرتے ہوئے اودھو پنڈت کا ذکر کیا ہے جو کرشن مہاراج کی طرف سے گوپیوں کو سمجھانے کے لئے آئے تھے، اودھو کہتے ہیں کہ کرشن تو

ہر جگہ موجود ہیں تم ان کی جدائی میں کیوں جان ہلکان کرتی ہو. اسی لئے گوپیاں اودھو کا نام لے کر روتی ہیں.

बटन वटन अनक जलधर, अति मनोहर वेष।
तिहिं समय सखि गगन सोमा, सवहि लैं सुवि शेष॥

रितु वसंत के आगमहिं, मिलि झूमक हो।
सुख सदन मदन को जोर, मिलि झूमक हो॥

टेक- ऐसो जो पावस रितु प्रथम सुरति करि माधौ जू आवहिं।

متھیلی اور بھوج پوری میں بارہ ماسے کافی مقبول ہوئے، ان زبانوں کے علاوہ اودھی، مالوی وغیرہ میں بارہ ماسے کثرت سے لکھے گئے.

متھیلی میں سب سے سے قدیم بارہ ماسا جو اب تک دستیاب ہوا ہے وہ چودھویں صدی عیسوی کا ہے اس کے لکھنے والے ودیا پتی ہیں جو میتھلا کے واقعی ودیا پتی ہیں. ان کے بارہ ماسے کی چند سطریں درج کی جاتی ہیں.

सावन मास बरीस घन वारि।
पंथ न सूझे निसि अँधियारि॥

चौदिसि देखिये बिजुरी रेह।
से सखि कामिनि जीवन संदेह॥

भादो मास वरिस घन घोर।
समदिस कुल कै ढादुर मोर॥

चिहुँकि चिहुँकि पिया कोर समाय।
गुनमति सूतलि अंक लगाय॥

چند متفرق سطریں بھوجپوری کی قلمبند کی جاتی ہیں:

सावन रिमझिम बुँनवा वरिसे
पियवा भींजे ला परदेस
भादो रइनी भयावन सखि हे।

चारो ओर बरसेला धाह
पूस हे सखि, ओस परतु हे
भींजेला अँगिया हमार हे

फागुन सीख फाग खलपु है
धर धर उडला अवरि है
वइसखे ए सखि उखम लोग
तन से दरला नीर
जेठ मास सखि, लूक लोग
सहसर चलेल समोह

مالوی زبان کے ایک بارہ ماسا کی دو سطریں ملاحظہ ہوں۔

सखि, लागो असडे मास, प्रभु वनचालयारे
चालय, चाल्या रे दवारका नाथ, हरि मन्दर सूनोरे

متھیلی کی چند سطریں ملاحظہ ہوں۔

बइसाख ऊधव नहिं आव श्याम
कइसे काढव हम ऊखम धाम
सूर श्याम आवत यदुराय
राधा मिलाथ अंक लगाय
आली रे घन श्याम बिना

ملک محمد جائسی کی پدماوت میں دو بارہ ماسے ہیں ایک تو سنسکرت کے قاعدے کا ہے جس میں چھ موسموں کا ذکر ہے اور ہر موسم دو مہینوں کا ہے اس میں پدماوت کی جدائی کا حال مذکور ہے دوسرا بارہ ماسا ہے جو ناگمتی کے آنسوؤں کا تار ہے۔ ناگمتی کو دنیا طلبی اور مایا کا علامتی نشان بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ شاید اسی لئے اس کی زبان سے بارہ ماسا کہلوایا گیا ہے اور سنسکرت جو مقدس زبان ہے اس کے اثر چھ موسموں کا بیان پدماوت کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ پدماوت کو روحانی ارتقا کی علامت بنایا گیا ہے اور یہ دکھلانے کی کوشش ہے کہ کس طرح مادہ اور روح کسی اہم مقصد میں مجتمع ہوسکتے ہیں۔

جائسی نے پدماوتی کے حسن کا اس طرح ذکر کیا ہے جیسے وہ حسن حقیقی ہو، جوہری نے کنول دی کے حسن کا بیان سراسر مادی سطح پر کیا ہے جس سے ایک یہ فائدہ حاصل ہو گیا کہ قصہ کی صداقت ہر گوشہ سے نمایاں ہے،

رتن سین سراسر مادی دنیا میں ہے لیکن رام راجہ کے روپ میں جوہری خود عشق کو ہیرو بنانے کی کوشش کی ہے اور اس طرح مجاز اور حقیقت کی گنگا جمنی سامنے آجاتی ہے، اور داستان کی حلاوت بڑھ جاتی ہے۔ پدماوت کا چھ ماہہ چیت اور بیساکھ سے شروع ہوتا ہے اور ہر موسم میں وہ مناسب لباس زیور سے آراستہ ہوکر سامنے آتی ہے، یہ جدائی کا دکھڑا نہیں بلکہ وصل کا نغمہ ہے۔ شاید اس سے مراد روحانی فتح ہو، ناگ متی کا بارہ ماسہ فراق یار کی داستان ہے، یہ اساڑھ سے شروع ہوتا ہے، لیکن نچھتروں کا ذکر دونوں کے یہاں ہے۔

پدماوت ہے تو ایک بزمیہ کہانی لیکن اس میں رزم کی لہریں بھی ملتی ہیں۔ جائسی نے سلطان دہلی کا بیان با وقار انداز میں کیا ہے۔ جوہری کے یہاں کوئی ایسا دربار تو نہ تھا، ہاں صوبہ دار تھے جن کے مظالم کے سب شکار تھے۔ علاء الدین کے حرم میں سولہ سو رانیاں تھیں اس کا ذکر اس انداز میں ہے کہ بہ ظاہر اس کی تعریف مقصود ہو، حالانکہ غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف نے اس کی جنسی دیوانگی ظاہر کردی ہے۔ رتن سین ایک سوکن کے بس میں تھا، رام راجہ کہاں گیا اور کہاں رہا اور کیوں گیا جوہری اس بابت خاموش ہیں۔ رتن سین چتوڑ واپس آتا ہے پدماوتی بھی آتی ہے، ناگمتی اور پدماوتی کے درمیان ایک عبرت انگیز مکالمہ ہوتا ہے۔ جوہری کے بارہ ماسہ میں بھی مسلم اثر نمایاں ہے مثلاً کنول دی کا یہ کہنا «اماموں کے غموں میں مبتلا ہو» یا «چڑھاؤں اے خضر تیرا میں بیڑا» ہولی اور دیوالی ذکر جوہری کے یہاں دل کی گہرائیوں میں اترجانے والا ہے، جائسی کے یہاں وہ بات پیدا نہ ہوسکی۔

ایک بڑا فرق دونوں میں پیغام بری کے انتخاب کا ہے۔ جائسی نے مختلف پرندوں کا موسم کے لحاظ سے ذکر تو کیا ہے لیکن ہر پرندے کو پیغام رسانی کے لئے نہیں چنا ہے۔ جوہری نے کنول دی کی زبانی بارہ مختلف پرندوں کو رام راجہ کی جستجو کے لئے پیغام دیا ہے۔ ناگمتی تھک ہار کے رہ جاتی ہے آخر ایک چڑیا (کوئل) خود سے یہ فرض اپنے ذمہ لے لیتی ہے، ناگمتی نے دو پیغام روانہ کئے، ایک پدماوتی کے نام کہ اس سے رحم و کرم کی بھیک مانگے دوسرا رتن سین کے نام کہ اس کی جدائی میں سرسوتی اس کی ماں اندھی

ہوگئی ہے. وہ چڑیا جہاں گئی آگ لگاتی گئی، سمندر خشک ہوگئے، جنگل جل گئے، مچھلیاں بھن گئیں، وہ چڑیا بھی اپنی دھن میں پکی تھی، کسی طرح پیغام پہنچا ھی دیا. جوہری نے پیغام رسانی کی دقتوں کا ذرا بھی ذکر نہ کیا ہے، جدائی کی شدت اور تندی جو ناگمتی کے یہاں ملتی ہے کنول دی کے یہاں نہیں. کانورو کے جادو کا ذکر دونوں کے یہاں ہے، لونا چمارن کے ذکر میں جادو کا اثر ملتا ہے. راگ اور راگنی کا بیان دونوں کے یہاں ہے. جوہری کی طرح جائسی نے بھی کھانے کے اقسام گنوائے ہیں. پروفیسر حافظ محمود شیرانی نے کبیر کے بارہ ماسے کے چند اشعار نقل کئے ہیں. بارہ ماسے کا رواج مقامی بولیوں میں بہت ہوا، اودھی، پنجابی، ہریانی وغیرہ زبانوں میں بارہ ماسے کثرت سے لکھے گئے. اس کی ایک شکل ہمیں خواجہ مسعود سعد سلمان کے دیوان فارسی میں بھی ملتی ہے، بلکہ اس شاعر نے تو اس طرح کے تین چیزیں پیش کی ہیں، اول غزل شہوریہ، جس میں فارسی مہینوں کے نام ہیں، بارہ غزلوں میں بارہ مہینوں کا ذکر ہے، ہر غزل میں سات اشعار ہیں، غزلیں مختلف اوزان و بحور میں ہیں، سطح میں ہر ماہ کا ذکر کرکے موسمی کیفیت کا بیان ہے اور یہ غزلیں بادشاہ کے مدح میں دعا پر ختم ہوتی ہیں ہر غزل میں ابوالملوک ملک ارسلان ۵۰۹-۵۱۲ ھ (۱۱۱۵ع-۱۱۱۹ع) کا نام آتا ہے:

بہشت است گیتی ز اردی بہشت ٭ حلال آمد اے مہ مے اندر بہشت
بہ شادی نشیں و مے لعل خواہ ٭ کہ بے مے نشستنت زشت ز اشت

دوم غزلیات اسبوعیہ اور سوم غزلیات یامیہ، ان دونوں میں بھی وہی رنگ ہے، فرق یہ ہے کہ بارہ مہینوں کے عوض ہفتے اور روز کا ذکر ہے، مثلاً:

زحل والی شنبہ است اے نگار ٭ مرا ایں چنیں روز بے مے مدار

خواجہ مسعود سلمان ایرانی شاعر نہیں، یہ لاہور میں پیدا ہوئے اور یہیں پرورش پائی. ان کی شاعری کا زمانہ ۴۶۹-۵۱۵ ھ (سنہ ۱۰۷۶-۱۱۲۲ع) کے قریب ختم ہوتا ہے.

اردو میں سب سے قدیم بارہ ماسہ جس کی مکمل نقل موجود ہے وہ افضل جھنجھانوی کا ہے، یہ افضل شمالی ہند کے شاعر تھے جو ۱۰۳۵ ھ (سنہ ۱۶۲۵-

۱۶۲۶ع) میں مرے ، ان کی داستان محبت کا ذکر والہ داغستانی نے ریاض الشعراء میں قدرے تفصیل کے ساتھ کیا ہے جس سے ان کی شخصیت پر کافی روشنی پڑتی ہے ۔

افضل کی بارہ ماسے کا ذکر تو بارہا ملتا ہے میر حسن نے اس کا ذکر کیا ہے ، سپر نگر نے اپنی فہرست میں قائم چاند پوری کے حوالہ سے اس کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ بارہ ماسہ کا ایک نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں محفوظ ہے مگر آج تک مکمل بارہ ماسہ شائع نہ ہوا ۔ ڈاکٹر اختر احمد نے کل چار اشعار لکھے ، پروفیسر محمود شیرانی نے صرف ۱۶۶ اشعار نقل کئے اور ایک شعر :

به یاد دلربا خوش حال می باش
گہے افضل گہے گوپال می باش

صفحہ ۲۴۳ پر لکھ کر والہ داغستانی کے بتائے ہوئے قصہ کو صحیح مان لیا ۔ ڈاکٹر محی الدین زور نے بارہ ماسے کے کل ۳۲ اشعار دئے ہیں اور انڈیا آفس کے کتب خانہ کا ذکر کرتے ہوئے متعلقہ نمبروں کو بھی درج کردیا ہے ۔ مکرمی قاضی عبد الودود مدظلہ نے ایک روز مجھے ایک نوٹ بک دیا جس میں افضل کے بارہ ماسے کی نقل ہے ، یہ نوٹ بک ایک بیاض کی شکل میں ہے ، کتابت اور کاغذ کی شان اور رنگ یہ بتلاتا ہے کہ یہ نقل سو سال سے زیادہ کی نہیں ہے ۔ اس میں ۱۸۹ ایک سو نواسی اشعار ہیں جن میں صرف چار تمہید کے ہیں ، اس بارہ ماسے کی ابتدا ساون سے ہوتی ہے ۔ میں نے اس کا تذکرہ محترمی فصیح الدین بلخی مدظلہ سے کیا تو انھوں نے کہا « میں حیدرآباد سے ایک بیکٹ کہانی لایا ہوں ، اس میں ایک بارہ ماسہ ہے اس کا مصنف کوئی احقر ہے » میں نے یہ بیکٹ کہانی ان سے لے کر پڑھی تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس میں جو اشعار ہیں وہ تو قاضی صاحب موصوف والی بیاض میں بھی ہیں ۔ میں نے ایک ایک کرکے دونوں نسخوں کو ملایا تو پتہ چلا کہ قاضی صاحب موصوف والے نسخہ میں کل ۱۹ (انیس) اشعار ایسے ہیں جو بیکٹ کہانی میں نہیں ہیں ۔ اس بیکٹ کہانی میں ۳۳۹ (تین سو انتالیس) اشعار ہیں ، لیکن چار اشعار دو بار آئے ہیں اس لئے اصلی تعداد ۳۳۵ (تین سو پینتیس) ہوئی ، اس میں ۷۵ (پچھتر) اشعار کی تمہید ہے

اور ۵۶ (چھپن) اشعار بند کے طور پر لائے گئے ہیں، جن میں فردیات اور دوہرے ہیں. میں نے یہ بارہ ماسہ مکمل نقل کر دیا ہے اور اس کے بالمقابل بائیں جانب قاضی صاحب کے نسخہ کے اشعار کو مناسب جگہ پر لکھ دیا ہے، اشعار کی ترتیب چونکہ دونوں نسخوں میں مختلف ہے اس لئے میں نے ترتیب وار نمبر دیکر قاضی صاحب موصوف کی بیاض والے اشعار کو نمبر کے ساتھ لکھا ہے، بیکٹ کہانی کے خاتمہ پر جو عبارت ہے وہ خاتمہ نقل کردی گئی ہے.

میں سمجھتا ہوں کہ یہ بیکٹ کہانی افضل کی ہے احقر کی نہیں، کاتب نے غلطی سے افضل کو احقر لکھ دیا ہے. بیکٹ کہانی اور قاضی صاحب والی نقل دونوں ہی میں کتابت کی فاش غلطیاں ملتی ہیں، میں نے املا کی ایسی غلطیوں کو صحیح کر کے لکھا ہے. کہیں کہیں مصرعے نا موزوں معلوم ہوتے ہیں، میں نے ان کو اسی طرح چھوڑ دیا ہے. ڈاکٹر محیؔ الدین زور لکھتے ہیں کہ انڈیا آفس کے کتب خانے میں جو بارہ ماسہ افضل کا ہے اس میں ۳۰۰ (تین سو) اشعار ہیں، لیکن اس بیکٹ کہانی میں ۳۳۵ (تین سو پینتیس ۳۳۵) اشعار ہیں، انڈیا آفس میں ۳۵ (پینتیس) اشعار کم ہیں، وہ دوہروں کے ہیں یا تمہید کے یا اصل قصہ کے اس کا صحیح اندازہ اس بارہ ماسہ کو دیکھنے ہی سے ہو سکتا ہے.

قاضی صاحب والی بیاض میں مندرجہ ذیل اشعار ایسے ہیں جو بیکٹ کہانی میں نہیں ملتے.

۲۱ گھٹا غم کی اومک چھاتی سوں آئی
اری دو نین نے برکھا لگائی

۲۶ کوئی ایسا نہیں پیو سوں کہے ری
کہ مرا حال پیو آکے دیکھے ری

۳۴ یہ ہمراہ صنم سب سکھ کرت ہیں
تمنن بن برہنی نت دوکھ بھرت ہیں

۴۲ بھلے چاندن پیا سنگ ناریوں کوں
بھٹی پیدا ہمن سے خواریوں کوں

۵۲ چلا کا تک کہو کیا کیجئے جی
سلو نے بن نہیں اب راکھئے جی

۶۱ اری یہ ہے نپٹ کپٹی زماناں
کنھیں بھی درد کا حق نا پچھاناں

۶۸ مجھے ناہیں خبر پیو کے ملن کی
نہیں اب آس مجھ جیو کے رہن کی

۷۷ سنو سکھیو اری ٹونا کروں ری
پیا کے وصل کی دعوت پر ہوں ری

۷۹ کوئی امید مـــیری بر نہ لایا
دیا مجھکو سبھوں نے دوکھ سوآیا

۸۵ پھـری خانہ نصیب ات کاٹے ری
آیا نہ آہ تن میں مارٹے ری

۹۱ تمہن بن یک گھڑی سو برس بیتے
نہ یک ساعت ترا انـــدوہ چھوٹے

۱۰۹ رنگیلی چوڑیاں سب پھـــر آتیں
سبھی گھر گھر سے اپنے بنکے آتیں

۱۲۰ بھروں رنگوں کے مٹکے ساتھ سب کے
اچھی پھچکاریاں ہیں ہاتھ سب کے

۱۳۱ جو کچھ مجھکو سہا دیگا ہونگی
تری باندی کی باندی ہو رہونگی

۱۴۳ پیا تجھ بن نمانی ہو رہی ہوں
نمانی چہ دیوانی ہو رہی ہوں

۱۶۹ کہ بارہ مانس کوں رت کوں نہ آیا
ارے ظالم اچھوں تو گھر نہ آیا

۱۷۳ و الا اختیـار من تو بود آں
گرفتم دامنت را پیش یزداں

۱۷۹ جمـال رحمت خود کن مرحمت
خلاصم کن ازیں اندوہ علت

۱۸۲ بڑی عنوان میں ہیں شمع سوزاں
بھئی ہو روشنی ساری منـــدر ماں

اکرام رہتکی المتخلص بہ قطبی نے ایک تیرہ ماسا لکھا ہے۔ تیرہ ماسا میں لوند کا مہینا بھی شمار کرلیا گیا ہے۔ یہ تیرہ ماسہ سنہ ۱۳ جلوس محمد شاہی یعنی ۱۱۴۳ع (۱۷۳۰-۱۷۳۱) میں تتبع افضل تصنیف ہوا۔ اس میں شاعر جو خود ہی عاشق تھا۔ فراق میں تیرہ ماہ گذار دیتا ہے، آخر تلاش یار سے تھک ہار کر ایک جھونپڑی میں رہنے لگتا ہے اور تصور یار میں محو ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس پر حقیقی محبت کے راز منکشف ہوجاتے ہیں اور وہ اپنے پاس اپنے دل میں، اور اپنے ارد گرد اپنے محبوب کو دیکھنے لگتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ارے بیساکھ من موہن کہاں رے — گئے ہیں کیا کوئی برلا مکاں رے
اگر برلا مکاں ہونگے تو کیا ہے — مجھے اس پاس بھی جانا بھیا ہے
چلو اب جیوڑے ڈھونڈھن دولارا — بنا ڈھونڈھن نہ پائے پیو پیارا
اگــــر السعی منی خواندۂ تو — ز محنت بس چرا درماندۂ تو
پھروں جھوں دیس کر جوگن کا بھیسا — پا آوں جے عاقبت تیرا ہی دیسا
کرو تم نحن اقرب کو صحی رے — وہی ہے سب جگاں حاضر وہی رے
ارے لوگو تمامی جگ میں جو ہا — مجھے باول پنے سیں تھا بچھو ہا
مرا دلدار تھا میرے ہی گھر ماں — بٹھا اک بات کے اولھے تھا پنہاں

بعض اندرونی شہادتوں سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ جوہری نے افضل کا بارہ ماسہ ضرور دیکھا تھا، اور فطری طور پر اس کا اثر بھی ہوا ہوگا۔ میں نے بیکٹ کہانی کے مقابل گوہر جوہری کے ان اشعار کے نمبر لکھ دئے ہیں جو اس میں ہیں لیکن افضل کے رنگ میں ہیں۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح جوہری نے اپنی اصلیت قائم رکھی ہے۔ اگر جوہری کے بارہ ماسے کو نقش ثانی بھی مانیں تو اس کی عظمت کم نہیں ہوتی، بلکہ جوہری نے حقیقت کا رنگ اتنا تیز کر دیا ہے کہ اس کا اثر افضل کے بارہ ماسے سے زیادہ نفوذ کن معلوم ہوتا ہے۔

افضل کا دوازدہ ماہہ ایک فرضی قصہ ہے۔ یہ نظم تحریر میں آئی اس

لئے نہیں کہ جذبات نے مجبور کیا بلکہ اس لئے کہ دوازدہ ماہہ کا ایک نمونہ پیش کرنا تھا۔ جوہری نے مثنوی کا ایک لازمی جزو قرار دے کر اس بارہ ماسہ کو بے ساختگی عطا کر دی۔ یہاں حالات نے مجبور کیا کہ ایک بارہ ماسہ نظم ہوجائے۔ افضل کا دوازدہ ماہہ طربیہ ہے، یہاں ہیروئن اپنے صبر کا پھل پاتی ہے، لیکن جوہری کا بارہ ماسا المیہ ہے اور ایک شدید المیہ۔ رام راجہ آتا تو ہے لیکن کنول دی بیمار ہو جاتی ہے اور اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کرجاتی ہے۔ افضل نے دوہروں اور فردیات کو شامل کرکے قصہ کی روانی اور جذبات کے تسلسل کو مجروح کر دیا ہے۔ یہاں جذبات کا فطری بہاؤ رک جاتا ہے۔ شاعر نے ہیرو اور ہیروئن کا نام نہ دیکر اس واقعیت میں بھی خلل ڈال دیا ہے۔

جوہری نے اپنے بارہ ماسے کو بڑے سلیقے سے پیش کیا ہے جس سے ان کی اختراعی صلاحیتوں کا ثبوت ملتا ہے۔ افضل کے اعتبار سے جوہری کا رنگ منفرد اور جدا ہے یوں کہئے کہ افضل کے بتائے ہوئے رستے سے خس و خاشاک کو الگ کرکے ایک خوش نما کیاری بنادی گئی ہے۔ سب سے پہلا کرشمہ جو دامن دل کو اپنی طرف کھینچتا ہے، وہ اس کی بے ساختگی اور روانی ہے، جذبات، شدید جذبات کا بے پناہ احساس۔ ہر ماہ کنول دی اپنی بپتا کا حال بتاتے ہوئے سامنے آجاتی ہے، صاف بولتی ہوئی، روتی ہوئی اور آرزوئیں کرتی ہوئی۔ وہ شباب اور حسن کی رعنائیوں میں مست ہے، جوش میں آکر ایسی باتیں بھی کہہ جاتی ہے جو دوسروں کے سامنے کہنے کے لائق نہیں لیکن وہ اپنے خیال میں محو ہے، اپنی جوانی اور جوانی کی کار فرمائیوں کا واسطہ دے کر دعوت وصل دیتی ہے اور جذبات سے مغلوب ہوکر اپنی شان محبوبی کو کس طرح ظاہر کرتی ہے، ملاحظہ ہو:

۱۸۱۴ پیا بن میں بھری برسات رووں
نہ ہے بر ساتھ کس کے ساتھ سووں

۱۸۲۹ مرا مہ مہر سیں تیرے ہے پر نور
کلف کے عیب سیں ہے اب تلک دور

۱۸۴۴ پیا کے وصل کی ہوں ایسی بھوکی
کہ جوں سورج کے پیچھوں سورج موکھی

۱۸۵۹　اکارت جائے یہ میری جوانی
پیا پردیس یہ کیا زندگانی
۱۹۶۹　کروں صورت کی اپنی کم بڑائی
مری تصویر کسی نے نہ پائی
۱۹۷۹　بہے ہے باد جاڑا ہو ہے دوناں
مری جوبن نگر پیو بن ہے سوناں
۱۹۸۵　رکھو من مار کیوں کر من سنبھالوں
پیا بن کیوں کے میں جوبن سنبھالوں
۲۰۶۸　تجھے گر حسن پہ اپنے غرور ہے
ہمارا حسن سرکش تجھ سین زور ہے

ذیل کے چند مختصر ٹکڑوں کو پڑھئے جذبات کا سیلاب امڈ آتا ہے:

۱۸۳۹　پیا بن ہو پڑی میں آج ہے بس
۱۸۴۸　گھڑی جلتی ہوں نت آنسو کے جل میں
۱۸۵۷　ملا ریں سن کے آنکھوں بہ چلے نیر
۱۹۰۹　ہمارے کنت باہر کوں آسا
۱۹۲۲　کروں میں آہ تو تیرا جلے پر
۱۹۶۱　دیوانی کی کوئی سنتا نہیں بات
۲۰۱۰　جلی کوں خوش لگے کب رنگ اور راگ
۲۰۲۵　جلی ہوئی ہماری آگ لیکر

جب سے کنول دی کا پتی پردیس جاکر اس کو بھول گیا ہے وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوگئی ہے کہ وہاں رام راجہ نے کسی اور سے محبت کرلی ہے، وہ اپنی سوت اور اس کی خوش بختی کو یاد کرکے تلملا جاتی ہے اور سوتن کو جادوگرنی سمجھ بیٹھتی ہے جس نے جادو اور ٹونا کی مدد سے رام راجہ کے دل سے کنول دی کی محبت نکال پھینکی. عورت سب کچھ سہ سکتی ہے مگر سوت کی تکلیف وہ برداشت کر ہی نہیں سکتی. شاید اس کو اسی خیال نے مریض کردیا اور اسی مرض نے اسے ہلاک بھی کرڈالا.

۱۸۴۲ رکھا پیو کوں بھورا جن ناز میں ہائے
ہمارا درد و دوکھ تو اس سیں کہ جائے

۱۸۴۵ بھنور ہوکر کے الجھے کس کنول میں
رہے لپٹائے کس سوتن کے گل میں

۱۹۷۱ کیا کن بد قماش اس مہ کوں برہم
مری شمشیر کے گھائل کو دے دم

۱۹۷۲ رہا کس کا غلام ہوکر مرا تاج
کہ جس کے بن ہوا سوناں مرا راج

۲۰۶۵ کہ جا پردیس میں گھر کو بھلاؤں ناں
کسی مہ کوں گلے ہر شب لگاؤ ناں

بارہ ماسوں میں محبوب سے جدائی کے نت نئے تجربے راگ اور نغمہ کی مدد سے ہم تک پہونچائے جاتے ہیں یا یوں کہئے کہ یہ قطرات اشک ہیں جو دامن پر گرتے رہتے ہیں. ایک سال کے مختلف جذبات اور گو نا گوں خیالات کو ربط اور آہنگ مل جاتا ہے. کنول دی سراپا انتظار ہے ، وہ اپنے دور افتادہ شوہر کی جدائی میں بے قرار ہے اور بہ جز اشک ریزی کے دوسرا مشغلہ نہیں رکھتی ، چاہتی ہے کہ اپنی ناکامیوں سے کام لے ، اسی لئے جذبات بڑے تند و تیز ہوگئے ہیں ، اور جب جذبات میں تندی آتی ہے تو فنی تصور (Crafts'manship) کا گذر نہیں ہوسکتا . جوہری نے بھی اس بارہ ماسے میں فنی کمال کو پاس آنے نہ دیا وہ کنول دی کے ساتھ ہر شئی کو جذبات کے طوفانی سمندر میں غرقاب کردینا چاہتے ہیں .

ہر ماہ کا اس موثر انداز میں ذکر ہے کہ اس کی ساری خصوصیتیں اور اس میں آنے والے تہوار کا پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے. اس میں جتنے پھول اور پرندوں کا ذکر ہے سب جانے پہچانے ہوئے ہیں. سنسکرت کے ریتو ورنن میں بھی بعض پرندوں کا ذکر آتا ہے لیکن جس اہتمام سے جوہری نے پرندوں کو پیغام بری سونپی ہے وہ کسی دوسرے بارہ ماسے میں نہیں. بارہ ماہ کے لئے بارہ پیغام بر چنے گئے ہیں ، بھنگم ، کوکلا ، کوئل ، کھنجن ، سبزک ، سرخاک ، سارس ، کبوتر ، بسنتا ، بلبل ، کاگ اور سوا .

افضل نے صرف کاگ اور سبزک کا ذکر کیا ہے، سندیسا ان کی زبانی ضرور بھیجا ہے، کاگ اور سبزک کی شکایت بھی ہے لیکن وہ بات پیدا نہ ہوسکی جو جوہری کے یہاں ہے۔

زبان کے معاملے میں جوہری ایک باشعور شاعر ہوجاتے ہیں، اس بارہ ماسے میں انھوں نے اس کا پورا پورا خیال رکھا ہے کہ کنول دی کے منہ میں ایسی زبان دی جائے جو ان کو چھج سکے، وہی جوہری جو اس مثنوی کے دوسرے حصوں میں فارسی اشعار اور فارسی مصرعوں کو بے دریغ کام میں لاتے ہیں، اور فارسی و عربی الفاظ کی ایک فوج کھڑی کردیتے ہیں، داستان کے اس حصے میں آکر بدل جاتے ہیں اور بارہ ماسہ کے ۳۳۶ اشعار میں ایک شعر بھی فارسی میں نہیں کہتے۔ صرف تین مصرعے شعر ۲۰۷۹، ۲۱۲۴ اور ۲۱۲۶ میں فارسی کے استعمال ہوئے ہیں۔ عربی الفاظ گویا نہیں لائے ہیں اور فارسی الفاظ جو لائے بھی ہیں تو بہت کم، ہندی اور بھاشا کے نرم الفاظ اور ملائم بندشوں سے زیادہ کام لیا ہے محاورات بھی ہندی کے ہی ہیں۔ فارسی کے جو الفاظ آئے بھی ہیں تو ان سے بارہ ماسے کے مزاج میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا، ابتدا سے انتہا تک اس کا مزاج ہندی ہی ہے، لب و لہجہ پر دیہقانی انداز نمایاں ہیں، اور نسوانی طرز گفتگو آشکار۔ ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ کنول دی کی زبان اپنی ہے، اس کے صدمات اپنے ہیں، اس کے جذبات اور تجربات اپنے ہیں، ایسا نہیں کہ جوہری نے اپنی زبان اپنے جذبات اپنے تجربات یا اپنے صدمات کو اس کے دل میں ڈال دیا ہے یا اپنے جذبات و تجربات کواس سے وابستہ کر رکھا ہو، اشعار مندرجہ ذیل سے اس کی صداقت معلوم ہوجاتی ہے:

۱۹۲۰ ارے اندھے کوں یہ جو وامنا ہے
رقیب بوالہوس کس کا جنا ہے

۱۹۳۴ تجھے ہر روز ملتا ہے ترا جفت
گیا وہ لال میرا ہاتھ سیں مفت

۱۹۴۲ سبھوں کو ہیگا اپنے کام سے کام
عجب خود غرض آیا ہے یہ ایّام

۱۹۴۶ کہاں وے دن کہاں وہ عشق کا جوش
شراب وصل سیں رہتی تھی مدہوش
۱۹۹۲ کئی طرحوں کئی روپوں کئی رنگ
مرے شوقوں کوں کر اظہار پیو سنگ

یہی نہیں جوہری نے کمال تو یہ کیا کہ تصوف کی بعض باتیں بھی کنول دی کی زبانی کیسے پیارے انداز میں کہ دی ہیں اور فنا فی اللہ کو کس خوبی اور محبوبی کے ساتھ ذہن نشین کرادیا ہے:

۱۹۳۱ تجوں چوں چار عنصر چار دانے
ملوں تب جائے کر پیو سوں اپانے

۱۹۱۴ حواس خمس کوں تج پیت جوڑوں
رقیباں سب کھے میں پنجرے کو توڑوں

مختصر یہ کہ جوہری کا یہ بارہ ماسہ دوسرے بارہ ماسوں سے زیادہ کامیاب اور مکمل ہے۔ یہ فراقیہ ہے اور فراقیہ انتہا تک رہا۔ بند کے چار اشعار ۱۰۲ و ۱۳۷ ۱۸۳ اور ۲۵۴ اتنے فصیح اور سلیس ہیں کہ حیرت ہوتی ہے اور کچھ شک بھی ہوتا ہے کہ یہ الحاقی ہیں۔ بارہ ماسہ کے چند اشعار سپرد قلم ہوتے ہیں:

۱۸۴۶ کنول ہوں میں کنول دی ہے مرا نام
مجھے جل بیچ بن سورج نہ آرام
۱۸۴۹ بوجھے پانی سیں نہیں یہ آگ میری
اری کیسی ابھاگی بھاگ میری
۱۸۶۳ اگن دوکھ کی نہیں جاتی سنبھالی
ہوئی ہوں جل کے میں کوئل سی کالی
۱۸۷۱ تمہیں تو دیکھنے کی پیت تھی میت
جو گھر چھوٹا کہاں تریا کہاں پیت
۱۹۴۰ اگر تجھ میں وفا کی بوے کچھ ہوے
مرے آنسوں کوں لے پیو پاس جاروئے
۱۹۵۳ کہاں ہیں وے سہاگوں کے مرے دن
پیا پوچھے نہیں کس کی سہاگن

۱۹۵۴ جو میں شادی سیں جاموں نہیں سماتی
رہی ہوں سوکھہ جاڑوں تھرتھراتی

۲۰۰۰ ارے پھاگن کے ایسے دن مزے دار
چلے جاتے ہیں مفت ہے گھر نہیں یار

۲۰۳۳ پھری پھرتی ہوں اس گل بن ڈنواں ڈول
کروں کا لیکے غنچہ کا کروں پھول

۲۰۳۴ صبائیں غنچۂ دل وا نہ کیا
میری کلیوں کا کچھ سیوا نہ کیا

۲۰۴۱ تجھے تو گرمی بازار ہے گل
مری آنکھوں میں آتش زار ہے گل

۲۰۴۲ جلے کا گل لگے گی باغ میں آگ
اری بلبل شتابی بھاگ تو بھاگ

۲۰۵۱ نسیم نو بہا ہے زندگانی
گلوں کے بو سیں اوڑے ہے جوانی

* جناب عابد رضا بیدار

علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ سنہ ۱۸۷۳

«۱۸۷۳ ع میں گزٹ کی آٹھویں جلد شروع ہوئی ۱۸۷۰ ع ، ۱۸۷۱ ع اور ۱۸۷۲ ع کی فائل مجھے ابھی تک نہیں مل سکی ہے لیکن ان کی خاطر گزٹ کے جو فائل فی الحال میسر آسکے ہیں ان کی پیشکش میں تاخیر میں مناسب نہیں سمجھتا. ہر سال کے مندرجات میں خاصی معقول تعداد میں اتنی اہم چیزیں مل جاتی ہیں جنکے اشاریہ کی پیشکش میں عجلت ضروری بھی ہے مفید بھی. ۱۸۷۳ ع کے گزٹ میں جو اہم مندرجات ہیں انہیں میں نے تاریخ وار درج کر دیا ہے ، آپ انہیں نیچے کی سطروں میں ملاحظہ کر لیں. رہے اس سال کی اہم ترین تجویز اور اس سلسے کی تحریروں کا حوالہ اپنی جگہ پر تاریخ وار دینے کے بجائے یہ بہتر خیال کرتا ہوں کہ آپ سے تمہیدی گفتگو کرتے ہوئے یہیں اس کا تذکرہ کردوں. یہ تجویز ایک « انگریزی اخبار » کی اشاعت کے بارے میں تھی جس کا کام صرف اتنا ہو کہ وہ « ہندوستانی اخباروں ، کی رایوں کا ترجمہ چھاپا کرے. ۲۸ فروری کے گزٹ کے اداریہ میں اس عنوان سے یہ تجویز پہلی بار پیش کی گئی. « تجویز ، ایسے حالات میں جب انگریزوں کو یہ سمجھانا قطعاً ضروری تھا کہ ہندوستانیوں کی ان کے انتظام وانصرام کے بارے میں کیا رائیں ہیں» کیسی ضروری اور کتنی مفید تھی اور کتنے دور رس نتائج کی حامل تھی ، اس پر طویل گفتگو فضول ہے. اس گزٹ نے اس تجویز پر جو تبصرہ کیا ۲۱ مارچ کی اشاعت میں اس کا جائزہ لیا گیا ہے

---

* جناب عابد رضا بیدار . رضا لائبریری - رام پور

(۱) اسے نوائے ادب اکتوبر سنہ ۱۹۵۹ میں گزٹ کے پہلے چار سال کے اشاریہ کی دوسری قسط کے طور پر ملاحظہ کیا جائے .

اور ۲ مئی کے پرچے میں، پایونیر وغیرہ اخبارات نے جو کچھ لکھا ہے، اس پر تبصرہ کیا گیا ہے. اس کا عنوان ہے «ہندوستانیوں کی رایوں کا کیا حال ہے». اودھ اخبار نے اپنے ایک اداریہ میں اس تجویز پر اظہار خیال کیا جس پر گزٹ، کی ۲۳ مئی کی اشاعت میں تبصرہ کیا گیا ہے. چند اور اخباروں نے بھی اس سلسلے میں مخالفت یا موافقت کے انداز پر اظہار خیال کیا، اینگلو انڈین اور اردو اخباروں میں اس تجویز کا عام چرچا قابل لحاظ ہے. ویسے گزٹ کی موجودگی میں جو انگریزی اردو دونوں زبانوں میں چھپتا تھا، خود گزٹ والوں کے لئے تو یہ ممکن نہ تھا کہ اس قسم کا ایک اور اخبار نکال ڈالتے، کسی اور کو اتنی توفیق نہ ہوئی. تجویز میں کتنی دور اندیشی اور دانشمندی، کتنی سیاسی سوجھ بوجھ اور بصیرت پنہاں ہے! آج نوّے برس کے بعد بھی ایک ایسے انگریزی اخبار کی ضرورت ہے جو صرف اردو پریس کی رایوں کا خلاصہ پیش کردیا کرے، اور ان اہم خبروں کا ترجمہ دیا کرے جسے انگریزی پریس نظرانداز کرجاتا ہے. یہ اور بات ہے کہ آج ایسا اخبار تو کجا ہمارے پاس گزٹ جیسا کوئی اخبار تک موجود نہیں، ایسا لگتا ہے جیسے سائنسی اکتشافات کے سوا ہر فکری میدان میں ہم اپنے پیش رو دیو زادوں کے مقابلے میں بونے بنتے جارہے ہیں.

ایسی پیاری تجویز پیش کرنے والوں کے سامنے میں ادب سے اپنا سر جھکاتا ہوں اور ان کی خدمت میں عقیدت کا نذرانہ پیش کرتا ہوں. اتقوا بفراسة المومن!

اب آپ اشاریہ ملاحظہ فرمائیں:

«ہم کو اس خبر کے سننے سے افسوس ہے کہ آئندہ ہندو رفارمر، بمبئی، موقوف ہوجاوے گا» (۳ جنوری)

«اضلاع متوسط کی عدالتوں میں ناگری حروف کا جاری ہونا، ۱۴ ستمبر سنہ ۱۸۷۲ع سے» (۳ جنوری)

« سید حسین صاحب ، پروفیسر عربی ، کیننگ کالج ، لکھنؤ ، نے دیسی زبان کے واسطے علمی اصطلاحات کی نسبت ایک رسالہ چھاپا ہے . مصنف کتاب نے جس مشکل کا ذکر کیا ہے ، یعنی یہ کہ انگریزی زبان کے علمی الفاظ کے واسطے ہم معنی اصطلاحات دیسی زبان میں موجود نہیں ہیں ، وہ حقیقت میں ایک بڑی مشکل ہے ، لیکن اگر سید صاحب کی رائے پر عمل کیا جاوے تو وہ کچھ ایسی مشکل نہیں ہے ، جس کا حل ہونا ناممکن ہو . یہ مشکل صرف اس صورت میں خاطر خواہ رفع ہوسکتی ہے کہ یکساں الفاظ استعمال کئے جاویں ، چنانچہ اسی غرض سے یہ رسالہ تیار کیا گیا ہے . ہم امید کرتے ہیں کہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب اس رسالے کو ملاحظہ فرماویں گے » (۱۰ جنوری)

« پنڈت دیانند سرستی ، جو بت پرستی کے موقوف کرنے میں نہایت بہادری کے ساتھ کوشش کررہے ہیں ، اور جنھون نے حال میں مقام بنارس میں ایک عام مذھبی جلسہ میں بنارس کے تمام پنڈتوں کو مغلوب کیا تھا اور تمام شمالی ہندوستان میں بڑی شہرت حاصل کی تھی ، بالفعل کلکتہ میں وارد ہوئے ہیں . . . . » (۱۰ جنوری)

« صائب کا مقولہ اور آگرہ اخبار : صائب جو کہ ایک عالی دماغ اور نازک خیال شاعر تھا ، جب اس نے یہ شعر کہا جس کا ایک مصرع یہ ہے :-

جامہ را فاختۂ ساختۂ یعنی چہ

تو اس کے اس بے نظیر شعر کا نہایت شہرہ ہوا اور جو اس مذاق کے لوگ تھے اور اس نازک دماغی کے قدر شناس تھے انھوں نے صائب کی نہایت مدح کی . رفتہ رفتہ یہ شعر ایک ایسے مدرسے میں بھی پہنچا جس میں ایک شاخ عربی کی بھی تھی ، وہاں کے طلبا نے جب اس شعر کو سنا تو کوئی اس پر ہنسا ، کسی نے اس پر کوئی اعتراض کیا . کسی نے اس کو مہمل بتایا ، غرض کہ آخر کار یہ شعر مدرسے کے مدرس اول کے پاس گیا ، انھوں نے کمال ذہانت اور نہایت جودت طبیعت سے ہنس کر یہ فرمایا کہ « صائب خطا کرد ؛ چرا کہ خطاب را بصیغۂ غائب تعبیر نمود . در شعر او لفظ یعنی کہ بیایے تحتانی است بتائے تحتانی می باید کہ مقام خطاب است » اس اصلاح کی خبر صائب کو بھی پہونچی اور تمام مراتب (جو اس شعر فہمی) میں عربی کی شاخ کے طلبا سے حل ہوئے تھے ، سب صائب کے روبرو

بیان کئے گئے۔ صائب نے جب معلوم کیا کہ میرے بے نظیر شعر کی مٹی خراب ہوئی تو وہ بے چارہ رویا اور متاسفانہ اس نے کہا کہ «افسوس شعر مرا بہ مدرسہ کے برد» یہی کیفیت ہم کو اس وقت آگرہ اخبار مطبوعہ ۲۰ دسمبر میں ان تحریروں کے دیکھنے سے آرہی ہے جو مدرسۃ العلوم کی بابت ہیں۔ جب ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے مدرسۃ العلوم کی روئداد یں اور جناب مولوی سید احمدخانصاحب کی سنجیدہ رائیں آگرہ اخبار کے دفتر میں کسی نے پہنچا دیں تو بھی ہم کو کچھ کم افسردگی نہیں ہوتی۔ جس شخص کی یہ تحریریں ہیں، وہ اپنے آپ کو بے تکلف غریبوں کا ھمدرد بتاتا ہے اور اپنے تمام مضمون میں لکھتا ہے کہ غریبوں کو اس مدرسے سے کیا فائدہ ہوگا اور اس کو اس بات سے بڑی مایوسی ہے کہ مسلمانوں کی فقہ، حدیث، تفسیر سے بھی غریب بے چارے محروم ہوجاویں گے، صرف امراء ہی بہرہ یاب ہوں گے۔ مگر ہم اس بات سے نہایت خوش ہیں کہ ظاہرا اس میں اصل مدرسے کی تدبیر کی نسبت کوئی طعنہ نہیں ہے ......» (۱۰ جنوری)

«بالفعل گورنمنٹ کی یہ رائے ہوئی ہے کہ ہر ضلع کے صدر محکمہ میں ایک ایک کتب خانہ قانون کی کتابوں کا قائم کیا جائے .....» (۱۰ جنوری)

«تتمۂ مضمون اصلاح و تہذیب اخبار» ۔ منقول از پٹیالہ اخبار (۱۷ جنوری)

«اس بات پر اظہار مسرت کہ گزٹ میں سنہ ۱۸۷۰ع میں جن انگریزی کتابوں کی فہرست چھپی تھی، اس ذیل میں کہ علی گڑھ اور بہار سین ٹیفک سوسائٹیوں کی طرف سے اس کے اردو ترجمے ہوئے تھے، اور ہوئے، ان کی کتابوں کے بارے میں گورنر جنرل نے بنگلہ، ہندی اور اڑیا میں بھی ترجمہ کی سفارش کی ہے، گزٹ کا حوالہ دیتے ہوئے» (۱۴ فروری)

«پایونیر سے منقول: یہ جو عمدہ کام سید احمد خان بہادر سی۔ ایس۔ آئی۔ نے تجویز کیا تھا وہ اب نہایت ترقی پر ہے، بنارس سے ہمارے پاس یہ خبر آئی ہے کہ جو اجلاس مجلس «خزنۃ البضاعۃ کا ۱۰ فروری کو ہوا تھا اس میں منجملہ ۵۲ ممبروں کے ۴۷ ممبروں کے اتفاق رائے سے یہ بات تجویز ہوئی کہ کالج مجوزہ علی گڑھ میں قائم کیا جاوے .....» (۲۱ فروری)

«جو کتاب مسٹر اسٹیپلی صاحب ہیڈ ماسٹر ہائی اسکول الہ آباد نے انگریزی

سے اردو میں اور اردو سے انگریزی میں ترجمہ کی مہارت پیدا کرنے کے واسطے لکھی ہے ... اس قسم کی کتاب کی آج کل نہایت ضرورت تھی ...» (٢١ فروری)

« انگریز لوگ اس ملک کے باشندوں سے کیوں نہیں ملتے جلتے: غازی پور میں ایک لکچر» گزٹ میں ہی انگریزی اردو و دونوں زبانوں میں ہے۔ (١٤ مارچ)

« طریقۂ تعلیم و سلسلۂ تعلیم جس طرح پر مجوزہ مدرسۃ العلوم مسلمانان میں ہونا چاہئے۔ مجوزۂ سید محمد محمود، ممبر، مجلس خزنۃ البضاعۃ لتاسیس مدرسۃ العلوم للمسلمین» (٢١ مارچ)

« کلکتہ یونیورسٹی کے کانووکیشن کی مفصل روداد» (٢٨ مارچ)

« رفع الزام»: محمد عارف کا خط سید احمد خان کے مضمون کے سلسلے میں (١١ اپریل)

« کسی قوم سے باھمی میل جول کے لئے اتحاد مذھبی کیا ضرور ہے» (١١ اپریل)

« دار العلوم مسلمانان: منقول از تہذیب الاخلاق» (٢٨ مارچ، ١١ اپریل)

« دنیا میں صرف شہرت ہی نیکی کا صلہ ہے» از کاشی ناتھ۔ (٨ ١اپریل)

« قول فیصل، سید احمد خان کے باب میں» از احمد خان صوفی مہتمم مطبع مفید عام آگرہ (١٨ اپریل)

« گزرا ہوا زمانہ» (منقول از تہذیب الاخلاق) از این. ایم. سید احمد (١٨ اپریل)

« بحث و تکرار» ،، ،، از سی. ایف. سید احمد (١٨ اپریل)

« صاحب اودھ اخبار کے خیال پر تعجب (٢٥ اپریل)؛ اس سلسلے میں کہ سید احمد خان کے ساتھی ان کی جملہ رایوں سے بلا سوچے سمجھے اتفاق کرتے ہیں۔

« پایونیر سے سید احمد خاں کے قیام بنارس کی ایک رپورٹ»، منقول۔ (٢٥ اپریل)

« خیوا اور اس کے باشندوں کا بیان» (٢٥ اپریل)

«اودھ کو اضلاع شمال و مغرب کے ساتھ ملادیا جائے، اس تجویز کی عام طور سے مخالفت کے خلاف گزٹ نے موافقت کی ہے» (۲ مئی)

«مدرسۃالعلوم مسلمانان» کے سلسلے میں لاہور سے ایک خط (۲ مئی)

«اودھ اخبار کی اس تجویز پر کہ عورتوں کے لئے مخصوص اخبار نکالا جائے تبصرہ». (۹ مئی)

۹ مئی: «دیسی زبانوں کی قابل پسند کتابوں کے مصنفوں کو انعام: باحاظ اشتہار گورنمنٹ...... مورخہ ۲ اگست ۱۸۶۸ع.»

جناب لفٹنٹ گورنر بہادر اعلان فرماتے ہیں کہ ۲۹ کتابوں کے لئے انعام مرحمت کئے گئے جن کی کل تعداد ۵۵۵۰ روپے ہیں، کتابیں جو انعام کے لئے منتخب کی گئیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

اخلاق اور مضامین مختلف: ۸، تعلیم (عام) ۲، تعلیم نسوان ۵، ریاضی ۲، ہیئت ۲، طبعیات ۲، ناٹک ۲، تاریخ اور جغرافیہ ۴، علم حیوانات ۱، حفظ صحت اور صفائی ۱ کل ۲۹.

اردو: ۱. رسالہ علم ہیئت (مولوی صمصام الحق) ۲. داستان دانش آموز، حوادث سماوی و ارضی کی ابتدائی کتاب (عبید اللہ العبیدی، ہوگلی کالج) ۳. ریاضی کے ۲۴ رسالے، سلسلہ وار (ذکاء اللہ میور کالج ـ الہ آباد) ۴. صبح صادق: اخلاق کا اردو رسالہ (کالکا پرشاد، کانپور) ۵. تلخیص الفوائد: رسالہ زبان فارسی کے بیان میں ۶. محبوب القلوب: تعلیم اور کسرت وغیرہ کے فوائد کے لئے باب میں (بشیشر پرشاد، گیانپور) ۷. تنبیہ التعلیم (محمد مبارک اللہ، متھرا) ۸. تشریح الفرس، (اجودھیا پرشاد، بریلی کالج) ۹. تہذیب المبتدی: قصے کہانیاں، نصیحت آمیز، ترجمہ انگریزی (کشن لعل) ۱۰. کحل الجواہر: حفظ صحت اور صفائی وغیرہ کے بیان مین، (مصلح الدین آگرہ) ۱۱. رسالہ فیض عام: علم ہیئت کا ایک رسالہ، عام فہم (سید تہور علی الہ آباد) ۱۲. تعلیم نسوان: ہنود عورتوں کی تعلیم کے بارے میں، (چتر بھوج سہائے آگرہ) ۱۳. مخزن العلوم: رسالہ در باب خواص ذاتیہ اجسام و حرکت و جر ثقیل وغیرہ (للتا پرشاد، کانپور) ۱۴. تعلیم النساء (دیبی پرشاد، اجمیر) ۱۵. گلدستۂ آداب: ادب کی حکایتیں (دیبی پرشاد اجمیر) ۱۶. آئینۂ خرد: عورتوں

کی تعلیم اور ان کے کاموں کے بیان میں (عبدالرحیم آگرہ) ۱۷. مرات الایشیا : جغرافیہ (کلیان رائے، میرٹھ) ۱۸. وقائع درانیاں: ترجمہ ایک فارسی کتاب کا (سید احمد، نارمل اسکول، دہلی) ۱۹. ماثر النسا: ترجمہ کسی کتاب کا (تفضل حسین آگرہ) ۲۰. اردو ترجمہ بٹلر صاحب کے رسالہ اثبات بہ دلالت مطالقی، حصہ اول (ولیمس سینٹ جان، آگرہ) ۲۱. رونق ہند: فوائد حکومت انگریزی (حسین علی مرزاپوری) ۲۲. منہاج السعادت: تعلیم نسوان (وزیر علی، بریلی).

ہندی: سچی بیرتا: ترجمہ ایک رسالہ اردو سچی بہادری کا (پنڈت رام نرائن بریلی) ۲. استری بچار: اخلاق کی باتیں (ہری ہر ہیرا لعل. میرٹھ) ۳. بھوگول، ضلع اٹاوہ (دیبی دین، تحصیل لکھن) ۴. بھوگول چندر ادے: جغرافیہ عالم (دولت رام، کاسگنج) ۵. گنت چندر ادے: علم حساب میں (چمن لعل، کاسگنج) ۶. اتر رام چرتر: ایک سنسکرت ناٹک کا ترجمہ (پنڈت دیودت، بریلی کالج) ۷. وکرم ارویسی: ترجمہ سنسکرت ناٹک کا (رام پرشاد تیواری، الہ آباد).

انعام کی کل رقم؛ اردو: ۲۹۵۰ روپے، ہندی: ۷۰۰ روپے.

اس کے بعد آئندہ سال کے لئے انعامات کا اشتہار ہے جس میں یہ بھی لکھا ہے کہ :-

« اس غرض سے جو کتابیں ترتیب دی جائیں وہ تصنیف ہوں یا تالیف، حتیٰ کہ اگر کسی دوسری زبان کی کتاب کا ترجمہ ہے وہ سب منظور ہونگی. مگر مذہبی کتابیں یا ایسی کتابیں جن میں تہذیب اخلاق کے خلاف کوئی بات لکھی ہو قبول نہ ہونگی. سوائے اس کے اور کوئی قید مطالب یا طرز کی نسبت نہیں ہے. مضمون کتاب کا خواہ عام تواریخ سے متعلق ہو، خواہ مشہور لوگوں کے تذکرے سے یا سیر و سفر کے حالات سے، یا کسی علم و فن یا فلسفہ سے؛ اور ان میں واقعی سرگزشت ہوں یا خیالی اور فرضی، اور نظم میں لکھی جائیں یا نثر میں، صرف غرض یہ ہے کہ کتاب سے کوئی عمدہ غرض حاصل ہو؛ چاہیے تعلیم کی نسبت ہو یا تفریح یا تہذیب عقل و ادراک کی نسبت میں؛ اور اس ملک کی مروج زبانوں میں اردو یا ہندی میں لکھی جائے اور مطلب اور عبارت دونوں میں خوبی ہو ..... ہندوستان کی مستورات کے پڑھنے کے لائق جو کتابیں ہونگی وہ خاص کر پسند

اور قبول کی جائیں گی»۔ (۹ مئی)

آرٹیکل: سوختیم و سوزش ما بر کسی ظاہر نہ شد
چوں چراغان شب مہتاب بیجا سوختیم

«اس شعر کی دردناک صدا ہم کو آج کل مولوی سید احمد خان صاحب کی زبان حل سے آتی ہے اور ہم تو بشر ہیں، پتھر بھی ایسی دردآمیز آواز کو سن کر کبھی پگھل جاتا ہے......»۔ (۱۶ مئی) اودھ اخبار مورخہ ۶ مئی میں مولوی نورالحق کا ایک خط مدرسة العلوم کے قیام کی مخالفت میں چھپا ہے اسی پر یہ آرٹیکل لکھا گیا ہے۔

«تعزیت نامۂ محمد عثمان خاں، مدارالمہام ریاست رام پور، جو ۱۰ مئی سنہ ۱۸۷۳ع مطابق ربیع الاول ۱۲۹۰ھ «راہی ملک بقا ہوئے»۔ (۱۶ مئی)

«درخواست بخدمت مہاراجگانؒ و راجگاں و نواباں و سرداراں وایڈیڑاں و اہل علم و خیرخواہان ہندوستان» اس عنوان سے کیشب چندر متر نے تفصیل سے ملکی ترقی کے لئے ایک پلان پیش کیا ہے جس میں فنون مفیدہ کی تعلیم (پروفیشنل ایجوکیشن)، ہندوستانی طلبا کو انگلستان بھیجنا اور دیسی زبانوں میں انگریزی سے فنون مفیدہ پر کتابوں کے ترجمے پر زور دیا ہے۔ (۱۶ مئی)

«ہندوستان کی پرانی رسمیں»: از پادری رجب علی، او. ایس. ایچ. (۱۶ مئی)

«وفی السماء نجوم لا عداد لہا ولیس یکسف الاالشمس والقمر
وکم علی الارض من خضرویا بسہ ولیس یرجم الا ما ھو الشجر

یہ دو شعر عربی کے بلا شبہ مولوی سید احمد خان صاحب کے حسب حال ہیں جنکا ترجمہ یہ ہے کہ آسمان میں ستارے بہت سے ہیں مگر گہن لگتا ہے تو صرف چاند اور سورج ہی کو لگتا ہے، اور گو دنیا کے پردے پر خشک گھاس پھوس بہت ہے مگر پتھر بارور درخت ہی کے مارتے ہیں......» اداریہ (۲۳ مئی)

«مولوی سمیع اللہ خان، علی گڑھ کے صدر الصدر مقرر»۔ (۲۳ مئی)

«ریویو کیا چیز ہے»: از کاشی ناتھ۔ (۲۳ مئی)

«حسن بن عبداللہ (حیدرآباد) کا ایک خط مجوزہ مدرسة العلوم مسلمانان کے بارے میں»۔ (۲۳ مئی)

مسٹر روتلج سابق ایڈیٹر فرینڈ آف انڈیا کے ایک مضمون مطبوعہ میکملن (لندن) کا ترجمہ بہ عنوان « ہندوستان میں بالفعل انگریزوں کی کیا حالت اور غالباً آئندہ کیا حالت ہوگی » . (۲۳ مئی)

« ہندوستانی اخباروں کا ترجمہ اور مہتمم پایونیر اخبار کی رائے . » (۲۳مئی)

اخبار عالم سے « گورنمنٹ رپورٹر » کے عنوان سے ایک مضمون منقول ، جس میں گورنمنٹ کے اس رویہ پر نکتہ چینی کی ہے کہ :

« گورنمنٹ ہند کی طرف سے الہ آباد میں ایک صاحب عہدہ دار جن کا لقب گورنمنٹ رپورٹر ورنیکلر اخبارات ہے ، مقرر ہیں . ان کے ذمے یہ کام ہے کہ جو مضمون نسبت امور انتظامی ملک ہند کے لائق اطلاع گورنمنٹ کے ہو اس کا ترجمہ اخبارات ممالک مغربی اور پنجاب اور اودھ اور سنٹرل پراونسیس سے کرتے ہیں . اور وہ ترجمہ بطور رپورٹ انگریزی اخباروں کے چھاپے کے دفتروں میں تو جاتی ہے مگر کسی ہندوستانی چھاپہ خانے کے اخبار کو نہیں ملتی ہے » . (۲۳ مئی)

« ہندوستان کے اخبار » کے عنوان سے اداریہ . (۳۰ مئی)

« مکتوب سر سید بنام راجہ جئے کشن داس مورخہ ۹ جون ۱۸۷۳ع » : اخبار کی پالسی اور اودھ اخبار سے گزٹ کے جھگڑے کے بارے میں . (۳۰ مئی)

« نیشنل انڈین ایسوسی ایشن ، لندن » . (۱۳ جون)

« ہندوستانیوں کے نکاح وغیرہ کے معاملات کے تصفیہ کے واسطے قاضیوں کا تقرر » (۱۳ جون)

« جلسۂ عظیم آباد ، پٹنہ ، واسطے ترقیٔ چندہ مدرسۃ العلوم مسلمانان ، اسپیچ ستارۂ ہند مولوی سید احمد خان » (منقول از تہذیب الاخلاق) . (۲ جون)

« بمبئی میں ایک عالی ہمت ہندو نے دیا سلائی بنانے کا کارخانہ جاری کیا ہے » . (۲۷ جون)

« رزولیشن گورنمنٹ ہند بابت تعلیم ہندوستان ، جو « ہندوستان کی رعایا خصوصاً مسلمانوں کے حق میں نہایت ہی اطمینان کا باعث ہے . . . . » . (۲۷ جون)

« مکتوب سر سید بنام راجہ رام جے کشن داس » : سائنٹفک سوسائٹی کے بارے میں. (٢٧ جون)

« مدرسۃ العلوم مسلمانان اور ستارہ ہند مولوی سید احمد خان بہادر » ، اس عنوان سے نجف علی، گجرات، پنجاب کی ایک تحریر. (٢٧ جون)

« روس کی نسبت انگریزی اخبار نویسوں کے خیالات ». (٤ جولائی)

« مدرسۃ العلوم ». (٤ جولائی)

« عوام کالا نعام کے خیالات اور روس و انگلستان کے حالات ». (٤ جون)

« سود کی ڈگریوں کی بدولت غربا کی تباہی » ، اداریہ. (١٨ جولائی)

« ممالک مغربی و شمالی کی دیسی زبان » : پایونیر سے منقول. (١٨ جولائی)

« مدرسۃ العلوم مسلمانان » : سرکلر مجلس خزنۃ البضاعۃ مدرسۃ العلوم. (١٨ جولائی)

« سید نصرت علی کی انگریزی، اردو سکھانے والی کتاب « مفید عام » پر تبصرہ ». (٢٥ جولائی)

« بنگالہ میں مذہب عیسوی کے بارے میں ایک خط از بنگالی ». (یکم اگست)

« تجویز قیام صدر انجمن مسلمانان پنجاب ماتحت خزنۃ البضاعۃ لتاسیس مدرسۃ العلوم » نقل خط سید احمد خان بنام محمد برکت علی خان آف پنجاب، و نقل خط سید احمد خان بنام محمد حیات خان بہادر نجم الهند، و نقل خط جناب محمد حیات خان، بنام برکت علی خان: منقول از اخبار انجمن پنجاب. (یکم اگست)

« مہاراجہ پٹیالہ کی فیاضی کا شکریہ اور مسلمانوں کی « غیرت » پر افسوس » : مہاراجہ نے مدرسۃ العلوم کے لئے تین سو روپے دیے ہیں. (٨ اگست)

« اخبار نویسوں کی آزادی کیاچیز ہے ». (٨ اگست)

« امید کی خوشی » : منقول از تہذیب الاخلاق. (٨ اگست)

« عرضی باشندگان ممالک مغربی و شمالی بدرخواست اجرائے حروف ناگری بجائے حروف فارسی ». (١٥ اگست)

« تبصرہ ، کتاب الراحۃ: الموسوم بالواسطہ الی معرفت مالطا وکشف المخبا عن

فنون اوربا، مؤلفۂ ١٢٧٩ ـ ١٢٨٣ ھ، مطبوعۂ تونس (عربی). (٢٢ اگست)

«اشتہار کتاب حمایت الاسلام، مصنفۂ گاڈ فری ھگنس، جسے سید احمد خان نے اردو میں ترجمہ کراکے مطبع صدیقی بریلی، سے چھپوایا ہے، سید احمد خان سے مل سکتی ہے». (٢٢ اگست)

«اخبار کی بے وقعتی کے اسباب»، اداریہ. (٢٩ اگست)

«گورنمنٹ کا برتاؤ ہندوستانیوں کے ساتھ»، از کے. این. (٢٩ اگست)

«رام پور کے نواب کلب علی خان کی تصانیف قندیل حرم اور شگوفۂ خسروی پر نوٹ». (٥ ستمبر)

«حکیم احسن اللہ خان رئیس دہلی کے انتقال کی اطلاع»، اکمل الاخبار سے منقول. (٥ ستمبر)

«علی گڑھ میں مسلمانوں کی ترقی کے آثار». (٥ ستمبر)

«الہ آباد میں بھیڑیوں میں پلنے والا لڑکا». (١٩ ستمبر)

«لفٹننٹ گورنر بنگال. اور صوبہ بہار کے مسلمان». (١٩ ستمبر)

«کشمیری زبان اردو میں سیکھنے کے لئے پنڈت بشن نرائن کی کتاب گلزار کشمیر»، اس پر تبصرہ. (١٩ ستمبر)

«بابو پیارے لال، خیرخواہ شمالی ہندوستان»، از کاشی ناتھ. (١٩ ستمبر)

«پایونیر میں ایک صاحب نے اطلاع دی ہے کہ انہیں بچھو نے کاٹا تو اسی جگہ انھوں نے ایک مکھی مار کے لگادی، فوراً آرام ہوگیا». (٢٦ ستمبر)

«کتاب اخلاق محمدی مصنفہ مرزا محمد علی». (٣ اکتوبر)

«تعلیم کی طرف مسلمانوں کے خیالات»، از تصدق حسین. (٣ اکتوبر)

«اجلاس سب کمیٹی مدرسہ اسلامیہ علی گڑہ، سکریٹری سمیع اللہ خان». (١٠ اکتوبر)

«کیا مذھب کی بات بھی کسی کے خیال سے کچھ یوں ہی ہوسکتی ہے». اداریہ. (٣١ اکتوبر)

« سلطنت انگلیشیہ :» تنقید از عطا محمد، امرتسر (۳۱ اکتوبر)

« مسودہ قواعد : سکونت و تربیت طالب‌علماں مدرسۃالعلوم میں.» از سید احمد خاں (۳۱ اکتوبر)

« انگریزوں کا، ان کو سلام نہ کرنے پر، ناخوش ہونا. اس پر سخت تنقید » (۷ نومبر)

« تعلیم کی کمیٹیاں اور سررشتۂ تعلیم » از مشتاق حسین (۷ نومبر)

« مکتوب نصیر الدین سکریٹری انجمن مناظرۃ الحکمت مرزا پور :» محسن الملک نے مرزا پور میں ایک لکچر دیا، اس کی روداد (۷ نومبر)

« امداد الآفاق برخلاف تہذیب‌الاخلاق رسالہ از حاجی امداد العلی، ڈپٹی کلکٹر، کانپور، پر تبصرہ » (۷ نومبر)

« فتاوی بر خلاف تہذیب الاخلاق. اس مجموعہ فتاویٰ پر تبصرہ »: منقول از کوہ نور (۱۴ نومبر)

« مسٹر میل وِل صاحب کا قبول اسلام: ہندوستان میں حکومت کے ایک افسر اعلی کے قبول اسلام پر تبصرہ، اور اظہار مسرت » منقول از کوہ نور (۲۱ نومبر)

« ریویو کتاب فسانۂ حامد مصنفہ سید غلام حیدر خاں » (۲۸ نومبر) اسی کتاب پر رجب علی کا مضمون (۲۸ نومبر)

«مدرسۃ العلوم کے بارے میں سید احمد خان، مولانا عبدالحق خط و کتابت :» منقول از اخبار انجمن پنجاب (۲۸ نومبر)

« ریویو گلزار ہندی (اخلاق پر) مصنفۂ رائے کنھیا لال، لاہور. ریویو رقعات نامی مصنفۂ حکیم الدین، لکھنؤ » (۵ دسمبر)

« مولوی مہدی علی، مرزا پور کے ڈپٹی کلکٹر » (۵ دسمبر)

« آگرہ میں گورنر جنرل کی آمد اور اس موقع پر پیش کئے گئے ایڈریس » (۵ دسمبر)

« پایونیر کی خبر کہ الہ آباد کے مسلمانوں کے جلسے میں یہ طے ہوا کہ سرکاری دفتروں اور مدرسوں میں حروف دیوناگری کے اجراء کی نسبت جو ایک عرضی فرقہ ہنود کے بہت سے معزز شخصوں کی جانب سے گورنمنٹ کی خدمت میں پیش

ہونے والی ہے ان کی نسبت اعتراض کرنے کے واسطے ایک کمیٹی قائم کی جاوے .... مولوی سید احمد خاں بہادر سی. ایس. آئی، اس کے سکریٹری مقرر کئے جاویں .....» (۱۲ دسمبر)

اداریہ: «ہندوستانیوں کی بد قسمتی»: سول سروس میں ہندوستانیوں کو لیے جانے کے خلاف ایک انگریزی اخبار نے نوٹ لکھا ہے، اس پر سخت تنقید (۱۲ دسمبر)

«ہندوستانیوں کی تعلیم و تربیت کے متعلق ایک عمدہ کوشش»: پایونیر نے میسور کالج کے طلبا کی بعض کوششوں کو سراہا ہے. پایونیر سے منقول (۱۲ دسمبر)

«روئداد سب کمیٹی مرزا پور بتائید مدرسۃ المسلمین». از محمد اکرام حسین (۱۲ دسمبر)

«میور کالج اله آباد کی بنیاد کا پتھر رکھے جانے کی تقریب»: ایڈریس وغیرہ (۱۹ دسمبر)

«جلسۂ علی گڑھ بسلسلۂ مدرسۃ العلوم» (۲٦ دسمبر)

«تقریر صدر انجمن مسلمانان پنجاب»: ماتحت مجلس خازن البضاعۃ لتاسیس مدرسۃ العوم للسلمین (۲٦ دسمبر)

«ہندوستان کی موجودہ اور گزشتہ اور آئندہ کی حالت، اور آریہ لوگوں کے طور و طریق اور دستوروں کا بیان»: دیانند سرستی کے لکھنؤ کے لکچر (۲٦ دسمبر)

اخیر میں، ۱۸۷۳ ع کے گزٹ سے جن ہندوستانی اخباروں کی موجودگی کا پتا چلتا ہے، انکے نام درج کرتا ہوں:

پایونیر. انگلش مین، انڈین آبزرور، ہندو رفامر، ٹائمز آف انڈیا، ایڈین مرر، انڈین پبلک اوپی نین، انڈین اسٹیٹسمین، انڈین ڈیلی نیوز، مدراس التھینم، بمبئی گزٹ، فرینڈ ٹائمز آف انڈیا، بنارس گزٹ، بنگالی، امرت بازار پترکا، نارتھ ویسٹ ہیراڈ، لکھنؤ ٹائمز، اردو گائیڈ، پنجابی اخبار، کوہ نور، اخبارنو الانوار، اودھ اخبار، اخبار انجمن پنجاب، لوح محفوظ، اخبار عالم.

تبصرے

(تبصرہ کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں)

قول سدید یعنی رد خلافت معاویہ و یزید.

از مولانا ضیاء احمد بدایونی ایم، اے،

سابق پروفیسر و صدر شعبہ فارسی علی‌گڑھ مسلم یونورسٹی

صفحات ۱۵۴ قیمت: دو روپے چار آنے

ملنے کا پتہ: ایجوکیشنل بک ہاوس، سول لائن حامد علی بلڈنگ، علی گڑھ ۲

محمود عباسی کی کتاب «خلافت معاویہ و یزید» کے معتدد جوابات لکھے گئے، جن میں سے ایک جواب یہ بھی ہے، جس میں بڑی سلیقہ مندی سے ان کے بیانات کو بے نقاب کیا گیا ہے، اسلامی تواریخ کا سرمایہ، منصب خلافت اور بنی امیہ کے دعوے، بنی امیہ کا ریکارڈ، اور قول فیصل کے بڑے بڑے عنوانات کے ماتحت جزئی مباحث کو بڑی خوبی سے بیان کیا گیا ہے. البتہ بنی امیہ کا ریکارڈ کے عنوان سے اموی خلفاء کے یک طرفہ مثالب و معائب کو جمع کرنا اور اور ان میں سے اکثر محاسن و محامد کو نظر انداز کرنا ہمارے نزدیک مناسب نہیں ہے، اسی طرح یزید کے صرف فسق و فجور اور اس پر لعن طعن، کے اقوال کو بیان کرنا بھی احتیاط و اعتدال ہاتھ سے چھوڑنا ہے. مجموعی اعتبار سے یہ کتاب خلافت معاویہ و یزید کا کامیاب جواب کے اور پڑھنے قابل ہے،

تازیانے ترجمہ کتاب المنبہات علی الاستعداد لیوم المعاد.

از مولانا ابوالبیان حماد

صفحات ۲۸۸ قیمت: مجلد تین روپیے

ملنے کا پتہ: نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ، فریر روڈ کراچی (پاکستان)

کتاب المنبہات کے مصنف کے بارے میں اختلاف ہے، عام خیال ہے یہ کتاب علامہ زین‌القضاۃ احمد بن محمد حجی کی تالیف ہے، اس سے پہلے ہندوستان

اور قسطنطنیہ میں متعدد بار چھپ چکی ہے، عرصہ ہوا مولوی حافظ محب اللہ صاحب پانی پتی نے اس کا اردو ترجمہ بھی کیا تھا، یہ وعظ و نصیحت کی کتاب ہے، اس میں احادیث آثار صحابہ اور کلماتِ تابعین و سلف صالحین اس طور سے دس ابواب میں درج ہیں کہ پہلے باب میں دو نکتے والے کلمات ہیں، دوسرے باب میں تین نکتے والے اور تیسرے میں چار نکتے والے ہیں، لائق مترجم نے محنت سے کام لے کر ترجمہ میں اصل روح باقی رکھنے کی کوشش کی ہے، مگر کہیں کہیں بات نہیں بنی ہے، مثلاً ص ۳۲ پر قول نمبر ۲۱ کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے

«جو شخص یہ چاہے کہ اسے قرب آلہی نصیب ہو تو اسے لازمی طور پر عبادت کے لئے انسانوں سے کنارہ کشی اختیار کرنی پڑتی ہے، کیونکہ گوشۂ خلوت میں دل اللہ کی طرف مائل رہتی ہے»

حالانکہ اس کا صاف اور صحیح ترجمہ یوں ہے

«جو آدمی اطاعت کی وجہ سے اللہ سے قریب ہو جاتا ہے، وہ لوگوں میں اجنبی ہو جاتا ہے»

نیز اس ترجمہ میں دل کو مونث استعمال کیا گیا ہے جو صحیح نہیں ہے، اس طرح بعض مقامات پر ترجمہ میں معمولی سقم ہے، اس کے باوجود مجموعی اعتبار سے یہ کتاب اور اس کا ترجمہ بہت خوب ہے اور اس میں حکمت و عبرت کا بیش بہا خزانہ ہے.

اسلام کا نظام قانون

مرتبہ جناب غلام علی صاحب

صفحات ۲۹۲ قیمت مجلد تین روپیے بارہ آنے

ملنے کا پتہ: مکتبہ چراغ راہ، کراچی (پاکستان)

یہ کتاب در حقیقت چند ایسے مقالات و مضامین کا ترجمہ ہے جنھیں اسلامی قوانین و اصول پر مصر کی مشہور دینی جماعت الاخوان المسلمون کے داعیوں اور ذمہ داروں نے لکھے ہیں، کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے پہلے حصہ میں الاخوان کے مرشد عام شیخ عبدالقادر عودہ رح کی کتاب «الاسلام واوضاعنا القانونیۃ» کا ترجمہ ہے. اس حصہ میں موجودہ قانون سے معذرت، وظیفۂ قانون، اقسام قانون، قوانین موضوعہ کا ابطال، مصری قانون، فریضۂ جہاد، اسلام اور

استعمار کی آویزش پر نہایت مفید اور ضروری مباحث ہیں، دوسرے حصہ میں چند مضامین کے ترجمے ہیں، پہلا مضمون الاخوان المسلمون کے بانی الاستاذ حسن البنّا شہید رح کا ہے اور دوسرا اور تیسرا مضمون دمشق کے کلیة الشریفه کے پروفیسر شیخ مصطفےٰ احمد زرقاء کا ہے ۔ اس حصہ میں مطالبۂ نفاذ شریعت، کیا قانون ملکی کی بنا دین پر رکھنا مضر ہے؟ مصلحی احکام پر زمانے کی تبدیلی کا اثر، مذہب اور قانون کا باہمی رشتہ پر نہایت لطیف و پاکیزہ مباحث ہیں، اسلامی قوانین کی ضرورت اور اہمیت و افادیت کو اخوانی رہنماؤں نے جس کامیاب انداز میں پیش کیا ہے، یہ ان ہی کا حق ہے ، پھر مترجم و مرتب کے زبان و بیان کا انداز سونے پر سہاگہ ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس طرح کی کتابیں پڑھنے کے قابل ہوتی ہیں اور ان کے مطالعہ سے انسان کو بہت کچھ ملتا ہے ، جو لوگ اسلامی، قانون و اصول کو عالمی سطح پر سمجھنا چاہتے ہیں ان کے لئے اس طرح کی کتابیں حد درجہ مفید ہیں۔

فتنۂ انکار حدیث کا منظر و پس منظر (حصہ سوم)

از جناب افتخار احمد بلخی

صفحات ۵۸۲ قیمت سات روپیے

ملنے کا پتہ : مکتبہ چراغ راہ کراچی

انکار حدیث اس غلط ذہن کی پیداوار ہے جسے انگریزی دور حکومت نے ہندوستان میں پیدا کیا تھا، عبداللہ چکڑالوی، حافظ اسلم جیراجپوری اور پرویز کہنا چاہئے کہ اپنے اپنے وقت میں اس تحریک کے حامی رہے ہیں، زیر تبصرہ کتاب اس تحریک انکار حدیث کے منظر اور پس منظر کو سامنے لاتی ہے اور نہایت مبلغ انداز اور داعیانہ رنگ میں انکار حدیث کے پیچ و خم اور چڑھاؤ اُتار کو ظاہر کرتی ہے ، طرز بیان مجادلانا نہیں محاکمانا ہے اس لئے پوری کتاب میں علوم و دلائل کا وزن یکساں طور پر پایا جاتا ہے ۔ اس حصہ میں منکرین حدیث کی علمی سطحیت ، تحقیقی دیانت سے بے پروائی ، حیلہ سازی ، بیان میں تضاد کو نہایت سنجیدگی سے واضح کرکے بتایا گیا ہے کہ جو لوگ اس

تحریک کے علمبردار ہیں ان کا مبلغ علم و تحقیق کیا ہے اور وہ زبان و بیان کے بارے کس میں درجہ غیر ذمہ دار ہیں. جناب افتخار احمد بلخی نے تحقیق و محنت کا حق ادا کرتے ہوئے جو کام کیا ہے اس پر وہ ہر طرح لائق تحسین ہیں، اور کتاب ہر اعتبار سے پڑھنے کے قابل ہے، ضرورت ہے کہ منکرین حدیث کے شکوک و شبہات کے دفع کرنے کے لئے ایسی ہی مدلل اور سنجیدہ کتابیں لکھی اور پڑھی جائیں.

ق. ا. م.

ہماری آزادی (مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم)

ترجمہ: پروفیسر محمد مجیب قیمت پندرہ روپئے

پتہ: اورینٹ لونگ مینس پرائیویٹ لمٹیڈ، نکل روڈ. بیلارڈ اسٹیٹ بمبئی ۱

مولانا آزاد مرحوم ہمارے عہد کی ہمہ گیر بلند تر شخصیت کے مالک ہی نہ تھے بلکہ اپنی جادو بیانی اور سحر نگاری کے لئے اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے. یہی وجہ تھی کہ الہلال نکلنے کے بعد مولانا کے مختلف مقربین ان سے مختلف موضوع پر کتابیں لکھنے کی درخواست کرتے لیکن مولانا کی مشغولیتوں نے ان کو فرصت نہ دی کہ وہ سب کی آرزوئیں پوری کرسکیں. البتہ جب کبھی ان کو فرصت نصیب ہوئی تو کبھی قرآن مجید کے ترجمہ کی طرف توجہ کی کبھی تفسیر سے متعلق کچھ لکھا اور اگر کچھ نہ ہوا تو اپنے خطوط ہی کے ذریعہ کارواں خیال کے ذریعہ غبارخاطر نکالتے ہوئے ایسے چمکتے ستارے چھوڑ گئے جو بڑی حد تک مولانا کے حالات، مذاق اور رجحانات کے غماز ہیں. پہلی جنگ عظیم کے داروگیر میں مولانا کو پہلی فرصت نصیب ہوئی اور رانچی کے قیام کے زمانے میں علمی و تعلیمی کاموں کے ساتھ ہی ساتھ مولانا نے تذکرہ کا پہلا حصہ بھی لکھا. اس کا بڑا مقصد یہ دکھانا تھا کہ ہر عہد میں پرستاران حق نے ہر قسم کی صعوبتوں کے باوجود اعلان کلمہ حق میں کوتاہی نہیں کی. اس کے ساتھ ہی وہ اپنے دوست اور الہلال میں اپنے رفیق کار کے پر محبت و خلوص اصرار سے مجبورہوکر تذکرہ کا وہ حصہ بھی لکھنے پرتیار ہوگئے جس کے متعلق ان کا خود یہ بیان ہے کہ:

«کئی سو صفحے روشن‌دلان سلف کے تذکرۂ آثار و مناقب سے نورانی ہوچکے ہیں، اب دو چار صفحے اپنی سیاہ روئیوں اور سیہ بختیوں کے سواد تحریر سے بھی سیاہ کرتا ہوں.»

لیکن جس نے بھی تذکرہ کے یہ آخری ۳۰، ۳۱ صفحے پڑھے وہ مشتاق ہوگیا کہ کاش مولانا اپنی ساری حیات مفصل اسی طرح لکھتے لیکن افسوس حالات نے یہ موقع نہ دیا.

خدا بھلا کرے پروفیسر ہمایوں کبیر کا کہ انھوں نے مولانا کی مشغولیتوں کا اندازہ کرکے ان کو کم از کم اس باب پر آمادہ کرلیا کہ مولانا اپنے حالات و تاثرات ان کو بتاتے جائیں اور وہ ان کو انگریزی میں لکھ کر مولانا کی نظر سے گذرائیں اور مولانا کی منظوری کے بعد اس کو شائع کریں. اس سے جہاں ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ ہم مولانا کی سحر بیانی اور انشاء پردازی کی ذہنی لذت سے محروم ہوگئے وہیں ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مولانا کے حالات و تاثرات اردو کے تنگ دائرہ سے نکل کر انگریزی کے وسیع تر دائرے میں پہنچ گئے ورنہ انگریزی میں شری دیسائی کی کتاب کے علاوہ کوئی چیز مولانا کے جاننے کے لئے نہ تھی. یہ مسودہ مکمل ہوچکا تھا کہ مولانا نے رحلت کی لیکن پروفیسر ہمایوں کبیر نے بڑی دور اندیشی اور عقل مندی سے کام لے کر اس کو INDIA WINS FREEDOM کے نام سے شائع کر دیا. زیر تبصرہ کتاب اسی انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے. اگرچہ مترجم کا نام ترجمہ کی صحت و خوبی کے لئے ضمانت ہے پھر بھی دل اس انشاء کو، جس کا تصور مولانا کی نسبت سے ذہن میں آتا ہے ڈھونڈتا ہے، لیکن ترجمہ پھر ترجمہ ہے. مولانا کے حالات اور ہندوستان کی پنجاہ سالہ جنگ آزادی کی داستان کے لئے یہ کتاب بڑی وقیع ہے. نفاست طباعت کے لئے یہ کہنا کافی ہے کہ یہ کتاب ادبی پرنٹنگ پریس میں چھپی ہے، اور اس کے تمام محاسن کی حامل.

Glimpses of Urdu Literature

از پروفیسر این. ایس گوریکر

صفحات: ۱۲۸ قیمت: دس روپئے

ملنے کا پتہ: جیکو پبلشنگ ہاؤس ۱۲۵، مہاتما گاندھی روڈ - بمبئی ۱

پروفیسر نظام الدین گوریکر ہمارے تعلیمی اور عامی طبقہ میں اپنی خدمات

کے لئے کافی متعارف ہیں۔ ۱۹۵۹ ع میں جامعۂ بمبئی کی درخواست پر انہوں نے اپنی توسیعی تقریروں کے سلسلہ میں اردو ادب اور اس کی ابتدا سے لے کر آج تک کی ترقی کا جائزہ بڑی خوبی سے لیا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب انہیں تقریروں کا مجموعہ ہے، جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے، اس کی ایک خوبی یہ ہے کہ تاریخ کے ساتھ ہی ساتھ تنقیدی اشارے بھی موجود ہیں، لیکن اس کی سب سے بری افادی خوبی یہ ہے کہ یہ کتاب انگریزی میں ہے اور اس وجہ سے اس کے ذریعہ انگریزی جاننے والے بھی اردو کی حقیقت اور اس کی ترقی پر معلومات حاصل کرسکتے ہیں۔ کتاب چار ابواب اور ایک خلاصہ پر مشتمل ہے۔

پروفیسر گوریکر کی ان تقریوں کی اشاعت سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوا ہے کہ اس میں ایک وسیع مقدمہ کی صورت میں اردو ہندی تنازعہ پر ہمارے نوجوان محقق دوست، ڈاکٹر رفیق ذکریا نے سنجیدہ اور محققانہ طریقہ پر اظہار خیال کیا ہے، اس سے اس افسوسناک اختلاف کی پوری تاریخ اور اس کے نتائج سامنے آجاتے ہیں اور آج کل کے لسانی ہنگاموں کی فضا میں اس کا مطالعہ یقیناً دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ طبعات نفیس کاغذ اچھا اور کتاب مجلد ہے۔

سمندر کے نیچے

از محترمہ سلطانہ آصف فیضی

قیمت: دو روپئے پچیس نئے پیسے صفحات: ۱۱۶ مصور

پتہ: رائٹرس امپوریم۔ فیروز شاہ مہتہ روڈ، بمبئی ۱

محترمہ سلطانہ آصف فیضی، اردو کے ادبی اور ثقافتی حلقوں میں اچھی طرح متعارف ہیں۔ سلاست، روانی اور دلکشی ان کی تحریر کی امتیازی خصوصیتیں ہیں۔ وہ جس چیز یا منظر کو بیان کرتی ہیں اس کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پیش کردیتی ہیں۔ خوشی کا مقام ہے کہ دوسرے دلچسپ موضوعوں کے علاوہ بچوں کے افادی ادب کی طرف بھی انہوں نے توجہ مبذول کی ہے۔ ایک طرف بمبئی میں ساحل بحر عرب کی سکونت اور دوسری طرف مصر وغیرہ تک سفر و قیام نے ان کو سمندر کے عجائبات کے مطالعہ کا موقع دیا اور انہوں نے اب سے کچھ سال پہلے، سمندر کے کنارے کے نام سے ایک مصور کتاب شائع کی تھی اور وہ کتاب خاص قدر و ستائش کی نظر سے دیکھی گئی تھی۔ زیر تبصرہ کتاب اسی

سلسلہ کی دوسری کڑی ہے۔ اس میں سمندر کے نیچے بسنے والے جاندار اور پودوں کا حال قصہ کے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ کتاب میں رنگین اور سادہ تصویریں بھی ہیں۔ امید ہے کہ یہ کتاب بھی سمندر کے کنارے، کی طرح بچوں میں مقبول ہوگی۔

« تصحیح »

گذشتہ جولائی کے پرچے میں « میسور میں اردو » پر جو تبصرہ شائع ہوا تھا۔ اس میں بعض باتیں تصحیح طلب ہیں: ہم کو افسوس ہے کہ تبصرہ میں یہ غلطیاں رہ گئی ہیں:

تبصرہ نگار نے لکھا ہے کہ دس روپئے قیمت زیادہ ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اس قیمت کے تعین کا سبب یہ ہے کہ مرتبین کا یہ ارادہ ہے کہ « طباعت کے اخراجات منہا کرکے جو رقم بچے گی اس کی نصف رقم جو ڈیڑھ ہزار سے کم نہ ہوگی، صرف ان طالبات پر بطور وظیفہ تقسیم کی جائیگی جو بی، اے میں اردو کو میجر سبجکٹ کے طور پر پڑھتی ہیں، اور بقیہ رقم اس مجلے کی دوسری اشاعت میں صرف ہوگی »

اسی طرح تبصرہ نگار نے حصہ دوم کے سلسلہ میں لکھا تھا کہ « دوسرے حصے میں بعض طالبات کے نام سے بعض تحریریں ہیں معلوم نہیں کہ یہ حصہ کس اصول پر مرتب کیا گیا ہے » حالانکہ پروفیسر محمد خان صاحب نے تمہید میں لکھ دیا ہے کہ « مہارانی کالج کی طالبات کی حوصلہ افزائی منظور تھی۔ ہم نے ان کے لکھے ہوئے اور انتخاب کئے ہوئے مضمون اس مجلے کے حصہ دوم میں شائع کردئے ہیں » ۔

مقالـــہ نمـا

مرتب :

ڈاکٹر عالی جعفری

معـاونین :

سید مجاہد حسـین حسینی

عبد الستار داوی

علاؤ الدین جینابڑے

فہرست عنوانات

۱	مذہبیات	۱
۲	تذکرہ و سیرت نگاری	۳
۳	تاریخ و سیاسیات	۴
۴	ادب، تنقید، لسانیات	۵
۵	آرٹ	۱۵
٦	تعلیمات	۱۵
۷	متفرقات	۱۵

مذہبیات

۱ اسعد گیلانی
صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین
کا احساس آخرت
(عارف لاہور، ۶۱ مئی ۲۹-۳۲)

۲ اصلاحی امین احسن
تفسیر سورۂ بقر
(میثاق ۶۱ اپریل ۹-۱۲)
۲۱ ویں قسط.

۳ اصلاحی ضیاء الدین
عون المعبود کا مصنف کون ہے؟
(معارف ۶۱ اپریل ۳۱۰-۳۱۶)
غایۃ المقصود اور عون المعبود دونوں ابو داؤد شریف کی نہایت اہم اور مشہور شرحیں ہیں. اول الذکر مولانا شمس الحق عظیم آبادی کی ہے. لیکن ثانی الذکر محض انہیں کی نہیں ہے. اس کی تیاری میں دوسرے علماء بھی شریک تھے. ویسے خصوصیت انہیں کو حاصل ہے.

۴ اصلاحی ضیاء الدین
حضرت عمر کا طریق شوریٰ
(میثاق ۶۱ اپریل ۳۳-۳۸)

۵ امام الدین ابو محمد رام نگری
نظریہ اوتار اور عقیدۂ رسالت
(زندگی رام پور ۶۱ اپریل ۳۰-۴۳، مئی ۲۷-۳۷ جون ۵۱-۵۳)
چھٹی، ساتویں اور آٹھویں قسط.

۶ چودھری محمد اسماعیل
سود
(ثقافت ۶۱ اپریل ۳۵-۵۰ مئی ۴۳-۶۱ جون ۴۰-۵۰)

۷ سلطان مبین
فطرت شرک
(زندگی رام پور ۶۱ جون ۴۴-۵۰، ۶۴)

۸ سید قطب
اصلاحی ابو زید (مترجم)
اسلام میں امن کا مزاج
(فاران ۶۱ مئی ۲۳-۳۴)

۹ شیخ ابو زہرہ
اسلامی طلاق — اس کے فائدے اور طریقہ
(ترجمان القرآن ۶۱ اپریل ۲۸-۴۰)

۱۰ شیخ ابو زہرہ
اسلام کے پردے میں الحاد
(ترجمان القرآن ۶۱ مئی ۱۰۴-۱۱۹)
نئے مصر کے غیر اسلامی امور پر تبصرہ.

۱۱ شیخ عبدالحق محدث دہلوی
قادری سید احمد عروج مترجم

دعوت دین — اکبر کی موت پر
شیخ فرید کے نام ایک مکتوب
(زندگی رام پور ۶۱ اپریل ۴۴-۵۱)
نواب فرید مرتضی کے نام خط
مشتمل برادعائے الوہیت، ادعائے نبوت، تعریف رسالت، فرائض و خصائص انبیاء و بے ثباتی دنیا.

۱۲ عبدالصبور بیگ منشور
شانِ رسالت و پیغمبرانہ سماعت و بصارت
(عارف، لاہور، ۶۰ جون ۱۵-۲۴)

۱۳ عبدالغفار حسن
مسلئہ تصویر
(میثاق ۶۱ اپریل ۱۳-۲۲)
احادیث کی روشنی میں مسئلہ تصویر (باقی)

۱۴ عبداللہ خاں کرتپوری
نماز بوقت خطبہ پر محققانہ بحث
(برہان ۶۱ جون ۳۳۷-۳۶۰)

۱۵ عمری جلال الدین
ایمان بالرسالت
(زندگی رام پور ۶۱ جون ۱۳-۲۹)

۱۶ محمد بشارت علی ڈاکٹر
مذہبی عمرانیات کے نقطۂ نظر سے سائنس اور سائنسیت اور ٹکنالوجیکل کلچر پر تبصرہ
(فاران ۶۱ مئی ۳۹-۴۶)

۱۷ محمد جمیل
پاکستان میں عیسائیت کی رفتار
(ترجمان القران ۶۱ اپرل ۲۰-۲۷)
تیسری قسط.

۱۸ محمد حمید اللہ
روزہ اور اس کی حکمتیں
(میثاق ۶۱ اپریل ۲۳-۳۲، مئی و جون ۵-۹)
دو قسطیں.

۱۹ محمد عثمان
جہاد کی حقیقت
(ثقافت ۶۱ اپریل ۵۱-۶۱)

۲۰ مفتاحی محمد ظفیر الدین
اسلام کا نظام امن و امان - فتنہ و فساد اور رہزنی
(برہان ۶۱ اپریل ۹۷-۲۱۰. مئی ۲۸۴-۲۹۳، جون ۳۲۵-۳۳۶)
چوتھی، پانچویں اور چھٹی قسط.

۲۱ ندوی ابوالجلال
سورہ نمل اور اس کی تفسیر و تشریح
(فاران ۶۱ اپریل ۱۰-۱۹ مئی ۷-۱۲ جون ۱۱-۲۲)
تین قسطیں.

۲۲ نیاز فتحپوری
اسلام اور جمہوریت
(نگار ۶۱ مئی ۶-۱۴)

۲۳ وحید الدین خاں
اسلام کا نظریۂ آخرت
(زندگی رام پور ۶۱ اپریل ۹-۲۹)

۲۴ وحید الدین خاں
قرآن کا مطلوب انسان
(زندگی رام پور ۶۱ جون ۳۰-۴۳)

تذکرہ و سیرت نگاری

۲۵ انجم وزیر آبادی
علامہ حکیم سید علی احمد نیر واسطی
(عارف، لاہور، ۶۱ جون ۲۹-۳۲)
علامہ نیر واسطی کی سیرت اور ان کے علمی و ادبی فضائل کا ذکر۔

۲۶ سید عبدالعلی
ڈاکٹر سید عبدالعلی مرحوم کے چند خطوط
(الفرقان ۶۱ جون ۶۳-۱ے)
عالم جوانی کے دو خط جو ڈاکٹر سید عبدالعلی کے مذہبی شغف کا اظہار کرتے ہیں۔

۲۷ زور محی الدین قادری
محمد مرتضی مرحوم
(سب رس، حیدر آباد ۶۱ مئی ۳-۵)

۲۸ شاہ محمد احمد بصیر پوری
تذکرہ بزرگان اسلام
(عارف، لاہور، ۶۱ جون ۱۳-۱۴)
شیخ داؤد بندگی کرمانی رح شیر گڑھی کے حالات۔

۲۹ صابر مٹھیالوی
تذکرہ بزرگانِ اسلام
(عارف، لاہور، ۶۱ اپریل ۱۱-۱۳)
حضرت شیخ علاؤ الدین علاء الحق بنگالی رح کے حالاتِ زندگی۔

۳۰ صدیقی محمد علی
تائرن ــــ حسنوں کا متلاشی
(جام نو کراچی ۶۱ جون ۱۵-۱۸)

۳۱ عتیق الرحمٰن سنبھلی
ڈاکٹر سید عبدالعلی رح
(الفرقان ۶۱ جون ۵۸-۶۲)
مولانا ابوالحسن ندوی کے بڑے بھائی اور مولانا عبدالحی (گل رعنا) کے بڑے بیٹے کے دینی شغف اور باطنی و اخلاقی اوصاف حمیدہ کا ذکر

۳۲ غوری شبیر احمد خاں
ابن سینا اور فارابی کی معنوی شاگردی
(معارف ۶۱ اپریل ۲۴۵-۲۶۶)
شیخ بو علی سینا ظاہری طور پر فلسفہ میں عبداللہ الفاتلی کا شاگرد تھا اور اسی سے ظواہر منطق کی تعلیم حاصل کی تھی لیکن معنوی شاگرد وہ ابونصر فارابی کا تھا۔

۳۳ غوری شبیر احمد خاں
شیخ بوعلی سینا کی عبقریت
(معارف ۶۱ مئی ۳۴۹-۳۷۰، جون ۴۴۲-۴۶۱)

۳۴ فوقانی بن شوق
علامہ شوق تیموری
(اشارہ پٹنہ ۶۱ اپریل ۲۱-۲۷)
علامہ شوق تیموری سے متعلق معلومات

۳۵ قادری نور احمد
تذکرہ بزرگانِ اسلام
(عارف، لاہور، ۶۱ مئی ۱۳-۱۸)

حضرت داتا گنج بخش ہجویری رح
کے سوانح حیات

۳۶ محمد خاں
قاضی محمد عبداللہ حسین خلیل
(ریاست میسور میں اردو ۶۰ ستمبر ۱۷۴-۱۸۸)
ویلور کے ایک عالم کامل کا تذکرہ

۳۷ محمد مسعود احمد
شیخ احمد سرہندی ــــ مجدد الف ثانی
(معارف ۶۱ جون ۴۰۵-۴۲۴)
پہلی قسط.

۳۸ نارنگ ہربنس لعل
ڈاکٹر جانسن
(اشارہ پٹنہ ۶۱ اپریل ۲۷-۲۹)
ڈاکٹر جانسن کی شخصیت اور ادبی کارناموں کا تذکرہ.

تاریخ و سیاسیات

۳۹ ادارہ
تاثرات
(سب رس، حیدر آباد ۶۱ اپریل ۵-۱۱)
ادارۂ ادبیات اردو کے بارے میں بعض نامور حضرات کے تاثرات

۴۰ ادارہ
مصروفیات ادارہ
(سب رس، حیدر آباد ۱۶ اپریل ۱۲-۲۳)
ادارۂ ادبیات اردو کی ۱۹۶۰ ع کی علمی، ادبی و ثقافتی مصروفیات کا خلاصہ بقید تاریخ

۴۱ اصلاحی ضیاء الدین
مقریزی اور ان کی خطط
(معارف ۶۱ مئی ۳۵۰-۳۶۹، جون ۴۶۲-۴۷۶)

۴۲ انصاری نورالحسن
خلاصۃالتواریخ اور اس کا مصنف
(برہان ۶۱ مئی ۳۰۴-۳۱۲)

۴۳ ثروت خاں
مغربی افریقہ عہد اسلامی میں
(ثقافت ۶۱ اپریل ۷-۳۴)

۴۴ حکیم احمد سید
مہا بھارت پر ایک تحقیقی نظر
(نگار ۶۱ مئی ۲۱-۲۵)

۴۵ حکیم احمد سید
رامائن پر ایک تحقیقی نظر
(نگار ۶۱ جون ۶-۱۲)

۴۶ خالد کمال مبارکپوری (مترجم)
اندلس میں اسلامی تہذیب
(برہان ۶۱ اپریل ۲۴۴-۲۴۸)

۴۷ رزاقی شاہد
انڈونیشیا میں قومی بیداری کا آغاز
(ثقافت ۶۱ مئی ۴۱-۵۲)

۴۸ رزاقی شاہد حسین
انڈونیشیا پر جاپانی قبضے کا دور
(ثقافت ۶۱ جون ۵۱-۶۴)

۴۹ سید محمد

وشوا بھارتی

(سب رس، حیدر آباد، ۶۱ جون ۳۸-۴۰)

وشوا بھارتی کے قیام سے متعلق تاریخی واقعات کا بیان

۵۰ صدیقی نعیم

جمہوریت کی کہانی

(ترجمان القرآن ۶۱ مئی ۸۱-۱۰۳)

پہلی قسط.

۵۱ محمد خان

رسالۂ احکام النکاح

(ریاست میسور میں اردو ۶۰ ستمبر ۱۹۵-۲۰۲)

ٹیپو سلطان شہید کے ان حکم ناموں کا بیان جنہیں اس دور کے علمائے کرام نے ترتیب دیا تھا.

۵۲ مدنی ظہیر الدین

تاریخ گجرات

(صبح امید بمبئی گجرات ۶۱ نمبر ۴۳-۵۱)

ریاست گجرات کی تاریخ

ادب تنقید لسانیات

۵۳ آفتاب اختر

جدید ایرانی شاعر کا سیاسی پس منظر

(نگار ۱۶ مئی ۱۴-۲۰)

۵۴ آفتاب اختر

فردوسی کے شاہنامہ میں رومانی عناصر

(برہان ۶۱ جون ۳۶۱-۳۷۰)

۵۵ آمنہ خاتون

شہادت جنگ سلطانی

(ریاست میسور میں اردو ۶۰ ستمبر ۱-۸۴)

سلطان حیدر علی اور ٹیپو سلطان سے انگریزوں کی آخری جنگ کے بارے میں میر احسن اللہ کے فرزند غوثی چنگل پیٹی (مدراس) کی اردو مثنوی

۵۶ آمنہ خاتون

مفرّح القلوب

(ریاست میسور میں اردو ۶۰ ستمبر ۱۵۰-۱۶۳)

حسن علی عزت کی ایک تصنیف کا بیان جو غوثی چنگل پیٹی کی مثنوی ُشہادت جنگ سلطانی، سترہ سال بعد تصنیف کی گئی

۵۷ آمنہ خاتون

شاہ صدر الدین اور ان کی تصانیف

(ریاست میسور میں اردو ۶۰ ستمبر ۲۲۲-۲۳۸)

دکنی زبان کے کئی چھوٹے چھوٹے رسالوں کے مصنف اور ایک گوشہ نشین مگر باکمال بزرگ کا تذکرہ

۵۸ آمنہ خاتون

نسیم

(ریاست میسور میں اردو ۶۰ ستمبر ۲۴۱-۲۶۰)

میسور کے ایک مشہور و مقبول شاعر کا تذکرہ

۵۹ ابوالحیات

ٹیگور بحیثیت قوم پرست

(آجکل ۶۱ مئی ۵۶-۵۸)

۶۰ ابوالکلام

ٹیگور کی شخصیت ۔ چند جھلکیاں

(جامعہ ۶۱ مئی ۳۴۶ـ۳۵۰)

رابندر ناتھ ٹیگور سے اپنے مراسم دیرینہ کا تذکرہ اور ان کی شخصیت کے چند پہلو

۶۱ ابوالکلام

ٹیگور کی مصوری

(اجکل ۶۱ مئی ۳۲ـ۳۷)

ٹیگور کی مصوری سے متعلق اظہار خیال

۶۲ ابو علی اعظمی

مولانا شبلی کے نام مولانا ابوالکلام آزاد کے چند خطوط

(ادیب علی گڑھ ۶۱ مئی ۱۲ـ۱۶)

شبلی اور ابوالکلام آزاد کے باہمی اخلاص و روابط کا ان دونوں کی مراسلت سے اندازہ لگانے کی کوشش۔

۶۳ اثر جعفر علی خاں

اقبال پر چکبست کی ایک تنقید کا جائزہ

(جامعہ ۶۱ جون ۴۱۷ـ۴۲۴)

اردوئے معلیٰ بابت اپریل ۱۹۰۴ ع میں چھپنے والے چکبست کے ایک مضمون پر خیالات کا اظہار

۶۴ احتشام حُسین

ٹیگور کا اثر اردو ادب پر

(سب رس ، حیدرآباد ۶۱ جون ۳۵ـ۲۸)

ٹیگور کے اردو ترجموں اور اردو ادب پر اُن کے اثرات کا تنقیدی جائزہ

۶۵ اختر رضوانی

جگر مرحوم سے چند ملاقاتیں

(صبح نو پٹنہ ۶۱ جگر ۶۴ـ۶۶)

ذاتی تعلقات کا بیان

۶۶ ارشاد نقی احمد

شاد بحیثیت فلسفی

(شاعر بمبئی ۶۱ مئی ۱۹ـ۲۴)

شاد کے فلسفیانہ خیالات کا جائزہ

۶۷ ارشاد نقی احمد

جگر مراد آبادی پٹنہ میں

(صبح نو پٹنہ ۶۱ جگر نمبر ۷۱ـ۷۳)

جگر مراد آبادی کے ورود پٹنہ اور یہاں کے لوگوں سے ان کے تعلقات کا تذکرہ

۶۸ اسدالزماں

جگر کی نظموں پر ایک نظر

(صبح نو پٹنہ ۶۱ جگر نمبر ۶۷ـ۷۰)

۶۹ اسرار احمد کریوی

اردو تحریک کی نوعیت

(قومی زبان کراچی ۶۱ جون ۶ـ۲۳)

۷۰ اسیر عبداللہ جان

رحمان بابا

(ماہ نو ۶۱ جولائی ۲۱ـ۲۴)

پشتو کے صوفی شاعر رحمان بابا کے حالات اور فن پر اظہار خیال

۷۱ اقتدا حسین
غیر ممالک میں اردو کی ترویج
(قومی زبان کراچی ۶۱ اپریل ۳۹-۴۴)

۷۲ امجد یوسف زئی
ترسوں زادہ اور اس کی شاعری
(صبا پٹنہ ۶۱ اپریل ۱۸-۲۲)

۷۳ انتظار حسین
پھول اور رسم الخط
(قومی زبان کراچی ۶۱ مارچ و جون ۳۹-۴۱)

۷۴ تمکین کاظمی
کتاب داغ سے متعلق
(شاعر بمبئی ۶۱ جون ۳۳-۳۵)
کتاب داغ سے متعلق شہاب مالیر کوٹلوی کے مضمون کا جواب

۷۵ ثمینہ شوکت
لچھمی نارائن شفیق کا ایک اور کارنامہ
سوسن دہ زبان
(آجکل ۶۱ اپریل ۲۷-۳۱)
لچھمی نارائن شفیق کے نادر کارنامہ سوسن دہ زبان کا تعارف

۷۶ جوش ملسیانی لبھو رام
ہندوستانی شاعری کے مختلف اصناف میں غزل کا مقام
(ہندوستانی ادب، حیدرآباد ۶۱ اپریل ۲۲-۲۴)

۷۷ حامد علی خان
ہمارا رسم الخط
(قومی زبان کراچی، ۱۶ مارچ و جون ۱۹-۲۰)

۷۸ حبیب الرحمن غزنوی
گجرات کے فارسی داں ناگر
(صبح امید ۶۱ گجرات نمبر ۵۵-۵۸)

۷۹ حرمت الاکرام سید
جگر اور ان کی غزلیں
(صبح نو پٹنہ جگر نمبر ۲۷-۳۲)

۸۰ خلیق انجم
مرزا مظہر جانجاناں کے خطوط
(برہان ۶۱ اپریل ۲۳۲-۲۳۷)
ساتویں قسط ۔ بارہ خطوط کے ترجمے

۸۱ خوابین
سوویت ناول
(شاعر، بمبئی ۶۱ جون ۳۱-۳۲)

۸۲ ذاکر حسین
شاعری اور جگر
(صبح نو پٹنہ، ۶۱ جگر نمبر ۱۴-۱۶)
جگر کی غزل گوئی پر چند نکات پر مشتمل ایک صدارتی تقریر

۸۳ رضا محمد حضرت جی
شاہ غمگین ناقدوں کی نظر میں
(ادیب علی گڈھ ۶۱ اپریل ۳۳-۴۴)

۸۴ رفیع الدین عنایتی
حالی بحیثیت نقاد
(صبا پٹنہ ۶۱ اپریل ۱۲-۱۸)

۸۵ رفیق حامد
آزاد نظم کے سراغ میں
(ماہ نو ۶۱ جولائی ۱۶-۴۲)
اردو میں آزاد نظم پر اظہار

۸۶ ریاض احمد
زرِ داغِ دل

(ماہ نو ۶۱ جولائی ۹۔۱۵)

عبدالعزیز خالد کی طویل نظموں کے کے مجموعہ «زر داغ دل» پر تبصرہ

۸۷ زہرہ سہگل

ٹیگور کی شاعری اور رقص ڈرامہ

(اجکل ۶۱ مئی ۳۸۔۴۶)

۸۸ سچدانندواتسیاین

روشن ضمیر رویند رناتھ

اجکل ۶۱ مئی ۵۲۔۵۵)

۸۹ سراج الحق مچھلی شہری

خواجہ آتش سے متعلق کچھ جدید تحقیق و تفتیش

(نگار ۶۱ جون ۱۸۔۲۰)

۹۰ سعید احمد رفیق

نشاۃ الثانیہ میں جمالیاتی افکار

(ادب لطیف، لاہور، ۶۱ مئی ۱۷۔۲۴)

دور نشاۃ الثانیہ کے فکری رجحانات کے پس منظر کے ساتھ اس دور کے جمالیاتی افکار کا جائزہ

۹۱ سعید انصاری

ٹیگور کا نظریہ تعلیم

(اجکل ۶۱ مئی ۴۷۔۵۱)

۹۲ سکسینہ رمن راج

ٹیگور کے حالات

(ہندستانی ادب حیدرآباد، ۶۱ مئی ۹۔۱۴)

۹۳ سکسینہ ویریندر پرشاد

بلوان سنگھ راجہ

(قومی زبان کراچی، ۶۱ جون ۲۲۔۲۳)

نظیر اکبر آبادی کے شاگرد بلوان سنگھ راجہ تخلص کا مختصر تذکرہ

۹۴ سلامت اللہ

ٹیگور بحیثیت معلم

(جامعہ ۶۱ مئی ۳۵۱۔۳۵۸)

۹۵ سنت ون کمار داس

رابندر ناتھ ٹیگور

(اجکل ۶۱ مئی ٹیگور نمبر ۶۔۱۰)

رابندر ناتھ ٹیگور کے حالات زندگی

۹۶ سید حسن

جگر کا فارسی کلام

(صبح نو ۶۱ جگر نمبر ۱۷۔۲۳)

۹۷ سید رضا قاسم

رئیس المتغزلین

(صبح نو پٹنہ جگر نمبر ۴۰۔۴۷)

جگر کے سوانحی حالات اور ان کی شاعری کے موڑ

۹۸ سید عبد اللہ

اردو رسم الخط کی فلسفیانہ بنیادیں

(قومی زبان کراچی ۶۱ مارچ، جون ۱۷۔۱۸)

۹۹ سید عبد اللہ

تحقیق و تنقید کے مقامات اتصال

(اردونامہ ۶۱ اپریل تا جون ۳۶۔۳۸)

۱۰۰ سید مرتضی حسین بلگرامی

شاد عظیم آبادی ۔ صفیر بلگرامی (خطوط کے آئینے میں)

(صبح نو پٹنہ ۶۱ جون ۸۔۱۲)

حضرت علی محمد شاد عظیم آبادی ،
سید فرزند احمد صفیر بلگرامی اور
میر حامد حسین نکہت عظیم آبادی کی
ایک باہمی کشمکش کا تذکرہ

۱۰۱ سید مرتضی حسین بلگرامی
جگر مرادآبادی
(صبح نو پٹنہ ۶۱ جگر نمبر ۲۴-۲۶)
جگر کی زندگی اور شاعری کے
رشتے سے بحث

۱۰۲ شانتی دیو گھوش
ٹیگور ، بہ حیثیت موسیقار
(آج کل ۶۱ مئی ۸۰-۸۴)

۱۰۳ شریف رزمی
رسم الخط کا مسئلہ
(قومی زبان کراچی ۶۱ مارچ، جون ۴۲-۴۶)
اردو کے لئے رومن رسم الخط کی
مخالفت کرتے ہوئے عربی رسم الخط قائم
رکھنے کی پر زور سفارش

۱۰۴ شمیم اعظمی
استاد اور اس کی شخصیت
(شاعر بمبئی ۶۱ جون ۲۷-۳۰)

۱۰۵ شہزاد منظر
جگر کی شاعری میں عصری میلانات
(صبح نو پٹنہ ۶۱ جگر نمبر ۵۷-۶۳)

۱۰۶ شیخ محمد شریف جسٹس
ہمارا رسم الخط اور اسلام
(قومی زبان کراچی ۶۱ مارچ، جون ۲۳-۳۶)

۱۰۷ صابر شاہ‌آبادی:
شفا کی غزل گوئی
(اشارہ پٹنہ ۶۱ اپریل ۱۱-۲۱)

۱۰۸ صالحہ عابد حسین
ٹیگور کا ایک ناول
(جامعہ ۶۱ مئی ۳۷۷-۳۸۵)
ٹیگور کے ناول چوکھیربالی پر تبصرہ

۱۰۹ صالحہ عابد حسین
ایک مثالی زندگی
(آج کل ۶۱ جون ۲۷-۳۳)
بیگم قدسیہ زیدی سے متعلق تاثرات

۱۱۰ صدیقی ابوالاعجاز حفیظ
مے خانہ حافظ
(ادب لطیف، لاہور، ۶۱ جون ۴-۱۰)
عصری زندگی سے نا آسودگی اور
احساس ناتمامی سے مغلوب ہوکر حافظ
نے ایک مثالی مجلس عشرت تعمیر کی

۱۱۱ صدیقی محمد احمد
جوش کے رنگ تغزل کا دورِ عبوری
(جام نو کراچی ۶۱ مئی ۱۹-۴۳)

۱۱۲ صلاح الدین احمد
ہماری قومی زبان اور اس کا رسم الخط
(قومی زبان کرچی ۶۱ مارچ، و جون ۷-۱۳)

۱۱۳ ضمیر علی بدایونی
اقبال ، وجودیوں کے درمیان
(ماہ نو ۶۱ اپریل ۱۰-۱۶)

۱۱۴ ضمیر علی بدایونی
آزاد نظم کے سراغ میں
(ماہ نو ۶۱ جون ۶-۱۰)
آزاد نظم کی ابتدا اور تاریخ

۱۱۵ ضیاء الدین ایم .

ٹیگور ایک شاعر ایک مفکر

(سب رس، حیدرآباد ۶۱ جون ۱۹-۲۳)

۱۱۶ عابد حسین سید

ہمارے زمانے کی اردو نثر میں
طنز نگاری

(جامعہ ۶۱ جون ۳۹۵-۴۰۰)

۱۱۷ عابد رضا بیدار

جوئے کہستان، ایک اور موج رواں

(ماہ نو ۶۱ اپریل ۱۶-۲۳)

اقبال کے چند اہم خطوط

۱۱۸ عبدالحق مولوی

رسم الخط کا مسئلہ

(قومی زبان کراچی ۶۱ مارچ و جون ۳-۶)

یہ بتایا ہے کہ اردو کا رسم خط کیا ہو

۱۱۹ عبدالحق مولوی

پنڈت و نشی دھر

(قومی زبان کراچی ۶۱ جون ۴ و ۷)

ہندی زبان کے بہت بڑے ادیب اور شاعر سے اپنے ذاتی تعلقات کا اظہار

۱۲۰ عبدالحق مولوی

گجرات میں اردو

(صبح امید بمبئی ۶۱ گجرات نمبر ۵۲-۵۴)

تاریخی حقائق کی روشنی میں گجرات میں اردو کے ارتقا کا تذکرہ

۱۲۱ عبدالحق مولوی

رسم الخط کا مسئلہ

(ادب لطیف لاہور ۶۱ مئی ۱۳-۱۶)

تحریر کی ابتدا و ارتقا اور اردو رسم الخط کی خوبیوں کا سرسری جائزہ لیتے ہوئے بتایا ہے کہ اردو کو رومن رسم الخط میں لکھنا تہذیبی خود کشی کے مترادف ہوگا

۱۲۲ عبدالستار صدیقی

وضع اصطلاحات

(نوائے ادب بمبئی، ۶۱ اپریل ۵-۵۸)

مولوی سید وحیدالدین سلیم کے حالات زندگی اور وضع اصطلاحات پر تبصرہ جو خود مصنف کی فرمائش پر کیا گیا تھا

۱۲۳ عبدالطیف اعظمی

ٹیگور — مختصر حالات زندگی

(جامعہ ۶۱ مئی ۳۴۰-۳۴۵)

۱۲۴ عبدالماجد ایم :

ادب اور معاشرہ

(ماہ نو ۶۱ جون ۱۲-۱۳)

۱۲۵ عبدالغنی

احتشام حسین کی تنقید نگاری

(ادیب علی گڑھ ۶۱ اپریل ۱۳-۲۳)

۱۲۶ عرشی محمد حسین

مرزا غالب کی فارسی شاعری

(نگار ۶۱ اپریل ۱۴-۱۹)

۱۲۷ عصمت اللہ جاوید

مرہٹی شاعری پواڑے اور لاونیاں

(آج کل ۶۱ جون ۹-۱۶)

۱۲۸ غبار یاور
غزل میں ایمائیت
(جام نو کراچی ۶۱ مئی ۱۱-۱۸)

۱۲۹ غلام عباس
ڈاکٹر گلکرسٹ کی عجیب لغت نگاری
(اردو نامہ، ۶۱ اپریل تا جون ۳۹-۴۳)

۱۳۰ فاروقی شمس الرحمان
غالب کے کچھ بنیادی استعارے
(ادیب علی‌گڑھ ۶۱ اپریل ۴-۱۲)

۱۳۱ فاروقی شمس الرحمان
غالب کی شاعری میں صورت، نغمہ اور رنگ
(ادیب علی‌گڑھ ۶۱ مئی ۴-۱۱)

۱۳۲ فاروقی محمد طاہر
اردو قصیدہ
(گذشتہ سے پیوستہ)
(اردو نامہ اپریل تا جون ۲۹-۳۶)

۱۳۳ فاروقی نثار احمد
مثنوی چندر کرن فارسی
مثنوی چندر کرن فارسی کا تعارف
(نگار ۶۱ اپریل ۶-۱۳)

۱۳۴ فاروقی نثار احمد
موجودہ اردو تنقید
(سب رس، حیدرآباد ۶۱ مئی ۶-۱۸)

۱۳۵ فراق گورکھپوری
رویندر ناتھ ٹیگور کی شاعری پر طائرانہ نظر
(آج کل ۶۱ مئی ۱۶-۲۶)

۱۳۶ فضیل جعفری
ٹیگور کا روحانی نظریہ
(آج کل ۶۱ مئی ۷۶-۷۹)

۱۳۷ فضیل جعفری
صفیہ اختر کا تنقیدی مرتبہ
(شاعر، بمبئی، جون ۱۴-۱۸)

۱۳۸ قاضی اطہر مبارک پوری
امام ابن الانباری کی کتاب الاضداد فی اللغۃ
(برہان ۶۱ اپریل ۲۲۳-۲۳۱)

۱۳۹ قمر رئیس
ٹیگور کا اثر اردو نثر پر
(جامعہ ۶۱ مئی ۳۸۶-۳۹۱)

۱۴۰ قمر رئیس
ٹیگور کے مختصر افسانے
(آج کل ۶۱ مئی ۶۱-۶۶)

۱۴۱ قیصر قلندر
کشمیر میں اردو
(شاعر، بمبئی ۶۱ مئی ۱۳-۱۸)

۱۴۲ کرامت علی کرامت
آزادی کے بعد، اُڑیا شاعری
(شاعر، بمبئی، ۶۱ جون ۱۹-۲۳)

۱۴۳ گوپال ریڈی، بی.
گرو دیو کے قدموں میں
(آجکل ۶۱ مئی ۲۷-۳۱)
ٹیگور سے عقیدت کا اظہار

۱۴۴ گھنشام سیٹھی
(آجکل ۶۱ مئی ۴۲-۴۴)
ٹیگور - ایک ہمہ گیر شخصیت

۱۴۵ گیان چند ڈاکٹر

فضائل علی خاں فضائل کی مثنوی
(قومی زبان کراچی ٦١ جون ١٣۔١٤)
شاہ حاتم اور آبرو کے ہم عصر
فضائل خاں بے قید یا فضائل کی ایک بزمیہ
مثنوی کا تذکرہ

١٤٦ مائل محمد زکریا
(اردو نامہ ٦١ اپریل تا جون ٥۔٢٨)
شاہ مبارک آبرو
شاہ مبارک آبرو کے حالات زندگی
کا بیان اور کلام پر تبصرہ

١٤٧ محمد اجمل خان
شانتی نکیتن
(آجکل ٦١ مئی ٹیگور نمبر ١٠۔١٥)
شانتی نکیتن پر ان کے خیالات

١٤٨ محمد ایوب شمیم
مہجور شمسی
(اشارہ ٦١ جون ٣۔١٨)
مہجور شمسی کے حالاتِ زندگی
اور شاعری کا تعارف

١٤٩ محمد جعفر شاہ پھلواری
لاطینی رسم الخط کس لئے
(ثقافت ٦١ مئی ٥۔١١)
پاکستانی زبانوں کے لئے لاطینی
رسم الخط اختیار کرنے کے خلاف بحث

١٥٠ محمد خان
رسالۂ من ہرن
(ریاست میسور میں اردو ٦٠ ستمبر ٢٠٣۔٢٠٦)
حضرت مخدوم سید حسینی گیسو دراز
قدس سرہ کے ایک رسالے کا تعارف

١٥١ محمد حسنین
پیروی مغرب اور کلیم الدین احمد
(اشارہ پٹنہ ٦١ اپریل ٥۔١١)

١٥٢ محمد مسعود احمد
حضرت غمگین شاہجہان آبادی
(برہان ٦١ اپریل ٢١١۔٢٢٢ مئی ٢٩٤۔٣٠٣)
دو قسطوں میں قاضی عبدالودود کے
چند استفسارات مطبوعہ برہان ٦٠ اکتوبر
کے جوابات

١٥٣ محمد مسعود احمد
حضرت غمگین اور مرزا غالب کے
جواب میں ان کا ایک اہم غیر مطبوعہ
مکتوب
(معارف ٦١ مئی ٣٨٠)
میر سید علی غمگین دہلوی و گوالیاری
کی حیات و خصوصیات کی تفصیل کے
ساتھ غالب سے ان کے تعلقات کی وضاحت
کے بعد امامت و خلافت سے متعلق غالب
کے ایک فارسی خط اور اس کے جواب
میں غمگین کے فارسی خط کی نقل

١٥٤ محمود الحسن
شوقی ۔ جدید عربی ادب کا ممتاز شاعر
(معارف ٦١ اپریل ٢٩٠۔٣٠٩)
دوسری قسط

١٥٥ محمود ایوبی
رنگ جگر
(صبح نو پٹنہ ٦١ جگر نمبر ٤٤۔٤٨)

۱۵۶ مظہر امام
جگر مراد آبادی - میری یاد داشت میں
(صبح نو پٹنہ ۶۱ جگر نمبر ۵۲-۵۶)

۱۵۷ مغنی تبسم
اکرام جاوید اور فن افسانہ نگاری
(شاعر، بمبئی ۶۱ مئی ۲۵-۲۹)
اکرام جاوید کے افسانوں کی فنی خوبیوں کا سرسری جائزہ

۱۵۸ ممتاز حسین
فن اور فطرت فکر اقبال کے آئینہ میں
(ماہ نو ۶۱ اپریل ۶-۱۰)

۱۵۹ ممتاز حسین
جذبات نادر
(اردو نامہ ۶۱ اپریل جون ۴۶-۵۴)
نادر کا کوری کی حیات اور شاعری پر اظہار خیال

۱۶۰ میاں بشیر احمد
ہمارا رسم الخط
(قومی زبان کراچی ۶۱ مارچ جون ۱۴-۱۶)
عربی رسم الخط میں ہی اردو لکھے جانے کی وکالت

۱۶۱ نازش پرتاب گڈھی
مرحوم جگر مراد آبادی
(صبح نو پٹنہ ۶۱ جگر نمبر ۴۸-۵۱)
بحیثیت انسان جگر کا تذکرہ

۱۶۲ ناہید نوا
شاعر شیریں نوا
(ماہ نو ۶۱ جولائی ۲۵-۲۶)
پشتو کے شاعر رحمان بابا سے متعلق خیالات

۱۶۳ ندرت ثریا محمود
شہر یار غزل
(صبح نو پٹنہ ۶۱ جگر نمبر ۷۹-۸۲)
جگر کی غزلگوئی کے مختلف پہلو

۱۶۴ ندوی احتشام احمد
فن موازنہ اور اس کی ماہیت
(ادیب علی گڑھ ۶۱ اپریل ۲۴-۳۲)

۱۶۵ ندوی عبدالسلام (مرحوم)
فارسی شاعری اور فن تنقید
(معارف ۶۱ اپریل ۲۶۷-۲۸۹)
ایران میں اگرچہ ہزاروں ادیب، انشاء پرداز اور شاعر پیدا ہوئے، تاہم کسی نے خاص ایرانیوں کے اسلوب بیان اور فارسی شاعری کی لفظی و معنوی خصوصیات کو پیش نظر رکھ کر فارسی شاعری کے تنقیدی اصول مرتب نہیں کئے اس کے تنقیدی اصول عربی سے ماخوذ ہیں

۱۶۶ ندوی عبدالسلام (مرحوم)
اردو شاعری اور فن تنقید
(معارف ۶۱ مئی ۳۲۵-۳۴۹، جون ۴۲۵-۴۴۱)
اردو زبان میں فن تنقید کی تدریجی ترقی کا ذکر

۱۶۷ نریندر لوتھر
صحافت آزادی کے بعد
(صبا پٹنہ ۶۱ اپریل ۷-۱۱)

آزادی کے بعد کی اردو صحافت
پر اظہار خیال

۱۶۸ نصیر الدین ہاشمی
حیدر آباد میں جواہراسراراللہ کے
مخطوطات
(صبح امید بمبئی ۶۱ گجرات نمبر ۷۷۔۷۹)
شاہ علی جی گام دہنی گجراتی کے
دیوان جواہر اسرار اللہ مرتبہ شاہ علی محمد
و شاہ ابراہیم کا تذکرہ

۱۶۹ نظر محمد انصار اللہ
حافظ غلام رسول شوق
(نگار ۶۱ اپریل ۲۰۔۲۳)

۱۷۰ نقوی اکبر
جگر مرادآبادی
(صبح نو پٹنہ ۶۱ جگر نمبر ۳۳۔۳۶)
جگر کے طرز فکر اور انداز بیان
سے بحث

۱۷۱ نہال حسین رضوی
قاضی نذرالاسلام
(جام نو کراچی ۶۱ جون ۱۱۔۱۴)

۱۷۲ نیاز فتحپوری
دلی اسکول کے چار بڑے شاعر
(نگار ۶۱ جون ۱۲۔۱۸)
دلی اسکول کے چار بڑے شاعر
مصحفی، مومن، ذوق اور غالب پر
اظہار خیال

۱۷۳ وحید قریشی
رسم الخط کا مسئلہ
(قومی زبان کراچی ۶۱ مارچ، جون ۲۱۔۲۲)
حل نسخ کے رسم الخط میں پوشیدہ ہے

۱۷۴ وقار خلیل
ٹیگور بیک نظر
(سب رس، حیدرآباد ۶۱ جون ۳۔۷)
رابندر ناتھ ٹیگور کے سوانح حیات
بقید سنین

۱۷۵ ہاشم امیر علی
شانتی نکیتن
(جامعہ ۶۱ مئی ۳۵۹۔۳۶۵)
رابندر ناتھ ٹیگور کی قائم کردہ شانتی
نکیتن وشو بھارتی کے محل وقوع، اس کی
تاریخی عظمت اور طریقہ درس کا بیان

۱۷۶ ہاشمی نصیرالدین
ٹیگور حیدرآباد میں
(سب رس، حیدرآباد ۶۱ جون ۴۲۔۴۳)

۱۷۷ ہمایوں کبیر
ٹیگور کی عظمت
(سب رس، حیدرآباد ۶۱ جون ۳۵۔۳۶)
ٹیگور کی شخصیت اور اس کی فنکارانہ
عظمت کا بیان

۱۷۸ یوسف بخاری سید
میر باقر علی داستان گو
(نگار ۶۱ اپریل ۲۳۔۲۸)

۱۷۹ یونس احمر
قومی گیت، ایک کیف، ایک نغمہ
(۱۰ نو ۶۱ جولائی ۴۳۔۴۸)

آرٹ

۱۸۰ فیض احمد فیض
فلم اور ثقافت
(قومی زبان کراچی ۶۱ جون ۲۴-۴۴)

۱۸۱ محمد جعفر شاہ پھلواروی
موسیقی اور نواب صدیق حسن خاں
(ثقافت ۶۱ جون ۲۹-۳۹)

تعلیمات

۱۸۲ محمود نیازی
فنِ خوش نویسی
(آجکل ۶۱ اپریل ۳-۱۲)
فنِ خوش نویسی کی تاریخ

۱۸۳ شکلا سریش چندر
تعلیم اور احساس ذمہ داری
گاندھی جی کی بنیادی قومی تعلیم کی اسکیم کے ذریعہ طالب علم کو کام کے ذریعہ عمل کے لئے تیار کئے جانے سے احساس ذمہ داری کا پیدا ہونا
(جامعہ ۶۱ جون ۴۱۲-۴۱۶)

۱۸۴ فاروقی ضیاءالحسن
تعلیم و تہذیب
(جامعہ ۶۱ جون ۴۰۱-۴۱۱)

متفرقات

۱۸۵ اصلاحی امین احسن
مکۂ معظمہ میں ایک عشرہ قیام
(میثاق ۶۱ اپریل ۳۹-۴۵)

۱۸۶ خالد کمال مبارکپوری
قاہرہ کا اسلامی میوزیم جو ستر ہزار اسلامی شاہکاروں پر مشتمل ہے
(برہان ۶۱ جون ۳۷۱-۳۷۵)

۱۸۷ شریف ایم. ایم. انوار حسین
(مترجم)
اقتصادیات میں انفرادیت کا تصور
(ثقافت ۶۱ جون ۵-۱۹)

۱۸۸ غوری شبیر احمد خان
شہاب الدین مقتول اور فلسفۂ مشائیت
(برہان ۶۱ اپریل ۲۳۸-۲۴۳)
حکیم فضل الرحمٰن صواتی سے استفسار

۱۸۹ فاروق قادری، ڈاکٹر
تپ دق اور اس کا علاج
(تعمیر انسانیت، لاہور ۶۱ مئی ۲۰-۲۲)

۱۹۰ فاروقی حاجی رفیع الدین مرادآبادی

فریدی نسیم احمد (مترجم)
سفر نامۂ حجاز
(الفرقان ٦١ اپریل و مئی ٣-٩٣)
ہندوستان کا سب سے پہلا سفر نامۂ حجاز
١٩١ قریشی محمد حفیظ الکبیر
سانتاکروز سے شکاگو تک
(شاعر، بمبئی ٦١ مئی ٣٠-٣٥)
١٩٢ ندوی محمد حنیف
علامہ ابن تیمیہ کا تصور صفات
(ثقافت ٦١ مئی ١٢-٤٠)
فروری ٦١ع سے مسلسل
١٩٣ ندوی محمد حنیف
اخوت و درفاقت کے تقاضے
(ثقافت ٦١ جون ٢١-٢٨)
بھائی چارہ وغیرہ سے متعلق چند باتیں
١٩٤ وحید الدین خاں
نظریۂ ارتقاء
(زندگی رام پور ٦١ مئی ١٠-٣٦)

ایڈیٹر: نجیب اشرف ندوی
پرنٹر پبلشر حامد اللہ ندوی نے ادبی پرنٹنگ پریس، ٨ شیفرڈ روڈ، بمبئی ٨ میں چھپوا کر انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ٩٢ دادا بھائی نوروجی روڈ بمبئی ١ سے شائع کیا.

آپ کے کتب خانے کے لئے معیاری کتابیں

مطبوعات ادبی پبلشرس:

۱۔ مرزا مظہر جان جاناں اور ان کا اردو کلام از عبدالرزاق قریشی ۶ روپیے

۲۔ ولی گجراتی از ڈاکٹر سید ظہیرالدین مدنی ۳ روپئے

۳۔ نوائے آزادی (تحریک آزادی سے متعلق اردو نظم و نثر کا معیاری انتخاب) ۵ روپئے

۴۔ اردو مخطوطات جامع مسجد بمبئی ۴ روپئے

مطبوعات ہندوستانی بک ٹرسٹ:

۱۔ دیوان غالب (مرتبہ سردار جعفری) ہندی اردو — مع ہندی شبداولی جس پر حکومت ہند سے بہترین طباعت کا پہلا انعام مل چکا ہے ۳۰ روپئے

۲۔ انتخاب میر (مرتبہ سردار جعفری) ہندی اردو ۔ نہایت اہتمام کے ساتھ خوب صورت ٹائپ میں چھپا ہوا مع ہندی شبداولی ۲۰ روپئے

Publication of the Islamic Research Association, Bombay.

1. **Diwan of Khaki Khorasani.** Persian text, edited by W. Ivanow. Rs. 6
2. **Two Early Ismaili Treatises (Haft Babi Baba Sayyidna and Matlubu'l-Mu'minin)** by Nasiru'd-din Tusi. Persian text, edited by W. Ivanow. Rs. 4.
3. **True Meaning of Religion (Risala Dar Haqiqati Din)** by Shihabu'd-din Shah. Persian text, with English translation by W. Ivanow. Rs. 4.
4. **Kalami Pir, or Haft Babi Sayyid Nasir.** Persian text, edited and translated into English by W. Ivanow. Rs. 7-50.
5. **Arabon Ki Jahaz-Rani (Arab Navigation)** by Syed Sulaiman Nadwi. In Urdu (Revised Edition) Rs. 6.
6. **The book of Truthfulness (Kitab al-Sidq)** by Abu Sa'id al-Kharraz. Arabic text, edited and translated by A. J. Arberry. Rs. 4.
7. **Al-Hidayatu'l-Amiriya.** Arabic text, edited by Asaf A. A. Fyzee. Rs. 5.
8. **Islamic Research Association, Miscellany, Volume I,** edited by Asaf A. A. Fyzee. Rs. 12-50.
9. **The Nuh Sipihr of Amir Khusraw.** Persian Text, edited by Mohammad wahid Mirza. Rs. 15.
10. **Kitabu'l Kashf of Ja'far B. Mansuri'l Yaman.** Arabic text edited by R. Strothmann. Rs. 25.

ملنے کا پتہ:

ادبی پبلشرس، ۸ شیفرڈ روڈ، بمبئی ۸

Adabi Publishers, 8, Shepherd Road,
BOMBAY-8.

Nawa-e-Adab

A QUARTERLY JOURNAL OF

THE ANJUMAN-I-ISLAM URDU RESEARCH INSTITUTE

Annual Subscription :
Inland & Pakistan : Rs. 4 Foreign : Shillings 8
(inclusive of postage)
Price per copy : Rupee One

Vol 12] October-December 1961 [No. 4

All remittances be made to
THE ADABI PUBLISHERS,
8 Shepherd Raod, Bombay 8. (India)